بہنوں کا اپنا ماہنامہ

# شعاع

اگست 2020

سالگرہ نمبر

عید مبارک

Pakistanipoint
Learning Point

پہلی شعاع، رضیہ جمیل 8
حمد، انوار فیروز 9
نعت، محمد افتخار الحق 9
نبیؐ کی باتیں، ادارہ 10


## انٹرویو


عرفان واسطی سے ملاقات، شاہین رشید 22
دستک، شاہین رشید 244
جب تجھ سے ملا، رش 15


## ناول


شہر تمنا، نعیمہ ناز 198
شام کی حویلی میں، رخسانہ نگار عدنان 36


## مکمل ناول


دل آباد، ماہ طلعت 92


## ناولٹ


وہ نازنین، فرح بخاری 142
سلیقہ بی بی، گل ارباب 62
خالی ہاتھ، میمونہ صدف 170


## افسانے


عید، بکرا اور کلیجی، زرقا سکندر 58
واہ! مزا آگیا، زارا ہنجرا 85
مشکلیں مجھ پر، عمارہ جہان 137
عید، ماہا اور تہذیب، بسمہ پارس نواب 221
حاجی صاحب کا بیل، حمیرا شفیع 227


## نظمیں و غزلیں


غزل، احمد ندیم قاسمی 237
غزل، اتباف ابرک 238
نظم، منیر نیازی 238
غزل، ہری چند اختر 237



اگست 2020
جلد 34 شمارہ 12
قیمت 70 روپے



انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔



PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

03172266944

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ..... -/340 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ..... -/7000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا - -/8000 روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

## مستقل سلسلے


| | | | |
|---|---|---|---|
| خط آپ کے | رضیہ جمیل 28 | تاریخ کے جھروکے | امت الصبور 250 |
| مسکراہٹیں | ادارہ 242 | آئینہ خانے میں | واصفہ سہیل 248 |
| باتوں سے خوشبو آئے | شگفتہ جاہ 239 | موسم کے پکوان | خالدہ جیلانی 255 |
| کھلتا کسی پہ | خالدہ جیلانی 247 | خوبصورت بنیے | ادارہ 258 |


خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اُردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ادارہ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مرزا ادیب نے ادارہ شعاع پبلی کیشنز سے شائع کیا

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

رخسانہ جبیں

# مدیر کے شعاع

شعاع اگست کا شمارہ سالگرہ نمبر لیے حاضر ہیں۔
رب کریم کے حضور سر بہ سجود ہیں۔ اس کی نوازشیں اور عنایتیں ہیں کہ شعاع نے ایک اور سال کا سفر کامیابی سے طے کر لیا ہے۔

شعاع اپنی عمر عزیز کے 35 سال مکمل کر کے ایک نئے سال میں قدم رکھ رہا ہے۔
سال پہ سال گزرتے جاتے ہیں۔ ہر لمحہ، ہر پل جو گزر رہا ہے۔ وقت کے سمندر کا حصہ بن جاتا ہے۔ وقت کے اس سفر میں ہم کچھ کھوتے ہیں، کچھ پاتے ہیں۔ وقت کی اس طویل مسافت میں جہاں بہت سے قیمتی لوگ ہم سے بچھڑ گئے۔ وہاں ہم نے بہت کچھ پایا بھی ہے۔ سب سے اہم، سب سے قیمتی اور سب سے انمول آپ کی رفاقتیں، آپ کی محبتیں ہیں جو اس طویل مسافت میں ہمارے لیے زادِ راہ بنیں۔ ان محبتوں نے ہمیں لگن، شوق، امنگ عطا کی اور شعاع میں وہ رنگ بھرے کہ وہ کچھ ہی سالوں میں بہتوں کا پسندیدہ ترین پرچا بن گیا۔

ہم اپنی مصنفین کے بھی ممنون ہیں کہ ان کی بہترین تحریروں نے شعاع کو ایک منفرد مقام عطا کیا۔ ہم الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ بہت سی مصنفین آج ہمارے درمیان نہیں۔ وہ ہماری دعاؤں میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

محمود ریاض صاحب جنہوں نے اس ادارہ کی بنیاد رکھی۔ خواتین ڈائجسٹ، شعاع اور کرن کا اجراء کیا۔ ان کے لیے ایک صاف ستھری پالیسی متعین کی۔ اور اس پر ہمیشہ کاربند رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

عید الاضحیٰ کی آمد آمد ہے۔

عید الاضحیٰ قربانی کے اس عظیم واقعہ کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ جب ایک باپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے عزیز فرزند کی قربانی پیش کر کے بے مثال جذبۂ اطاعت اور فرماں برداری کی اعلا ترین مثال پیش کی اور ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل، اس کی اطاعت اور تابعداری ہر محبت پر فوقیت رکھتی ہے۔

قارئین کو عید الاضحیٰ مبارک۔
ہماری دعا ہے کہ روزِ عید آپ کے آنگن میں ڈھیر ساری خوشیاں لے کر اترے۔ آمین۔

## اس شمارے میں،

- دل آباد۔ ماہ طلعت کا مکمل ناول،
- گل ارباب، فرح بخاری اور میمونہ صدف کے ناولٹ،
- رخسانہ نگار عدنان اور نعیمہ ناز کے ناول،
- زرقا سکندر، زاہدہ ہنجرا، عمارہ جہاں، بسمہ شانزے پارس نواب اور حمیرا شفیع کے افسانے،
- مشہور شیف عرفان واسطی سے ملاقات، معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے۔ قارئین کے تجربات،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں،
- خط آپ کے، باتوں سے خوشبو آئے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

## حمد باری تعالیٰ

غموں کے بحر سے ہم کو نکالنے والا
وہی ہے سارے جہانوں کو پالنے والا

گواہی دیتے ہیں سارے اسی کی ماہ و نجوم
وہ اپنے نور سے جگ کو اُجالنے والا

ہر اک جہاں کی محافظ ہے ذاتِ پاک اس کی
وہ جان قطرۂ خوں میں ہے ڈالنے والا

اسی کے ہاتھ میں عزت ہے اور ذلت بھی
وہی کریم، کرم سے نوازنے والا!!

نصیب سب کے بنائے الگ الگ اس نے
وہی ہے سوکھے شجر کو سنبھالنے والا

اسی کا نور ہے انوار میری سانسوں میں
وہی ہے راست کی راہوں پہ ڈالنے والا

انوار فیروز

## نعت رسول مقبول ﷺ

تاریکیوں سے چاند نکالے حضورؐ نے
پھیلا کے ظلمتوں میں اُجالے حضورؐ نے

روتے ہوئے تمام گلے سے لگا لیے
گرتے ہوئے تمام سنبھالے حضورؐ نے

واللہ ان کے لطف و کرم کی یہ بارشیں
سائل کبھی بھی در سے نہ ٹالے حضورؐ نے

کتنے بتوں کو پوجنے والے بنا دیے
صرف اک الٰہ کے چاہنے والے حضورؐ نے

دے کر پیامِ حرکت و درسِ عمل ہمیں
توڑے جمودِ ذات کے تالے حضورؐ نے

ارقم بھٹک رہے تھے جو دشتِ حیات میں
وہ لوگ راہِ راست پہ ڈالے حضورؐ نے

ڈاکٹر محمد افتخار الحق ارقم

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

# پاکی کی پابندیاں

## طہارت کا ثواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص جب وضو کرتا ہے اور اچھی طرح (خوب سنوار کر) وضو کرتا ہے، پھر مسجد میں آتا ہے، اسے نماز کے علاوہ کوئی اور مقصد گھر سے نہیں نکالتا، (ایسا شخص) جو قدم بھی اٹھاتا ہے، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے اور ایک گناہ معاف کرتا ہے۔ (اسے مسلسل یہ ثواب ملتا رہتا ہے) حتیٰ کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔"

### فوائد و مسائل:

1- وضو کرتے ہوئے اچھی طرح سنوار کر وضو کرنے کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

2- بعض اوقات انسان مسجد میں آتا ہے تو اس کا مقصد کسی آدمی سے ملاقات کرنا یا کوئی اور ضرورت پوری کرنا ہوتا ہے مگر ساتھ نماز بھی پڑھ لیتا ہے۔ اس صورت میں نماز کے ثواب میں کمی نہیں آتی لیکن جب صرف نماز کے لیے گھر سے نکلے کوئی اور مقصد نہ ہو تو ثواب زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

3- نماز اتنا عظیم عمل ہے کہ اس کے لیے مسجد میں آنے کا اس قدر ثواب ہے۔ تو خود نماز اگر پورے آداب و شرائط کا خیال رکھتے ہوئے پڑھی جائے تو کتنی رحمتیں اور برکتیں حاصل ہوں گی، اور یہ نماز کس قدر بلندی درجات کا باعث ہوگی۔

4- اللہ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ اس نے بظاہر معمولی نظر آنے والے اعمال کے لیے بہت زیادہ اجر و ثواب مقرر کر رکھا ہے، پھر بھی اگر انسان جہنم سے چھٹکارا پا کر جنت حاصل نہ کر سکے تو یہ حقیقتاً انسان کی بہت بڑی کوتاہی ہے۔

5- مسجد کے بجائے اپنے گھر، دفتر اور دکان وغیرہ سے وضو کر کے مسجد میں آنے کا ثواب زیادہ ہے۔

## طہارت کی اہمیت و فضیلت

☆ طہارت کے لغوی معنی: لغت میں، میل سے صاف ہونے، نجاست سے پاک ہونے اور ہر عیب دار قول و فعل سے بری ہونے کا نام "طہارت" ہے۔

☆ اصطلاحی تعریف: شریعت میں حدث اصغر (بے وضو ہونے) کے بعد وضو کرنے اور حدث اکبر (جنبی ہونے) کے بعد غسل کرنے کو "طہارت" کہتے ہیں۔

☆ طہارت کی ضرورت و اہمیت: اسلام طہارت و نظافت کا دین ہے۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو نجاست اور گندگی سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو جسم، لباس، رہنے سہنے کی جگہ، کھانے پینے، غرضیکہ تمام امور حیات میں طہارت و صفائی کا پابند بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی اور امت کے رہنما و مرشد صلی اللہ علیہ وسلم کو صفائی و ستھرائی کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

"(اے نبی!) اپنے کپڑے صاف رکھیے اور گندگی سے دور رہیے۔" (المدثر 54/74)

اسلام کا پہلا درس طہارت ہی ہے۔ اسلام کے بنیادی اور اہم رکن نماز کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کی شرط لگائی ہے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اگر پہلے سے باوضو ہوں تو دوبارہ وضو کرنے کی ترغیب دی، صفائی کے اہتمام میں مسواک کی فضیلت واہمیت واضح فرمائی، پانی موجود نہ ہو تو تیمم مشروع فرما کر سہولت مہیا کردی تاکہ مسلمان ہر حالت میں صفائی وستھرائی کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ بنائیں۔ اس طرح اسلام کا سارا نظام صفائی وستھرائی پر مبنی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات کا شاندار اسوہ پیش کیا ہے، آپ ہر نماز سے پہلے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اور صبح بیدار ہونے کے بعد مسواک کرتے۔ لباس وجسم کی صفائی کا اہتمام فرماتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ترغیب بھی دلاتے، مثلاً ایک صحابی میلے کچیلے اور بوسیدہ کپڑے پہنے خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

''کیا تمہارے پاس مال نہیں ہے؟''

وہ کہنے لگا: کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نعمت عطا کی ہوئی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر تمہارے رہن سہن میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار بھی ہونا چاہیے۔'' (مجمع الزوائد: 132/5، وسلسلہ الاحادیث الصحیحۃ: 311/3)

اسلام کے اس روشن اور پاک صاف نظام کے مقابلے میں یہودیت، عیسائیت، ہندومت، بدھ مت یا سکھ مت کو دیکھیں تو ان کی ساری زندگی غلاظت وگندگی میں غرق نظر آتی ہے۔ غسل وصفائی سے ناآشنا یہ اقوام پلیدی ونجاست کی پیداوار میں دن رات اضافے کا باعث بن رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اسلامی نظام طہارت پر تعجب ہوتا ہے جیسا کہ ایک یہودی نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بہ طور طنز کہا:

''سنا ہے، آپ کا رسول آپ کو رفع حاجت کے طریقے بھی سکھاتا ہے؟''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بغیر کوئی خفت اور شرمندگی محسوس کیے کمال خود اعتمادی اور فخر وسرشاری سے جواب دیا۔

''ہاں، ہمارا نبی ہمیں ہر بات کی تعلیم دیتا ہے حتی کہ رفع حاجت کے آداب بھی سکھاتا ہے۔''

اس پر یہود ونصاریٰ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ (صحیح مسلم، الطہارۃ، باب الاستطابۃ، حدیث: ۲۶۲)

اسی تعلیم وتربیت کے سائے میں پرورش پانے والے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف وتوصیف خود رب العالمین نے بیان کی ہے۔

ارشاد ہے۔ ''اس (مسجد قباء) میں ایسے لوگ (نماز پڑھتے) ہیں جو طہارت کو بہت پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ طہارت کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (التوبہ 108/9)

یہ آیت کریمہ اہل قبا کی شان میں نازل ہوئی جو قضائے حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرتے تھے اور جنابت کے بعد غسل کرتے تھے۔ اسلام کے اسی نظام طہارت کی شان واہمیت بیان کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ''طہارت نصف ایمان ہے۔'' (صحیح مسلم۔ 223)

اسلام کے نظام طہارت نے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے پر مہر تصدیق ثابت کردی ہے جبکہ غیر مسلم اقوام کے نظام ہائے حیات کو دیکھ کر انسانیت شرمندہ ہو جاتی ہے۔ حیوانات اور ان کی زندگی میں کچھ فرق محسوس نہیں ہوتا، اس لیے ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اسلام وہ نظام ہے جو پوری انسانیت کا رہنما اور قائد ہو سکتا ہے۔

## وضو اور غسل کے لیے پانی کی مقدار

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد (پانی) سے وضو اور ایک صاع (پانی) سے غسل کرلیا کرتے تھے۔ (مسلم)''

### فوائد ومسائل:

1- ''صاع'' پیمائش کا ایک پیمانہ ہے۔ کلوگرام کے حساب سے اس کی مقدار دو کلو سو گرام اور بعض کے

Waqar Azeem Pakistanipoint

نزدیک ڈھائی کلو ہے۔

مد صاع کے چوتھائی (1/4 صاع) کو کہتے ہیں، اس کی مقدار پانچ سو پچیس گرام ہے۔ مائعات کے لیے صاع تقریباً دو لیٹر سے کچھ زائد اور مد اس سے چوتھائی سمجھا جاسکتا ہے۔

غسل اور وضو کے لیے یہ مقدار ذکر کرنے کا یہ مقصد نہیں کہ اس سے کم یا زیادہ پانی استعمال کرنا جائز نہیں۔ مقصد محض ایک اندازہ بیان کرنا ہے تاکہ بلاوجہ بہت زیادہ پانی ضائع نہ کیا جائے، بلکہ تھوڑے پانی کو طریقے سے استعمال کیا جائے کہ پوری طرح صفائی حاصل ہو جائے البتہ صدقہ، فطر وغیرہ میں "صاع" سے کم مقدار میں غلہ ادا کرنا درست نہیں۔

## پانی کی مقدار

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد (پانی) سے وضو اور ایک صاع (پانی) سے غسل فرماتے تھے۔" (ابوداؤد)

## پانی کی کفایت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد (پانی) سے وضو اور ایک صاع (پانی) سے غسل فرماتے تھے۔"

## سب سے افضل

حضرت عقیل بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وضو کے لیے ایک مد (پانی) اور غسل کے لیے ایک صاع (پانی) کافی ہے۔"

ایک آدمی نے کہا: "ہمارے لیے تو کافی نہیں ہوتا۔"

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ان کو تو کافی ہوتا تھا جو تجھ سے افضل تھے اور ان کے بال بھی تجھ سے زیادہ تھے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔"

فائدہ: حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ پانی استعمال کرنے کا مقصد اگر طہارت اور صفائی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفائی پسند تھے۔ اگر احتیاط مطلوب ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ متقی تھے۔ اگر یہ خیال ہے کہ بال زیادہ ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بھی تجھ سے کم نہ تھے، لہٰذا سائل کا زیادہ پانی استعمال کرنا محض شک اور وسوسے کی وجہ سے ہوسکتا ہے یا اسراف کی وجہ سے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

## پاکیزگی کے بغیر نماز قبول نہیں

حضرت اسامہ بن عمیر ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ پاکیزگی کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا اور خیانت کے مال میں سے (دیا ہوا) صدقہ قبول نہیں فرماتا۔" (ابوداؤد)

**فوائد و مسائل:**

1- "پاکیزگی" سے مراد وضو اور غسل ہے۔ نماز کے لیے شرط ہے کہ نمازی حدث اصغر، حدث اکبر اور ظاہری نجاست سے پاک ہو۔

2- ظاہری نجاست دھونے سے، حدث اصغر وضو سے اور حدث اکبر غسل سے دور ہوتا ہے۔

"حدث" سے مراد انسان کا ایسی حالت میں ہونا ہے جس سے وضو یا غسل کرنا ضروری ہو، جیسے باوضو شخص کی ہوا خارج ہو جائے یا وہ قضائے حاجت کرلے تو اس کا وضو برقرار نہیں رہتا۔ یہ حالت حدث اصغر کہلاتی ہے۔ اگر غسل کی حاجت ہو تو یہ حالت حدث اکبر کہلاتی ہے۔ ایسی حالت میں غسل ضروری ہے۔

3- قبول نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ثواب نہیں ملتا اور اگر وہ فرض نماز ہے تو انسان کے ذمہ اس کی ادائیگی باقی رہتی ہے۔

4- "خیانت کے مال" کے لیے حدیث میں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لفظ ''غلول'' استعمال ہوا ہے، اس سے مراد مال غنیمت میں کی ہوئی خیانت ہے، یعنی جہاد میں کافروں سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کے مجاہدین میں باقاعدہ تقسیم ہونے سے پہلے اگر کوئی مجاہد اس میں سے کوئی چیز اپنے قبضے میں رکھتا ہے تو یہ مسلمانوں کے اجتماعی مال میں خیانت ہے جو بہت بڑا گناہ ہے۔ اس طریقے سے حاصل ہونے والا مال حرام کمائی میں شامل ہے لہٰذا اس کو اگر نیکی کے کسی کام میں خرچ کیا جائے تو وہ اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں یعنی جس طرح مال کو خرچ کرتے وقت حلال وحرام مصرف کا خیال رکھنا ضروری ہے اسی طرح مال کے حصول میں بھی حلال وحرام میں تمیز کرنا ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ پاکیزگی کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا اور خیانت کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں فرماتا۔'' (مسلم)

## پاکیزگی، نماز کی کنجی ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نماز کی کنجی، پاکیزگی ہے اور نماز کی تحریم (اس میں پابندیاں لگانے والی چیز) تکبیر ہے اور نماز کی تحلیل (اس میں پابندیاں ختم کرنے والی چیز) سلام ہے۔'' (ابوداؤد)

### فوائد ومسائل:

1- جس طرح کنجی کے بغیر تالا نہیں کھلتا، اسی طرح حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہوئے بغیر نماز میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ طہارت نماز کے لیے شرط ہے۔

2- تکبیر، یعنی اللہ اکبر کہنے سے نماز کے منافی تمام امور ممنوع ہو جاتے ہیں۔ اس لیے نماز میں داخل ہوتے وقت کہی جانے والی پہلی تکبیر کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے نماز میں اس کی وہی حیثیت ہے جو حج میں ''احرام'' باندھنے کی ہے جس سے حاجی پر کچھ پابندیاں لگ جاتی ہیں۔

3- تکبیر تحریمہ سے لگنے والی پابندیاں اس وقت اٹھتی ہیں جب نمازی سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتا ہے، اس لیے اسے ''تحلیل'' کہا گیا ہے، یعنی جو چیزیں نماز میں حرام اور ممنوع تھیں، اب وہ حلال اور جائز ہو گئیں۔

4- نماز میں داخل ہونے کا طریقہ تکبیر ہی ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کلمے سے یا کسی دوسری زبان میں اللہ کا نام لے کر انسان نماز میں داخل نہیں ہو سکتا۔ بعض علما کا یہ موقف درست نہیں کہ اللہ کا نام کسی طرح سے بھی لے لیا جائے نماز شروع ہو جاتی ہے، خواہ ''اللہ اعظم'' کہا جائے یا ''اللہ کبیر'' وغیرہ۔

بعض علما کی رائے ہے کہ نمازی، نماز کے باقی اعمال پورے کرنے کے بعد سلام کے بجائے کوئی ایسا عمل کر لے جو نماز کے منافی ہو تو نماز مکمل ہو جاتی ہے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے سلام۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

## وضو کی حفاظت کرنا

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سیدھی راہ پر قائم رہو اور تم (کما حقہ) قائم نہیں رہ سکو گے اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے اور وضو کی حفاظت مومن ہی کرتا ہے۔''

### فوائد ومسائل:

1- ''سیدھی راہ پر قائم رہو'' اس کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام پر قائم رہو، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ''تمہیں جب بھی موت آئے، اسلام پر آئے۔'' ترجمہ (البقرہ 132/2)

2- دوسرا مطلب یہ ہے کہ افراط وتفریط سے بچ

کر راہ اعتدال پر قائم رہو۔ نہ ذکر و عبادت سے بے پروائی کرو، نہ خود پر اتنا بوجھ ڈال لو کہ اس پر کاربند رہنا دشوار ہو جائے۔ کوئی شخص اس انداز سے نیکی کی راہ پر قائم نہیں رہ سکتا کہ اس سے کوئی غلطی اور کوتاہی سرزد نہ ہو نہ یہ ممکن ہے کہ ذکر، شکر اور عبادت کا حق ادا کر سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے۔ ترجمہ ''اسے معلوم ہے کہ تم پوری طرح نباہ نہ سکو گے۔'' (المزمل 20/73)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

''(اے اللہ!) میں تیری پوری پوری تعریف نہیں کر سکتا، تو ایسے ہی ہے جیسے تو نے اپنی ثنا فرمائی۔'' (صحیح مسلم، 486)

3-وضو کا قائم رہنا یا ٹوٹ جانا ایسی چیز ہے جس کا علم دوسروں کو عام طور پر نہیں ہوتا اور اس معاملے کو آسانی سے پوشیدہ رکھا جا سکتا ہے۔ اس کا اہتمام محض اسی یقین کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ دوسرے جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ وضو کی حفاظت کا مطلب اولاً سردیوں اور گرمیوں میں پوری طرح اعضاء کو دھونا ہے۔ ثانیاً وضو کرتے وقت اعضاء کو توجہ سے دھونا کہ کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے۔ اور ثالثاً زیادہ سے زیادہ اوقات میں باوضو رہنا بھی ہو سکتا ہے اور یہ کام ایمان کی قوت کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا۔

## نماز کی اہمیت

''ایمان ایک قلبی کیفیت ہے جس کا اظہار اعمال سے ہوتا ہے۔ اعمال میں اہم ترین عمل نماز ہے۔ فرض نماز تو اتنا اہم عمل ہے کہ اسے کفر اور ایمان کے درمیان امتیاز کے لیے ایک علامت قرار دیا گیا ہے۔ متقین کی سب سے اہم صفت اور اخروی فلاح و کامیابی کے لیے اولین شرط نماز کو قرار دیا گیا ہے۔ (سورۃ البقرہ: ۲/۲-۵)

نفل نماز کی اپنی اہمیت ہے۔

## جنت میں رفاقت

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ وہ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام کے حصول کا طریقہ بتایا اور فرمایا۔

''سجدوں کی کثرت کے ذریعے سے اپنے نفس کے خلاف میری مدد کرو۔'' (صحیح مسلم۔489)

☆☆

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے اپنے غلام پر کسی ایسے جرم کی حد لگائی جو اس نے کیا ہی نہیں یا اس کو طمانچہ مارا، تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے۔'' (مسلم)

فائدہ:

قاضی عیاض فرماتے ہیں: اس پر اجماع ہے کہ آزاد کرنا واجب نہیں، صرف مستحب ہے، تاہم یہ آزادی گواجر میں بغیر کسی سبب کے آزاد کرنے کے برابر نہیں ہے، مگر اس کی زیادتی کا کفارہ ضرور ہوگی۔

حضرت ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کا ملک شام میں کچھ نبطی کاشت کار لوگوں پر سے گزر ہوا جنہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا اور ان کے سروں پر زیتون کا تیل بہایا گیا تھا۔ انہوں نے پوچھا: یہ کیا ماجرا ہے؟ ان کو بتلایا گیا کہ انہیں خراج کی وجہ سے سزا دی جا رہی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہیں جزیے کی وجہ سے قید کیا گیا ہے۔ حضرت ہشام نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔'' پھر حضرت ہشام ان لوگوں کے گورنر کے پاس گئے اور انہیں یہ حدیث سنائی تو گورنر نے ان کی بابت حکم دیا اور انہیں چھوڑ دیا گیا۔ (مسلم)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

# جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

س ''شادی کب ہوئی؟''

ج ''جب انیسویں صدی اپنے اختتامی سفر کی جانب رواں دواں تھی۔ ایک یخ بستہ رات کو بابل کا آنگن سونا کر کے پیا کے گھر میں دلہن کے روپ میں پہلا قدم رکھا۔''

س ''شادی سے پہلے کیا مشاغل اور دلچسپیاں تھیں؟''

ج ''ماضی کے دریچوں میں جھانکیں تو کئی رنگ بکھرنے لگتے ہیں، آسمان سے قوس قزح زمین پر اتر آتی ہے، پہلے اسکول کا دور آتا ہے پھر کالج کا، پڑھنا لکھنا، کھانا پینا، کھیلنا، کودنا، موج مستی اور آزادی، بے فکر ذہن، بے فکری زندگی۔

ہم محمد خان ہاؤس کے مکین، جہاں ایک جوائنٹ فیملی سسٹم تھا، ہمارے دادا کے چار بیٹے (ہمارے بابا دوسرے نمبر پر تھے) اپنے والدین کے ساتھ اور اپنی آل اولاد کے ساتھ زندگی کے دکھ سکھ شیئر کر رہے تھے جہاں ایک طرف، پیار، محبت اور خلوص کی بہار تھی، تو شکوے شکایت کے انبار بھی تھے۔

اب خواتین میں کھچڑی پکے، یا مردوں میں بریانی و تکے بنیں ہم کزنز تو بس اپنے پڑھنے لکھنے، کھیلنے کودنے، خوش گپیوں اور موج مستیوں میں مگن تھے۔ کچھ سمجھ دار ہوئے تو خواتین اور شعاع کا مطالعہ شروع کیا۔ ہماری امی اور ہم بہنیں کہانیوں کے کرداروں پر بے لاگ تبصرے یوں کرتے جیسے یہ کردار اسی دنیا کے جیتے جاگتے انسان ہوں۔

اصل میں ہماری امی کتابیں پڑھنے کی حد درجہ شوقین تھیں۔ اسی لیے ہم بہنیں بھی شعور کی منزل میں قدم رکھتے ہی کتابوں سے جڑ گئیں، فرصت کے اوقات میں ہم بیڈمنٹن کھیلتے، کیرم، لڈو، اور دنیا مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔ عجیب دنیا تھی وہ جب من مانی اور آزادی کے پروانے ہماری اپنی مٹھی میں رہتے تھے۔''

س ''اس رشتے میں آپ کی مرضی تھی یا بزرگوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا؟''

ج ''اس رشتے میں میری مرضی شامل نہ تھی۔ یہ بزرگوں کا فیصلہ تھا، میرے شوہر نامدار میری خالہ کے بیٹے تھے حد درجہ فلرٹ اور بے باک، ہر نئے دن ان کے عشق کی ایک نئی داستان منظر عام پر آتی تھی اور شروع سے میں سنتی آئی تھی کہ میں ان سے منسوب ہوں اور جب یہ رشتہ باقاعدہ طے ہوا، میں اس وقت فرسٹ ایئر میں آئی تھی، اتنی سمجھ دار نہ تھی اس لیے رشتہ طے ہو جانے پر بہت ہرٹ ہوئی تھی۔ کوئی مجھے چھیڑتا تو میں منہ پھلا لیتی۔ مگر جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں اس لیے جھکا ہوا سر نہ جھکا دیا۔''

س ''ذہن میں جیون ساتھی کے حوالے سے پہلے سے کوئی تصور تھا؟ نیز وہ کیا خوبیاں تھیں جو آپ اپنے جیون ساتھی میں دیکھنا چاہتی تھیں؟''

ج ''حیرت تو ہمیں خود پر ہے کہ کہانیاں، ڈائجسٹ، ناول کچھ بھی تو نہ چھوڑا، ڈھیروں کرداروں سے ملے مگر کوئی ہیرو اپنا آئیڈیل نہ بنا، کبھی کبھی لگتا ہے کہ ہم نے جانے انجانے میں خود کو کوئی مضبوط ہیرو تصور کر لیا تھا کہ بھئی ہیروئن کے نصیب تو ہیرو کے ساتھ ہی بندھے ہوتے ہیں نا۔''

س ''منگنی کتنا عرصہ رہی، شادی سے پہلے فون پر بات ہوئی یا ملاقات وغیرہ؟''

ج ''فرسٹ ایئر میں منگنی ہوئی یا بات پکی ہوئی اور گریجویشن کرتے ہی شادی ہو گئی یعنی پورے چار سال بعد۔ ظاہر ہے کزن تھے ایک دوسرے کے گھر بھی آنا جانا تھا اور نانی کے گھر اور تقریبات میں بھی آنا جانا تھا، ملاقات ہو جاتی تھی، پر میں بات نہ کرتی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اور اگر وہ کرتے تو میں جلا، کٹا جواب دیتی۔ پر وہ ہنس مکھ جانے کس مٹی کے تھے۔ برا ہی نہ مانتے اور ہنستے رہتے اور میں مزید جل جاتی اور من ہی من بڑبڑاتی فلرٹ کہیں کا۔"

ہمارے بھرے پرے خاندان میں فون پر بات کرنے کا تصور ہی نہ تھا اور رشتہ باقاعدہ طے ہونے کے بعد میں تو ان کے سائے سے بھی دور بھاگتی تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اور شادی کے دن قریب تر ہوتے گئے۔ میری امی کو میری آنکھوں میں لہراتی تفکرات کی پرچھائیوں نے بے چین کر دیا۔

انہوں نے سمجھایا، لڑکوں کو تو لڑکیوں سے بلاوجہ فری ہونے کا شوق ہوتا ہے۔ شادی کے بعد ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اور لڑکی جب بیوی بنتی ہے تو عورت کہلاتی ہے اور عورت چٹانوں کی سی ہمت رکھتی ہے، وہ تدبیر سے تقدیر کو بدلنے کا فن جانتی ہے اور بس میرے تخیلات میں کئی کہانیاں ایک ساتھ ابھریں، جب ہیرو، ہیروئن ایک دوسرے کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے اور پھر نفرتوں کے بیچ جانے کب محبت کی چنگاری پھوٹی اور پیار کا شعلہ بن گئی۔ سو ہم نے بھی اپنے آپ کو وقت اور حالات کے سپرد کر دیا۔"

س "شادی سے پہلے سسرال والوں کے بارے میں آپ کے کیا خیالات تھے؟"

ج "شادی سے پہلے تمام سسرال والوں کے لیے میرے دل میں پیار، عزت و احترام تھا اور قبل از وقت کوئی منصوبہ بندی نہ کی تھی۔ بس میاں جی کے لیے دل میں بدگمانی تھی۔"

س "شادی کے لیے تعلیم چھوڑنا پڑی یا کوئی قربانی دینا پڑی؟"

ج "گریجویشن کے بعد شادی تو طے تھی، البتہ قربانی یہ تھی کہ میں آخری لمحات تک الجھی الجھی سی تھی۔ پھر بھی ہاں کہہ دی۔"

س "شادی بخیر و خوبی انجام پائی یا رسموں کے دوران لین دین کے معاملات میں بدمزگی ہوئی؟"

ج "شادی بہت دھوم دھام سے بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی۔ کسی قسم کی کوئی بدمزگی نہ ہوئی۔"

س "شادی کے بعد شوہر نے پہلی بار آپ کو دیکھ کر کیا کہا؟"

ج "کہانیاں پڑھ پڑھ کر میں خود واقعی کہانی کا کوئی کردار ہی بن گئی تھی۔ میں تو حیرت سے گم صم تھی ان کا والہانہ انداز اور نگاہوں کی تپش سے میں پگھلی جا رہی تھی۔ کل تک میں جن کے سائے سے بھی دور بھاگتی تھی۔ آج وہ بالکل کسی ہیرو کی طرح قبول ہے، قبول ہے، قبول ہے کے دو بول تین بار کہہ دینے کے بعد من کے سنگھاسن پہ براجمان ہو چکے تھے۔ یہ سب کیسے ہوا، انہوں نے کیا کہا، میں کچھ نہ سن سکی، کیونکہ میں تو خود اپنی بدلتی کیفیت پر بنا دانتوں میں انگلی دابے حیران تھی۔"

س "شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟"

ج "بابل کا آنگن سونا کر کے پیا کے گھر پڑنے والے پہلے قدم نے ہی بتا دیا کہ زندگی یکسر بدل گئی۔ ابتدا بہت خوش گوار تھی۔ اب تک جو محبت صرف کتابوں میں ہی پڑھی تھی۔ خود آشنائی ہوئی تو کھو ہی گئے۔ مگر جلد ہی ہوش و خرد کی دنیا میں واپس آنا پڑا، جیون ساتھی کا پیار کیا ملا، چند دن میں ہمارے لیے تبدیلیوں کی ایک حیرت انگیز دنیا آباد ہو چکی تھی، حیرتوں کے دروا ہوتے چلے گئے۔ ایک تلخ حقیقت روح کو گھائل کرنے کو تیار تھی۔ کہ کل تک جو ہمیں سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے وہ آج ہمیں قدموں کی دھول بنانے پر بھی تیار نہ تھے۔

جانے ہمارا چہرہ بدل گیا تھا یا وہ نگاہیں جہاں اب اجنبیت بیگانگی، نفرت، عداوت اور قہر و غضب کا ایک جنگل چنگاریاں برسا رہا تھا اور ہم مجرموں کی طرح نگاہ نیچی کیے دم سادھے خوف کے سائے میں لپٹے دم بخود، مجرم ٹھہرے، جرم تھا ہی اتنا سنگین، کسی کے پلے پلائے بیٹے اور بھائی کے دل کے پلاٹ کو خالی کرا کے نا صرف قبضہ جما لیا تھا بلکہ گھر بنا کے اپنے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نام کی تختی بھی لٹکا دی تھی۔

جرم تو جرم تھا سزا تو بنتی تھی۔ عمر قید تو پہلے ہی مل چکی تھی۔ ابھی گم صم تھے کہ کیا سدا زخموں سے چور پور جینا ہوگا۔ اور ایسے میں ہمارے شوہر نامدار نے ہمیں باکمال لفظوں کی مار سے جگا دیا۔ ارے اتنی کہانیاں پڑھی ہیں کوئی گر نہ سیکھا سسرال والوں کا دل جیتنے کا۔

میں نے حیران ہو کر معصومیت سے جواب دیا، ''میں اسے سسرال نہیں ـــ اپنا گھر سمجھتی ہوں اور یہ سب'' ابھی میری بات مکمل بھی نہ ہوئی اور انہوں نے کاٹ دی

''ارے بابا کتابی باتیں صرف سنانے کے لیے نہیں بلکہ عمل کرنے کے لیے بھی ہوتی ہیں۔''

پھر ایک روز میری امی نے میرے چہرے پہ تفکرات کے لرزتے سائے دیکھے تو مسکرا کے اپنے ازلی شیریں لہجے میں سمجھایا۔

یہ پودے خود بخود نہیں اگ جاتے زمین کو نرم اور ہموار کرنے کے لیے گوڈی کرنی پڑتی ہے پھر پیار کا بیج بو کر، صبر و تحمل، ایثار و برداشت، عفو و درگزر، نیک نیتی اور خلوص سے آبیاری کرنی پڑتی ہے محنت و مشقت سے سیراب ہونے کے بعد کہیں محبت کی ننھی ننھی کونپلیں پھوٹتی ہیں اور پھر جیسے جیسے وقت آگے سرکتا ہے، توجہ و انہماک، قربانی و جانفشانی کے رنگوں سے پھوٹتے شگوفوں کی مہک سے ساری فضا معطر ہونے لگتی ہے۔ میں نے سر ہلاتے ہوئے من میں سوچ لیا کہ حسن تدبیر سے مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے اور کوشش تو کی ہی جا سکتی ہے نا۔''

س ''شادی کے ـــ کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟''

ج ''شادی کے پندرہ دن بعد ہاتھ لگائی کی رسم ہوگئی ابتدا میں روٹی پکانے کی ذمہ داری ملی پھر آہستہ آہستہ ذمہ داریاں بڑھتی گئیں۔''

س ''کیا میکے اور سسرال کے کھانے پکانے کے انداز اور ذائقے مختلف محسوس ہوئے؟''

ج ''کھانے تقریباً ایک سے انداز اور ذائقے کے تھے، کچھ خاص فرق نہ تھا، ہاں البتہ روٹین کا فرق ضرور تھا، ہم گھر میں صبح سویرے جاگنے کے عادی تھے یہاں دیر تک سونے کا رواج تھا۔ اسی حساب سے کھانے پینے کے ٹائم میں فرق تھا۔ مگر یہ کوئی خاص مسئلہ نہ تھا۔''

س ''سسرال میں کن باتوں پر تعریف ہوئی اور کب تنقید کا سامنا کرنا پڑا؟''

ج ''گھریلو امور سے قطعی نابلد بھی نہ تھے، واقفیت تو تھی مگر ہچکچاہٹ کڑی تنقید کا سبب ٹھہری اور تنقید کے شعلے برساتی نگاہیں اور لفظ گلے میں نمکین پانی کے گولے پھنسانے لگتے جنہیں گلے کے راستے من میں اتارنا خاصا مشکل اور صبر آزما تھا۔ مگر بالآخر ہم اپنی کاوشوں پر کامیابی حاصل کرنے کے لیے ثابت قدمی سے ڈٹے ہوئے تھے۔ لہٰذا کڑی تنقید پر جب بھی آنکھوں کے رستے آنے والے سیلاب نے رخساروں کی طرف بہاؤ پکڑنا چاہا ہم نے وہ نہیں کیا جو سیاست دان، وڈیرے اور جاگیردار کرتے ہیں سیلاب کا رخ اپنی جانب بند باندھ کر غریب بستیوں کی طرف دھکیل دیتے ہیں ہم اندر ہی اندر اس سیلاب کو بہا لیتے اور بظاہر تو ہم پرسکون نظر آتے، مگر اندر سے طنز و تحقیر کے نشتروں سے چور چور تھے۔ مگر خیر ہمت جواں تھی۔''

س ''سسرال والوں نے آپ کو وہ مقام دیا جو آپ کا حق تھا؟ سسرال میں گھریلو اور خاندانی معاملات میں آپ کی رائے کو کتنی اہمیت دی جاتی ہے؟''

ج ''یہ اوائل جون کا ایک گرم ترین دن تھا جھلسا دینے والی گرمی نے جسم و جاں کو کملا کے رکھ دیا تھا۔ میں کچن کے تمام کام نمٹا کر نکلی تو پسینے سے شرابور تھی۔ (اس دوران میرے ایک دیور کی شادی میری تایا زاد سے ہو چکی تھی) میری ساس اور نند اپنے کمرے میں محو گفتگو تھیں، سوچا انہیں اطلاع دے دوں۔ کھانا تیار ہو چکا ہے، میں فریش ہو کر کھانا لگاتی ہوں۔ ساس ماں کے کمرے کے دروازے تک پہنچے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

میرے قدم جیسے دروازے پہ جم سے گئے، اندر سے آتے لفظ جو میری سماعت سے ٹکرائے۔ وہ کچھ اس طرح تھے۔

نند۔ امی آپ پھر سے بھابی کے خاندن کی لڑکی دیکھ رہی ہیں۔ دو لڑکیاں آپ ایک گھر سے لے آئیں اب تیسری بہو بھی وہیں سے لانا چاہتی ہیں اور چوتھی کے لیے بھی آپ وہیں دیکھ رہی ہیں آخر ایسا کیا ہے بھابی کے خاندان میں (یعنی پانچ سال بعد تایازاد اور اب سال بعد چچازاد میری ساس کا نگاہ انتخاب ٹھہری تھی)۔"

میری ساس کا جواب۔ "میری عمر اور میرا تجربہ ایک نظر میں شخصیت کو پرکھ لیتا ہے۔ اور اس خاندان سے تو میں برسوں سے واقف ہوں، ان لڑکیوں کی ماؤں نے پوری زندگی سسرال میں گزار دی، بچے جوان ہو گئے اور اب تک رشتوں کی ڈور میں مضبوطی سے بندھے ہوئے ہیں سب۔ اس خاندان کی دو لڑکیاں لا کر میں کامیاب تجربہ کر چکی ہوں، یہ لڑکیاں حسن اخلاق کی منہ بولتی تصویر ہیں تو سلیقہ شعاری اور گھریلو امور میں اپنی مثال آپ یہ رشتے نبھانا بھی جانتی ہیں اور رشتوں کی ڈور کو پوری مضبوطی سے تھامے رکھنا بھی جانتی ہیں۔

پانچ سال میں نے بڑی بہو کو ہر طرح سے جانچا اب دو سال ہوئے چھوٹی کو آئے، میں کتنا سناتی ہوں۔ ان سات سالوں میں کبھی تو تکرار کی نوبت نہ آئی، کیونکہ وہ دونوں کبھی پلٹ کر نہ جواب دیتی ہیں نہ کوئی توجیہہ پیش کرتی ہیں، ہر کام وقت سے پہلے انجام پذیر۔ ہوتا ہے۔ ہم نے جس حال میں رکھا، ان کے چہروں کی بشاشت میں کمی نہ آئی۔ مل جل کر رہنے والی یہ لڑکیاں انتہائی صابر و شاکر ہیں۔

ان لفظوں نے آج مجھے اپنی حیثیت، اپنا مرتبہ اور مقام سمجھا دیا تھا۔ میرا سر فخر سے بلند ہو گیا تھا۔ احساس تشکر سے چشم تر ہو گئی تھیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میرا بدن پسینے سے نہیں بلکہ ٹھنڈی میٹھی نرم پھوار سے بھیگ رہا ہے۔

وہ چند جملے جو میری سماعتوں میں شیرینی بن کے اترے تھے، میری سات سالہ ریاضت کا پھل بن گئے۔ آج میں جان گئی تھی اپنے رب کی رضا اور اس کی خوشی کے لیے نیک نیتی سے دی جانے والی قربانیاں بالآخر ہمیں سرخروئی دلاتی ہیں۔ شادی کے بعد ایک مدت کتابوں کو چھونا تو دور کی بات، نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا مگر کتابوں میں لفظوں کی لڑی میں پروئے موتیوں جیسے جملے، اقتباسات اور کردار ہماری یاداشتوں میں ہر لمحہ ہماری رہنمائی کے لیے ہمارے ساتھ تھے۔"

س "بچوں کی پیدائش عورت کی زندگی میں بہت بڑا امتحان بن کر آتی ہے، خصوصاً پہلا بچہ، ایک طرف خود میں آتی تبدیلی، دوسری طرف شوہر اور سسرال والے آپ کو کتنی دشواری کا سامنا کرنا پڑا؟"

ج "شادی کے صرف دو ماہ بعد ہی خوشی کی خبر نے مجھے حیران اور نروس کر دیا تھا اور پھر دھیرے دھیرے پیدا ہونے والی ذہنی و جسمانی تبدیلیاں جہاں مجھے ایک معتبر رتبہ سے نوازے جانے پر ایک انجانے اور انوکھے احساس سے دوچار کر رہی تھیں وہیں علم نجوم کے جانے کن ذرائع نے میری ساس کو آگہی دے دی تھی، کہ میری امی کی بیٹیاں ہیں لہٰذا میرے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے بیٹی ہی منتخب کی ہو گی۔ صبر سے سنا، کیونکہ بیٹی تو اللہ کی رحمت ہے اور میں اور وہ خود بھی تو بیٹی ہی تھیں نا کسی کی، پھر انہیں دکھ کے گہرے احساس نے آ گھیرا۔

اف میرے بیٹے کے ہاں بیٹیاں ہی ہوں گی۔ وہ غریب کیسے کرے گا بس دو بیٹیوں کے بعد، آگے اولاد کا نہ سوچنا۔

سنا سب کچھ اور چپ کی مہر لبوں پر لگا لی اور رب سے کہا جو تیری رضا اس میں تیری بندی راضی برضا۔

میرے رب نے مجھے اپنی نعمت سے نوازا بیٹے کی پیدائش پر سارا گھر نہال ہو گیا۔ مگر یہ خوشی میرے لیے دائمی اور دوسروں کے لیے وقتی ثابت ہوئی کیونکہ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نئے مہمان کی آمد نے جہاں مجھے تکمیل و اعتماد کے جذبے سے ہمکنار کیا تھا، وہیں میری مصروفیات میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا اور ایک بار پھر تناؤ بڑھنے لگا، لیکن ہر بار مشکل و پریشانی میں لفظوں کے جگنو میرے اردگرد منڈلانے لگتے کہ اس پل صراط کو پار کرنا ہے، سو بنا کسی شکوے شکایت کے مصروفیات کے انبار میں خود کو گم کر دیا۔ کیونکہ میرے شوہر نے ایک پیار بھری سرگوشی کی تھی۔

اب تم ماں بن کر یہ تو جان گئی ہو گی کہ اپنی اولاد کسی کو سونپ دینا کتنا مشکل کام ہے۔ اور اس احساس نے میرے دل میں میری ساس کی قدر و منزلت اور بڑھا دی تھی۔"

س "آپ جوائنٹ فیملی سسٹم سے اتفاق کرتی ہیں یا علیحدہ رہنا پسند ہے؟"

ج "دل کے دروا کریں تو اس سسٹم کے فائدے خود بخود نظر آنے لگتے ہیں جوائنٹ فیملی سسٹم میں رشتوں کی ڈور میں کچھ اس طرح بندھ جاتے ہیں کہ ہزار شکوے اور ہزار شکایات کے باوجود ایک دوسرے کے بغیر رہنا محال نظر آتا ہے۔ ہمارے گھر میں آج بھی ساری فیملی جڑی ہوئی ہے، میری ساس اس خاندان کی سربراہ اعلا ہیں۔ سسر اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ میرے شوہر بڑے بھائی اور ان سے چھوٹے چار بھائی یعنی پانچ بھائی اور ان کے بیوی بچے ایک ہی گھر میں رہتے ہیں، اکلوتی بہن بابل کا آنگن چھوڑ کر پیا کے دیس کو آباد کر چکی ہیں۔ ہم سب دیورانیاں، جٹھانیاں آپس میں بیسٹ فرینڈز ہیں صرف ایک بہو غیر خاندان کی ہے، وہ بھی ہم میں یوں گھل مل گئی ہے جیسے ہمیشہ سے ہمارے ساتھ رہ رہی ہو۔

ہمارے بچے نہ صرف آپس میں بہترین دوست ہیں بلکہ اسکولوں کے رزلٹ میں بھی زبردست مقابلہ چلتا ہے اور ہر ایک تعلیمی میدان میں دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے جی جان سے محنت کرتا ہے اور یہ جوائنٹ فیملی سسٹم ہی تھا کہ میں نے تین بیٹے ہو جانے کے بعد جب آٹھوں لی ساری سوئیاں نکل گئیں۔ تو ایک پرائیویٹ اسکول میں جاب کر لی۔ کٹھن وقت کٹ چکا تھا۔ اب جی بھر کے کتابیں پڑھنے کی بھی آزادی تھی اور گھومنے پھرنے اور ہلا گلا کرنے کا وہی دور لوٹ آیا تھا کہ جب ہمارا بچپن اور لڑکپن تھا۔ آج وہی دور ہمارے بچوں کا ہے۔ ہر رات ہم ساری بہوئیں ساس کے کمرے میں جمع ہوتے ہیں اور خوب ہنسی ٹھٹھے ہوتے ہیں۔

تقریبات ہوں یا تہوار، ہماری نند بھی یہیں آ جاتی ہے اور میری ساس کے پانچ بیٹے، پانچ بہوئیں، دس پوتے، تین پوتیاں اور چار نواسیاں خوب موج مستی کرتے ہیں۔ بقرعید پر چھت پر باربی کیو کرتے ہیں، پکنک پارٹیز خوب انجوائے کرتے ہیں۔ ہمارے سب ہی رشتے داروں کا دل ہمارے گھر میں خوب لگتا۔ محلے دار ہوں یا رشتے دار سب ہی ہمارے گھرانے کو رشک سے دیکھتے ہیں۔ ہم نے تو ابتدا ہی سے جوائنٹ فیملی سسٹم دیکھا سو ہمیں تو بہت پسند ہے۔"

س "آپ نے سسرال کے ماحول کو بہتر بنانے کے لیے کوشش کی؟ آپ کی کوشش کس حد تک کامیاب ہوئی؟"

ج "جب بھی ماضی کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے ہیں تو خود کو کٹھن راستوں کے سفر میں پاتے ہیں مگر اس سفر میں ہمیں آس پاس امید کے جگنو بھی جھلملاتے نظر آتے ہیں کہ تاریکی پھیلتی ہے تو دھیرے دھیرے آنکھیں تاریکی کی عادی ہو ہی جاتی ہیں اور پھر یہ وقت بھی گزر ہی جاتا ہے اور ہر تاریک رات کے بعد ایک اجلی صبح نمودار ہوتی ہے۔"

ویسے اپنی کاوشوں کے لیے کیا اپنے قلم سے میاں مٹھو بننا۔ تمام رشتہ دار اور محلے دار ہماری تعریفوں کے پل توڑتے ہیں ایک مختصر سا پیرا رقم کر رہے ہیں۔

ہمارے بہنوئی بھی پانچ بھائی ہیں اور بہنوئی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

صاحب دوسرے نمبر پر ہیں۔ان کے تیسرے نمبر کے بھائی فرانس میں ہوتے ہیں۔ چند سال پہلے وہ یہاں آئے تو میری بہن بہنوئی کی موجودگی میں انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ یعنی میری بہن کی ساس سے کہا کہ اب تو پاکستان میں بھی جوائنٹ فیملی سسٹم کہیں نظر ہی نہیں آتا، وہی مغرب کی طرح مشرقی خون بھی سفید ہو گئے (کیونکہ ان کے سارے بھائی شادی شدہ ہیں اور مختصر مدت میں سب ہی سپریٹ ہومز بنا چکے، اب ـــ صرف میری بہن ہی ساس کے ساتھ رہتی ہے)

میری بہن بولی ''ایسے تو نہ کہو یہاں ابھی خون سرخ ہے۔میری خالہ کے گھر پانچ بہوئیں ایک ساتھ رہتی ہیں اور ماشاء اللہ، اللہ نظر بد سے بچائے۔ پیار، محبت، اخلاق، صبر برداشت، رواداری، کیا نہ ہے جو اس گھرانے میں نہیں ہے۔''

میری بہن کی ساس فوراً بولیں! ''وہاں جو بھی ہے صرف اور صرف تمہاری بہن کی وجہ سے ہے، تمام دوسری بہوئیں اسی کے نقش قدم پر چل رہی ہیں۔ورنہ تمہاری خالہ اور ان کے بیٹی کے مزاج سے کون واقف نہیں۔''

بقول میری بہن کے اپنی ساس کے منہ سے اپنی بہن کے لیے یہ جملے سن کر میرا سر فخر سے بلند ضرور ہوا مگر آنکھیں بھی احساس تشکر سے جھلملا گئیں اور اپنے رب کا من ہی من شکر ادا کیا۔

ایک اور بات جو رہ گئی میاں جی سے ایک روز پوچھا ''آپ کے تو اتنے افیئرز چلا کرتے تھے وہ کیا تھا؟ انہوں نے قہقہہ لگایا اور بولے! تم سے تو نہیں چلایا نا۔یعنی شادی تم سے کرنا چاہتے تھے۔اگر امی کو پتا چل جاتا کہ ہمارے من میں تم چھپی بیٹھی ہو تو پھر تو ہماری تمہاری شادی ناممکن تھی کیونکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ شادی کے بعد پیدا ہونے والے مسائل سے تم بہ حسن وخوبی نبرد آزما ہو سکتی ہو۔تمہاری قابلیت اور اہلیت ہم نے جج کر لی تھی۔

اور وہ کہتے ہیں کہ زندگی ہزار بار بھی ملے تو میری رب سے یہی دعا ہو گی کہ تم ہی ہر بار میری شریک سفر بنو۔

تمام بہنیں ہر روز جب آپ تھکن سے چور ہو کر بستر پر لیٹ کر آنکھیں موندیں تو ایک بار نند یا پری کی بانہوں میں جانے سے پہلے اپنا احتساب ضرور کریں کیونکہ انسان خطا کا پتلا ہے۔جس طرح دوسروں کی غلطیاں ہمیں نظر آتی ہیں اسی طرح دوسروں کو ہماری کوتاہیاں بھی ضرور نظر آتی ہوں، وہ جو کہتے ہیں نا کہ اپنی آنکھ کا تو شہتیر بھی نظر نہیں آتا اور دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آجاتا ہے تو جناب اپنی آنکھوں سے تنکا بھی نکال پھینکیے اور صبر اور برداشت سے زندگی کی کینوس پر خوب صورت و دل نشین رنگوں کی بہار سے لطف اندوز ہوں۔''

آخری بات، ہم مسلمانوں کے لیے تو سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی مثال موجود ہے جو کثرت عبادت کے باوجود تمام گھریلو امور اپنے ہاتھ سے انجام دیتیں۔

دو جہانوں کے سردار نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے لاڈلی اور پیاری بیٹی شوہر، بچوں، عزیزوں، رشتے داروں اور اہل محلہ کی خدمت کے لیے ہر گھڑی تیار رہتیں۔

حضرت فاطمہؓ کی خوشدامن حضرت فاطمہؓ بنت اسد کہا کرتیں کہ ''میری جس قدر خدمت فاطمہؓ نے کی ہے شاید ہی کسی بہو نے اپنی ساس کی خدمت کی ہو۔''

اور ہم تو ان کی خاک پا بھی نہیں۔اس سے بھی کمتر ترین ذرے ہیں پھر ان کی حیات طیبہ سے سبق کیوں نہیں لیتے، خدا ہم سب کو توفیق دے کہ ہم ان کی پیروی کریں۔

☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

# عرفان واسطی سے ملاقات

شاہین رشید

اب وہ وقت ہی نہیں رہا کہ جب یہ کہا جائے کہ یہ شعبہ خواتین کے لیے بہتر ہے اور فلاح مرد حضرات کے لیے..... اب تو ہر فیلڈ میں خواتین و حضرات ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کام کررہے ہیں اور بہترین کررہے ہیں۔

کھانا پکانے کا شعبہ تو صرف اور صرف خواتین سے ہی منسوب ہے مگر درحقیقت یہ مرد حضرات کا بھی شعبہ ہے، بھلا بڑی بڑی دیگوں میں خواتین کفگیر چلاسکتی ہیں، ہرگز نہیں۔ خیر یہ تو مذاق کی بات ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ اب ہر شعبہ ہر ایک کے لیے اور ہر فیلڈ میں سب بہترین کارکردگی دکھارہے ہیں۔

بقرعید قریب ہے۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی معروف شیف سے آپ کی ملاقات کروارہے ہیں۔ عرفان واسطی بہترین شیف کا ایوارڈ بھی لے چکے ہیں۔ ان سے باتیں نہ صرف عید کے حوالے سے ہوں گی بلکہ ان کی فیلڈ اور ان کی زندگی کے حوالے سے بھی ہوں گی۔

''کیسے مزاج ہیں عرفان واسطی صاحب؟''

''جی۔ اللہ کا شکر ہے۔''

''پہلے اپنے بارے میں کچھ بتائیے؟''

''اردو اسپیکنگ فیملی سے ہوں اور ہم ''سید واسطی'' ہیں۔ واسطی ایران کا ایک شہر ''وسط'' کے نام سے ہے تو وسط سے واسطی کہلائے اور ہمارا شجرہ نسب اس شہر سے ملتا ہے۔ اس کے بعد تو پھر سلسلہ انڈیا سے جڑا ہے..... تو انڈیا ''مراد آباد'' سے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ہم پاکستان آگئے۔ میری تعلیمی قابلیت گریجویشن ہے۔ ہم الحمدللہ آٹھ بہن بھائی ہیں یعنی پانچ بہنیں اور تین بھائی۔ میرا نمبر ساتواں ہے۔ مجھ سے چھوٹی ایک بہن ہے۔ میں کراچی میں پیدا ہوا۔ والدہ حیات ہیں جبکہ والد صاحب کا انتقال ہوچکا ہے۔''

''آج کل کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟''

''مصروفیات کچھ یوں ہیں کہ ''لال قلعہ'' میں بہ حیثیت ایگزیکٹو شیف کی جاب کررہا ہوں۔ اس کے علاوہ مصالحہ ٹی وی سے لائیو شو کرتا ہوں۔ Flam On ہے کے نام سے اور یہ ہفتہ اور اتوار کو آن ایر ہوتا ہے، پانچ بجے سے ساڑھے چھ بجے شام کو..... اور یہ مین مصروفیات ہیں جبکہ مختلف کمپنیز کے ساتھ بھی کام کررہا ہوں۔ فوڈ اسٹائلنگ کررہا ہوتا ہوں۔ فوٹو شوٹس کروارہا ہوتا ہوں۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''عموماً ایسا ہوتا ہے کہ گھر میں کوئی مرد کچن میں کام کرے تو بڑا معیوب سمجھا جاتا ہے جبکہ اب مرد حضرات بطور پروفیشن اس کو اپنا رہے ہیں؟''

''جی..... بالکل۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، ایسا ہوتا ہے اور بڑا معیوب سمجھا جاتا تھا کہ کوئی لڑکا اس فیلڈ میں آجائے اور سب کو معلوم ہے کہ اس فیلڈ میں آنے والوں کو خانساماں اور باورچی کہا جاتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے ٹائم گزرتا گیا، لوگوں میں شعور آتا گیا۔ اس فیلڈ کی قدر ہونے لگی اور اب تو کوئی بھی اس کو معیوب نہیں سمجھتا اور اب تو بہت اچھے اچھے اور پڑھی لکھی فیملی کے لوگ اس فیلڈ میں آرہے ہیں۔ جس طرح پہلے سوچتے تھے کہ ڈاکٹر یا انجینئر بنیں، اب سوچتے ہیں کہ شیف بنیں۔''

''گھر والوں نے کوئی اعتراض کیا؟''

''نہیں الحمدللہ۔ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ میرا شوق ہی میرا پروفیشن بنا..... اور میں ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہوں کہ جن کا شوق ان کا پروفیشن بن گیا۔ کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔''

''کتنے سال ہوگئے اس فیلڈ میں؟ اور شوق تو تھا آپ کو، پھر بھی اس فیلڈ کا انتخاب کرنے کی کیا وجہ تھی؟''

''مجھے اس فیلڈ میں تقریباً پندرہ سولہ سال ہوگئے ہیں اور انتخاب بھی اسی لیے کیا کہ مجھے بچپن سے ہی شوق تھا کوکنگ کا۔ کچن میں جا کر امی کے ساتھ ان کے کاموں میں ہاتھ بٹاتا تھا۔ پھر کچھ نہ کچھ پکا کے اس کو نئے نئے نام دینا اور سب کو کھلانا اور پھر داد وصول کرنے میں بڑا مزا آتا تھا۔ ظاہر ہے کہ آپ کے ٹیلنٹ کی کوئی تعریف کرے گا تو اچھا ہی لگے گا۔ بہرحال مجھے اس فیلڈ میں پندرہ سولہ سال ہوگئے ہیں، اللہ نے بہت عزت دی ہے اور جیسے جیسے عزت ملتی گئی ویسے ویسے کام میں مزید دل لگتا گیا۔''

''اپنی فیملی میں آپ ہی اس فیلڈ میں ہیں یا کوئی اور بھی ہے؟''

''فی الحال تو کوئی نہیں ہے لیکن میری کامیابی دیکھ کر خاندان کے کچھ لوگ اس طرف آنے کا ضرور سوچ رہے ہیں اور کافی لوگ آئے بھی ہیں اور آپ کے علم

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

میں یہ بات تو ہوگی ہی کہ اگر کسی کو ملک سے باہر جانا ہے اور امیگریشن لینی ہے اس فیلڈ کے لیے تو یہ بڑا آج کل ''ہاٹ پروفیشن'' ہے اور جس طرح سے باہر اس پروفیشن کی ویلیو ہے، اس طرح اپنے ملک میں بھی ہے اور جیسا کہ آپ نے کہا کہ فیملی میں کوئی اور بھی ہے تو میں اپنی فیملی کے بارے میں آپ کو بتاؤں کہ ہماری فیملی ایک ''ادبی'' فیملی ہے اور ہم سب بہن بھائی گریجویٹ اور ماسٹرز ہیں۔ والد صاحب ہمارے ''لائر'' تھے۔''

''بڑے ہوٹلز میں، ریسٹورنٹ میں خواتین کی بہ نسبت مرد شیف کی تعداد زیادہ ہے، کیوں؟''

''اس فیلڈ میں زیادہ تعداد مردوں کی ہے اور کچھ تو یہ ہنر وراثت میں لے کر آتے ہیں..... لیکن اب بڑی تعداد میں پڑھے لکھے لوگ بھی آنے لگے ہیں۔ گزشتہ ایک دہائی سے اور اب نئے اور پرانے لوگ مل کر کام کر رہے ہیں اور جہاں تک بات مرد حضرات کے زیادہ ہونے کی ہے تو اصل بات یہ ہے کہ ریسٹورنٹ فیلڈ رات کی فیلڈ ہے۔ رات میں لڑکے تو کام کر لیتے ہیں مگر خواتین کو تھوڑی مشکل ہوتی ہے۔ فیملی کا مسئلہ ہوتا ہے۔ پک اینڈ ڈراپ کا مسئلہ ہوتا ہے اور کئی جگہوں پر تو کچن بہت چھوٹے ہوتے ہیں، مگر پھر بھی بڑے تواتر کے ساتھ لڑکیاں بھی کورس کر کے آ رہی ہیں اور کہیں نہ کہیں ایڈجسٹ بھی ہو رہی ہیں۔''

''آپ جب اس فیلڈ میں آئے تو حوصلہ افزائی کرنے والے اور حوصلہ شکنی کرنے والے کتنے لوگ تھے؟''

''ہمارے ملک کا یا ہماری سوچ کا المیہ یہ ہے کہ ہم حادثاتی طور پر پروفیشن کا انتخاب کرتے ہیں۔ میٹرک کر لیا۔ انٹر ہو گیا۔ گریجویشن بھی ہو گئی۔ اب نکلیں گے باہر جاب کرنے..... دماغ میں کچھ اور ہوتا ہے، سوچتے کچھ اور ہیں اور جاب کوئی اور مل گئی۔ پلان نہیں ہوتا کہ ہم نے کرنا کیا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

بڑی چھوٹی جابز کافی کی ہیں اور اس فیلڈ میں آنے سے پہلے میں گارمنٹس کی جاب کر رہا تھا۔ 2005ء میں مجھے پتا چلا کہ ایک ریسٹورنٹ میں جاب ہے۔ گارمنٹس کی جاب میں، میں چودہ پندرہ ہزار کما رہا تھا اور جب اس جاب کی آفر آئی تو کہا گیا کہ ساڑھے تین ہزار ملیں گے۔ چونکہ اس فیلڈ میں آنا میرا شوق تھا لہٰذا میں پندرہ ہزار کو ٹھکرا کر اس فیلڈ میں آ گیا اور بس سیکھتا گیا اور ترقی کرتا گیا.....

آگے بڑھنے کے لیے کمپرومائز کرنا پڑتا ہے اگر اس وقت پندرہ ہزار کو دیکھتا تو شاید اتنی ترقی نہ کر پاتا..... اور اللہ کا شکر ہے کہ کسی نے حوصلہ شکنی نہیں کی۔ سب کی حوصلہ افزائی سے ہی آج میں اس مقام پر ہوں۔''

''کہاں پندرہ ہزار، کہاں ساڑھے تین ہزار..... حیرت ہے کہ کسی نے کچھ کہا نہیں؟''

''اس کے پیچھے بھی ایک کہانی ہے۔ میرے ایک کزن جو کہ شیف ہیں، وہ آسٹریلیا میں رہتے ہیں۔ وہ پاکستان آئے ہوئے تھے، انہیں معلوم تھا کہ مجھے شیف کا پروفیشن پسند ہے، انہوں نے ہی مجھے بتایا کہ ریسٹورنٹ میں جاب ہے۔ تمہیں شوق بھی ہے اور یہاں جاب کرنے کے بعد تم آسٹریلیا کی امیگریشن بھی اپلائی کر سکتے ہو۔

میں نے اس وقت صرف انٹر کیا ہوا تھا۔ 1999 میں میٹرک کیا۔ گھر کے حالات ایسے تھے کہ جاب کرنا پڑی اور پڑھائی کے لیے گیپ دینا پڑا۔ انٹر کیا اور دوبارہ جاب کی۔ کزن نے کہا کہ امیگریشن کے لیے گریجویٹ ہونا بھی ضروری ہے۔ ڈپلوما بھی ہونا چاہیے۔ کمپیوٹر میں نالج بھی ضروری ہے اور انگریزی آنا بھی ضروری ہے۔ بات دل کو لگی اور 2006ء میں، میں نے گریجویشن کے لیے پرائیویٹ رجسٹریشن بھی کروالی۔ ڈپلوما کی کلاسز بھی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شروع کردیں اور لینگویج کلاسز بھی شروع کردیں۔

روٹین کچھ یوں بنی کہ صبح ساڑھے آٹھ بجے گھر سے نکلتا تھا اور رات کو ایک ڈیڑھ بجے گھر آتا تھا اور 2006ء میں ہی میں نے گریجویشن بھی کی۔ ڈپلوما، کمپیوٹر بھی کیا اور لینگویج کورس بھی..... لف سال تھا مگر سب کچھ کرلیا..... اور جب یہاں ہی سب کچھ اچھا اچھا ہونے لگا تو میں نے باہر جانے کا ارادہ ترک کردیا۔"

"اب آپ ایک ماہر شیف ہوگئے ہیں۔ کل تک کلاسز لیتے تھے، اب کلاسز دیتے ہیں؟"

"یہ میرا ایمان ہے کہ علم بانٹنے سے بڑھتا ہے اور میں کافی جگہوں پر ٹریننگ دیتا ہوں اور جتنا آپ ایمان داری کے ساتھ کسی کو سکھائیں گے، اللہ تعالیٰ اتنی ہی عزت آپ کو دیتا ہے۔"

"گڈ..... اکثر شیف اپنا ایک سیکرٹ جس سے کھانا زیادہ مزے دار ہوجاتا ہے، چھپا لیتے ہیں سکھاتے وقت..... آپ بھی ایسا کرتے ہیں؟"

"نہیں..... میں ہرگز ایسا نہیں کرتا بلکہ سب کچھ، سب سیکرٹ تک بتادیتا ہوں۔ عموماً ٹریننگ کے وقت سب کچھ بتادیا جاتا ہے مگر..... جب آپ فیلڈ میں آتے ہیں تو پھر جونیئر سے چھپاتے ہیں کہ کہیں شاگرد ہم سے آگے نہ بڑھ جائے..... مگر میرا تو ایمان ہے کہ جو روزی روٹی آپ کے نصیب میں ہے، اسے کوئی نہیں لے سکتا اور ایسے اس کے پیچھے جاتا ہے جیسے موت..... تو بس رزق پہ ایمان پختہ ہونا چاہیے اور علم کو ایمان داری سے بانٹنا چاہیے۔"

اب کچھ سوالات بقر عید سے متعلق بھی ہوجائیں۔

"جانور کی خریداری میں کوئی احتیاط کرنا ہوتی ہے؟"

"جی بالکل۔ بہت احتیاط کے ساتھ جانور کی خریداری کریں۔ بنیادی باتیں تو سب کو پتا ہی ہیں کہ جانور میں کوئی نقص نہ ہو، وہ بیمار نہ ہو اور جو شرعی تقاضے ہیں ان پر پورا اترتا ہو۔ باقی یہ کہ اس میں گوشت کیسا نکلے گا، کتنا نکلے گا، چربی کتنی ہوگی..... اس کو دیکھنے کے بجائے بس اس بات پر دھیان دیں کہ جانور صحت مند ہو۔"

"قربانی کے گوشت کو کس طرح محفوظ کرنا چاہیے؟"

"میرے حساب سے تو قربانی کے گوشت کو محفوظ نہیں کرنا چاہیے بلکہ بانٹ دینا چاہیے۔ مستحقین تک جانا چاہیے اور جو حصہ گھر والوں کا ہوتا ہے اس کو محفوظ کرنے کے دو تین طریقے ہوتے ہیں۔ ایک آسان طریقہ تو یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس ڈیپ فریزر نہیں ہے تو آپ اسے سکھا کر رکھ لیں۔ گاؤں دیہاتوں میں یہ سہولیات نہیں ہوتیں تو ان کے لیے یہ طریقہ بہترین ہوتا ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ گوشت کو دھو کر اسے فریز کرلیں گے، تو یہ کافی لمبی مدت چلے گا اور اگر گوشت کو جوش دے کر اور ابال کر رکھ لیں تو یہ بھی لمبی مدت آپ کا ساتھ دے گا۔"

"قربانی کے گوشت کی ایک خاص مہک ہوتی ہے، اسے کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟"

"میرا اپنا تجزیہ اور تجربہ یہ ہے کہ جب ہم بازار سے گوشت لینے جاتے ہیں تو وہ ہر جگہ ایک ہی اسٹینڈرڈ کا ہوتا ہے۔ جانور کا وزن اور عمر بھی تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے تو ہمیں اس گوشت کی عادت ہوجاتی ہے اور قربانی کے جانور بھاری بھی ہوتے ہیں، ہلکے بھی ہوتے ہیں پھر قصائی بھی کچھ موسمی ہوتے ہیں۔ کچھ پروفیشنل ہوتے ہیں تو شاید یہ وجہ بھی ہو، مگر کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی..... اور گوشت کو دھو کر رکھیں اور دو تین ماہ سے زیادہ فریز نہ کریں، ورنہ پھر گوشت کالا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔"

"فارغ وقت میں کیا کرتے ہیں، اور گھر کا کچن بھی آپ نے ہی سنبھالا ہے یا بیگم نے سنبھالا ہوا ہے؟"

"فارغ وقت کہہ لیں یا میرا شوق کہہ لیں کہ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مجھے ایکسر سائز کا بہت شوق ہے۔ جم کرتا ہوں باقاعدگی سے۔ اس کے علاوہ فارغ وقت میں ٹی وی دیکھ لیتا ہوں۔ انڈین موویز زیادہ دیکھتا ہوں۔ انگریزی کم کم دیکھتا ہوں اور گھر میں بیگم کی خواہش ہوتی ہے کہ میں ہی کوکنگ کروں اور چھٹی کے دن پھر میں ہی پکاتا ہوں۔ بیگم کو اپنے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانوں کا مزا نہیں آتا۔ تو پھر میں ہی بناتا ہوں۔ میری ماشاءاللہ سے ایک بیٹی ہے جو چار سال کی ہے ''شہزادی سکینہ'' اس کا نام ہے۔ ان کی بھی کچھ فرمائشیں ہوتی ہیں تو وہ بھی پوری کرنی پڑتی ہیں اور مجھے خود اپنے ہاتھ کی پکی نہاری اور بریانی بہت پسند ہے۔''

''سیاست سے کتنا لگاؤ ہے؟''

''سیاست سے مجھے کچھ زیادہ لگاؤ نہیں ہے لیکن ٹاک شو اور نیوز چینلز ضرور دیکھتا ہوں اور جہاں چار لوگ سیاست پر بحث کر رہے ہوتے ہیں، ان کے ساتھ تھوڑی تفریح کر لیتا ہوں۔''

''ٹی وی پہ کس نے متعارف کرایا۔ بہ حیثیت شیف کے؟''

''یہ بھی ایک کہانی ہے۔ جہاں سے میں نے کوکنگ کورس کیا تھا تو وہاں ایک دن پروڈکشن ہاؤس والے آئے اور تقریباً پندرہ بیس لوگوں کے آڈیشن ہوئے کیونکہ انہیں ایک شو بنانا تھا ''ریڈی اسٹڈی کک'' بیس لوگوں میں سے پانچ چھ لوگ سلیکٹ ہوئے، اس میں میں بھی تھا۔ پھر ہم پروڈکشن ہاؤس جاتے تھے اور ریہرسل کرتے تھے۔

وہ شو تو نہیں ہوا البتہ میری تھوڑی ''پی آر'' بن گئی۔ ان ہی کے ذریعے سے ایک پروڈکشن ہاؤس تھا ''مینڈک'' کے نام سے۔ ناصر درانی صاحب کا۔ وہ کریٹو ہیڈ ہیں ہم ٹی وی نیٹ ورک کے۔ وہ ایک شو کر رہے تھے ''کک آف دی سی سائیڈ'' یاسر عقیل اس کے ہوسٹ تھے۔ بس وہ شروع ہوا اور اس کے بعد جگہ بنتی گئی اور یہ بات ہے 2007ء کی اور آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ میرے ساتھیوں میں صرف میں ہی تھا جو میڈیا میں آیا۔ باقی کچھ ملک سے باہر چلے گئے اور کچھ نے ادھر اُدھر جاب کر لی۔''

''اس فیلڈ کے حوالے سے کچھ کہنا چاہیں گے؟''

''بالکل..... یہ بہت ٹف فیلڈ ہے۔ اگر آپ اس فیلڈ میں آنا چاہتے ہیں تو یہ سوچ کر آئیں کہ اس میں بہت وقت دینا پڑتا ہے۔ بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ فیلڈ بہت اچھی ہے اور ایک وقت آتا ہے آپ اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ آگے بڑھنے کے بہت مواقع ملتے ہیں مواقع بہت زیادہ ہیں۔ یہاں پاکستان میں بھی اور پاکستان کے باہر بھی۔ ہر روز کہیں نہ کہیں ریسٹورنٹ کھل رہے ہوتے ہیں..... اور ہاں جب اس فیلڈ میں آئیں تو اپنی ''انا'' کے عنصر کو ختم کر کے آئیں کیونکہ اس میں سب کام کرنے پڑتے ہیں۔ لوگ میکڈونلڈ میں کام کرتے ہیں تو انہیں واش روم بھی صاف کرنے پڑتے ہیں۔ ویسے بہت اچھی فیلڈ ہے۔ نیک نیتی کے ساتھ کام کریں اور جو سیکھا ہے اسے دوسروں میں بھی منتقل کریں۔''

''بہت شکریہ عرفان۔''

''اور ایک بات اور کہنا چاہوں گا کہ خواتین ڈائجسٹ اور شعاع میری بہنوں نے بہت پڑھا ہے۔ جب تک ان کی شادیاں نہیں ہوئی تھیں، تو یہ جب میگزین آتے تھے تو سب کی نمبرنگ ہوتی تھی کہ پہلے کون پڑھے گا..... اور گزرے زمانے کے پڑوسی فیملی کی طرح ہوتے تھے تو ہمارے گھر کے ڈائجسٹ پورے محلے میں گھوما کرتے تھے کیونکہ سب لڑکیوں کو پڑھنا ہوتا تھا۔ اس طرح پورے محلے میں مشہور تھے آپ کے ڈائجسٹ۔ اب تو بس یادیں رہ گئی ہیں۔ اب تو پہلے جیسا ماحول بھی نہیں رہا اور اب تو سب کی شادیاں بھی ہو گئی ہیں تو کوئی کہیں ہے تو کوئی کہیں ہے۔''

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے عرفان واسطی صاحب سے اجازت چاہی۔

☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بن جائیں تو کبھی کبھی خود پتھر پھینکنے والے کے اپنے پاؤں بھی زخمی کر دیتے ہیں۔

جب سے کرونا کا ہوّا آیا ہے، کام والی کی چھٹی کروادی ہے اب سارے کام بھی خود ہی کرنے ہوتے ہیں مگر میری ارجمند نے فرشوں کو آئینہ کر دیا ہے۔ کسی کام والی نے بھی ایسی صفائی نہیں کی تھی۔ یہی حال کچن کا ہے، ماشاءاللہ اب تو سارہ بھی کھانا بنانے لگ گئی ہے اور نور تو ہر وقت دھلائی کے پیچھے۔ سینیٹائزر لے کے سب کے پیچھے پیچھے۔ ہر وقت پانی گرم کر کر کے کبھی سب کو اسٹیم دیتی کبھی قہوہ گرم پانی پلاتی۔ آنے جانے پہ پابندی، اف عجیب سا ماحول بنا ہوا تھا۔

دراصل آپ لوگوں کو بتایا تھا کہ ہم سات بہن بھائی ہیں ماشاءاللہ سب سے چھوٹی ہوں تو کوئی نہ کوئی آ ہی جاتا ہے پھر اللہ کے فضل سے عرفان صاحب لائسنسنگ برانچ سیالکوٹ کے انچارج ہیں تو پورے علاقے بلکہ گردونواح کے لوگ بھی اپنے اپنے کام کی غرض سے ان سے ملنے آتے ہیں۔ باقی عزیز و اقارب بھی۔ اب آتے ہیں ڈائجسٹ کی طرف پہلی شعاع میں الفاظ کے موتیوں نے حقیقت کی عکاسی کی۔

پڑھ کر دل پہ بھی شام شام سی کیفیات طاری ہونے لگیں۔ حمیرا شفیع نے شہورانی کو اچھی بیٹی کے روپ میں دکھایا۔

شازیہ الطاف کی ساجی کی کہانی ایک اچھے سبق کی حامل تھی۔ ہلکا پھلکا خوش گواریت کا احساس دلاتا رہا۔ بینا صدیقی کی آج کی اکبری اصغری تقریباً ہر گھر کی کہانی لگی۔ منعم ملک کا پانچواں قصہ، کیا کہیں گویا۔

نعیمہ ناز شہر تمنا میں ایسا موڑ ڈرامائی طور پر آیا کہ دل سوگوار ہو گیا۔ بہت ہی حساس موضوع ہماری مصنفہ نے چنا ہے۔ عمار مسعود کا مضمون امی ایک بہترین خراج عقیدت تھا ایک بیٹے کا اپنی امی کے لیے۔

امتل جی تاریخ کے جھروکوں سے بہت اچھے اچھے حقائق سے پردہ کشائی کی ہے۔ باقی سب سلسلے بہت اچھے تھے موسم کے پکوان بھی بڑے مزے کے تھے۔ ایک بہترین شمارہ ملا۔

ج: پیاری ریحانہ! اس وبا کا واحد حل صرف احتیاط ہے۔ بہت اچھی بات ہے کہ آپ لوگ احتیاط کر رہی ہیں۔

رضیہ جمیل

## حرف آرزو

پہلا خط مدو کے سے ریحانہ چوہدری کا ہے لکھتی ہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ کا اربوں کھربوں شکر ہے کہ یہ عارضی طور پہ منقطع ہونے والا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا ہے۔ شعاع خواتین نہیں آ رہے تھے تو یوں لگتا تھا کہ زیست کے سب رنگ پھیکے پڑ گئے ہوں۔ اسکول بند ہو گئے۔ کاروبار حیات معطل، یاالٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟

اللہ اللہ کر کے جون کے اینڈ میں ڈائجسٹ ملے تو خوشی دوگنی ہو گئی اپنا افسانہ دیکھ کر آپ کا بہت بہت شکریہ میری دیرینہ خواہش پوری کرنے کا اور پھر میری قارئین بہنوں کا اپنی زندگی کے بہترین قیمتی لمحات آپ نے میری تحریر کی نذر کیے۔

رضیہ جی! میں بھی آپ سے سو فیصد متفق ہوں کہ ایسی صاف گوئی کس کام کی، جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث بنے الفاظ، الفاظ ہی رہیں تو اچھے لگتے ہیں۔ پتھر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آپ کی نظم اچھی ہے۔ آپ اسے دوسرے کاغذ پر لکھ کر بھجوائیں تو ہم نظموں غزلوں کے شعبے میں دے دیتے۔ اب خط لکھیں تو اس نظم کو دوبارہ لکھ کر بھجوا دیں۔ اتنے اچھے تبصرے کے لیے شکریہ۔

صبا نسرین نے چونیاں ضلع قصور سے شرکت کی ہے۔

لکھتی ہیں

سبھی افسانے ناول زبردست تھے۔ سوائے میرے افسانہ کے سب کچھ تھا اس میں خدا کے لیے دوسروں کی محنت اور کاوش کو کبھی کھول کر پڑھنے کی زحمت کرلیا کریں۔

ج: صبا نسرین! ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپ کا افسانہ پڑھ نہیں پائے۔ کوشش کریں گے، وقت نکال کر جلد سے جلد پڑھ لیں۔ اطمینان رکھیں قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہوگا۔

سیدہ بخاری اور بخاری سسٹرز کبیر والہ

سنا ہے اب لاشوں پہ سودا بازی ہو رہی ہے۔ پتا نہیں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ اب تو ہسپتال جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے والدہ صاحبہ کی اتنی حالت خراب لیکن ہسپتال نہیں لے گئے، ڈر لگتا تھا کہ مسیحا قاتل بنے بیٹھے ہیں کہیں زہر کا انجکشن نہ لگا دیں اتنا خوف ہراس۔ گھر ہو یا باہر، بس موت ہی موت نظر آ رہی ہے۔

ہمارے گھر جب گاؤں کی عورتیں حالات حاضرہ پر تبصرے کرتی ہیں۔ مزے مزے کے تبصرے۔ ہنس ہنس کر برا حال ہو جاتا ہے پھر ان کا انداز اتنا سادہ اور بے ساختہ ہوتا ہے کہ لطف آ جاتا ہے بہرحال جولائی کا شعاع ملا شکر ادا کیا کہ چلو روٹین سیٹ ہوئی۔ امی کہتی ہیں دنیا مر رہی ہے انہیں رسالوں کی پڑی ہے۔ آپی آپ نے شعاع خواتین پہ کئی طرح کے الزام سنے ہوں گے کہ ان کے پڑھنے سے لڑکیاں خراب ہو جاتی ہیں۔ پر آج ایک انوکھی نوعیت کا الزام بھی سن لیں۔ میں تو سن کے ہکی بکی رہ گئی کیا دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ میری دوست کی شادی کو پانچ سال ہو گئے ہیں لیکن اس کے بچے نہیں ہیں اس کے سسرال والے کہتے ہیں تم رسالے پڑھتی ہو اس لیے تمہارے بچے نہیں پیدا ہوتے رسالے چھوڑ دو پھر ہم تمہارا علاج کروائیں گے بے چاری اتنی پریشان ہو رہی تھی۔

بہرحال پہلی شعاع کے بعد حمد و نعت پڑھی حمد تو سیدھی دل میں اتر گئی۔ پیاری پیاری باتوں سے دل منور کیا اس دفعہ کانا تا بہترین تھا بے چاری کی نوکری چھڑانے کا بہت دکھ ہوا۔ شام کی حویلی میں اس دفعہ کی قسط بس ٹھیک تھی موحد کا کردار پسند تھا۔ پتا نہیں وہ کیا بونگیاں مارتا پھر رہا ہے مجھے لگتا ہے کشف سونیا اور آزر کی بیٹی ہے جسے سونیا نے ساس کے خوف سے یا کسی اور وجہ سے زینب کو دے دیا ہوگا۔ شہر تمنا تو زابور کرنے لگا ہے۔ ایک تو اتنے کردار پھر سیاست۔ مانا کہ فلسفہ اچھا ہوتا ہے پر اتنا بھی نہ ہو چلو شکر کچھ کھلا تو سہی۔ جھکا اور سید صاحب بہن بھائی نکلے اب یہ پتا چلانا ہے کہ چاند بابو سید کیسے بن گئے۔ محبت کے رنگ۔ افشین نعیم اچھا لکھتی ہیں۔ ان کے جملوں میں برجستگی ہوتی ہے ایسے لگ رہا تھا ہادی رضا اور عجب خان نام تبدیل کر کے یار دل دار میں سے نکل کر ادھر آ گئے ہوں۔ وہی انداز تھا کہانی اچھی تھی پر ادھوری ادھوری لگی اینڈ بہت جلدی میں کر دیا۔ زرمینہ ہائے ہمارے سیدوں کی کہانی۔ ایک سید زادی پہ اتنا ظلم۔

ناولٹ ''مالا مال'' بہترین تھا قانتہ رابعہ کی تو ویسے بھی۔ ہر کہانی اصلاحی اور بہترین ہوتی ہے۔ افسانے سارے اچھے تھے اب ہو جائے بات رسالے کی جان ناولٹ کی سمجھ گئے ناں کس کی بات کر رہی ہوں ارے نازنین اس کی تعریف کے لیے تو میرے پاس الفاظ نہیں۔ ہر کردار اپنی جگہ پہ پرفیکٹ یہ میری پسندیدہ ترین کہانی ہے۔

خط آپ کے پلیز ماہا ذرا ہتھ ہولا رکھا کرو۔ میری چھوٹی آپی کی طرح اتنا بھی سچا ــــ نہ بنا کرو۔ اللہ پاک آپ کو سکھ صحت دے حالات کی تلخی بعض اوقات لہجے میں آ ہی جاتی ہے۔ مسکراہٹیں پسند آئیں باتوں سے خوشبو آئے بھی اچھا تھا تاریخ کے جھروکے کیا 24 سیر یخنی میں صرف ایک سیر چاول اللہ اللہ پھر تو یہ کھیر پلاؤ بن جاتا ہوگا جسے گلاسوں میں ڈال کر پیتے ہوں گے۔

ج: پیاری سیدہ! بگڑی ہوئی خراب لڑکیاں کہاں ہوتی ہیں۔ ہمیں تو آج تک کوئی خراب لڑکی نظر نہیں آئی۔ زیادہ تر لڑکیاں سمجھوتے کر کے، صبر شکر کر کے زندگی گزارتی ہیں، والدین کی عزت اور وقار کا خیال رکھتی ہیں۔ ان کا سر نیچا نہیں ہونے دیتیں۔ جس کلاس کی لڑکیاں بے راہ روی کا شکار ہوتی ہیں۔ اچھے بھلے شوہر چھوڑ کر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

طلاقیں لیتی ہیں، بچوں کو چھوڑ کر محبوب کا ہاتھ تھام لیتی ہیں۔ وہ کلاس ہمارے رسالے نہیں پڑھتی۔

طوبیٰ ممتاز فاضل شاہ ضلع خانیوال سے

شریک محفل ہیں لکھا ہے

جولائی 2020ء کا شمارہ ہاتھوں میں ہے۔ خوب صورت لباس میں ملبوس ماڈل بہت پیاری لگی۔ آپی میں نے آنکھ کھولی تو چاروں طرف رسالوں کی دنیا کو پایا کیونکہ میری تینوں بڑی آپیاں (شعاع، کرن اور خواتین) کی دیوانی ہیں۔

ابا جی رسالہ پڑھنے سے بہت منع کرتے تھے لیکن ہم چھپ چھپ کے پڑھتے تھے۔ (چھپ کے پڑھنے کا مزہ بھی اپنا ہے) میں پہلا ناول جو پڑھا وہ تھا ''آنگن میں اترے چاند'' اتنی مزے کی تحریر تھی ناں بس کیا ؤں؟

اس کے بعد تو کوئی رسالہ نہیں چھوڑا۔ مجھے سیدوں کی اور حویلیوں کی کہانی بہت پسند آتی ہے۔

پہلی شعاع، حمد و نعت کے بعد آگے بڑھے تو سب سے پہلے وہ نازنین پڑھی۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں جن سے میں اس لاجواب تحریر کو سراہوں۔ ''شہر تمنا'' مجھے لگتا ہے، سید صاحب جھ کا جان کے بھائی چاند بابو ہی ہیں۔ اچھی کہانی ہے اب کردار کھل رہے ہیں۔

''شام کی حویلی میں'' اف میرے خدایا اتنے فساد پڑھ کے۔ موحد کی حرکتوں پہ غصہ آتا ہے۔ (گدھا) اور بلال پہ ترس۔ ''محبت کے رنگ'' ہلکی پھلکی بہترین کہانی تھی۔ زرینہ اف ف..... ''محبت قربانی کا دوسرا نام'' کی عملی تفسیر تھی۔ ''مالا مال'' بھئی شادی شدہ لوگوں کے لیے کہانی تھی۔ ''شبو کا دولہا'' واقعی میں مولویوں کی اولاد کے بھی دل ہوتے ہیں جو چکا چوند سے زیادہ نہ سہی تھوڑے بہت تو متاثر ہوتے ہیں ناں.....! ''ساجی کی کہانی'' اور ''آج کی اصغری، آہ تمنائے دل'' بھی بہترین افسانے تھے۔ ''شکستہ پا'' پانچواں قصہ اور کیسے کیسے لوگ'' تمام افسانے اپنے اندر سبق کا درس لیے اچھے لگے۔

''باتوں سے خوشبو آئے'' بہت بہت خوب صورت سلسلہ ہے۔ ''خط آپ کے'' یہ کیا میرا پسندیدہ خط تو ہے بھی نہیں۔ بھئی ڈاکٹر فریال کا۔ ان کے خطوط مجھے بہت پسند ہیں۔ باقی سب بھی اچھے کیا بہت اچھے تھے۔ ''تاریخ کے جھروکوں سے'' بہت عمدہ سلسلہ ہے۔ پکوان میں بنانا برفی بے اختیار منہ میں پانی آ گیا۔

عمار مسعود کی والدہ کے بارے میں پڑھ کے بے اختیار رونا آ گیا کیونکہ حال ہی میں ہمارے والد صاحب کا بھی انتقال ہوا ہے۔

ج: پیاری طوبیٰ! آپ نے بہت اچھا تبصرہ کیا۔ رائٹنگ بھی بہت صاف ستھری ہے۔ آپ کا خط پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اب باقاعدگی سے شرکت کرتی رہیے گا۔

آپ کے والد کی وفات کا جان کر بہت افسوس ہوا اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

اقراء سرور نے ڈی جی خان سے لکھا ہے

میں بہت بری ہوں۔ شاید آپ کو بھی بری لگتی ہو۔ اسی لیے تو آپ نے میرا خط شائع نہیں کیا۔ کیا میرا خط بہت ہی برا تھا۔

میں شعاع سے بہت پیار کرتی ہوں اور اس محبت میں، میں نے شعاع کے لیے اپنے ہاتھوں سے گلاب کا پھول بنا۔ کیا میرا پھول دینا آپ کو برا لگا؟ میں نے بڑی مشکل سے پیسے جمع کر کے ڈاک بھیجی تھی۔

شعاع کی دو ماہ غیر حاضری نے بہت تڑپایا۔ ایسا تو تاریخ میں کبھی نہ ہوا تھا کہ کوئی بھی شمارہ دو ماہ شائع نہ ہو پائے۔

اس بار چار کو ہی شعاع مل گیا۔ سرورق بہت بہت زیادہ پیارا لگا۔ دل کرتا، دیکھتے رہو بس۔ سب سے پہلے ''خط آپ کے'' پڑھتی ہوں۔ یہ میرا پسندیدہ سلسلہ ہے اس کے بعد اپنی پیاری مصنفہ نعیمہ ناز کو پڑھا۔ مجھے فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو اتنی عظیم مصنفہ سے نوازا۔ اس قسط میں یہ راز تو کھل گیا کہ سید صاحب ہی دراصل چاند بابو ہیں یعنی کہ نائلہ اور عارف کے والد اور صائمہ اور چاند بابو کا بیٹا شامیر ہے۔

ایک انتہائی زبردست ناول افشین نعیم کا محبت کے رنگ لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا۔ (آپی میں مکئی کا سٹہ (بھٹہ) کھا رہی ہوں۔ آپ نے کھانا ہے؟)

گل ارباب کی زرینہ نے کمال کر دیا۔ لیکن خاص پسند نہیں آیا یہ ناول۔ سچی بات بتاؤں اس بار شعاع پھیکا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

پھیکا لگا۔ ہوتیں نا سمیرا حمید سائرہ رضا، ایمل رضا تو پھر شعاع کمال کا ہو جاتا۔ میری پسندیدہ رائٹرز عمیرہ احمد، نمرہ احمد، سمیرا حمید، ایمل رضا، سائرہ رضا، منشاء محسن علی، بنت سحر، فرزانہ کھرل، نعیمہ ناز، راحت جبیں، ہیں اگر کسی شمارے میں ان میں سے کسی رائٹر کی کہانی ہو تو۔ مجھے وہ شمارہ بڑا قیمتی لگنے لگتا ہے اسی لیے کہہ رہی تھی کہ یہ شمارہ پھیکا سا لگا۔

فرح بخاری کا ''وہ نازنین'' بہت زیادہ پسند ہے میری ساری کزنز کی فرمائش ہے کہ فرح آپی اپنے اس خوب صورت ناول پر ڈرامہ بنوائیں۔

قانتہ رابعہ کا ''مالا مال'' بس ٹھیک ٹھیک لگا۔ ''شام کی حویلی'' میں موحد نے کیا کر دیا کشف کے ساتھ، اف.....

کشف کی شادی بلال سے ہو جائے تو مزہ آ جائے۔

اہم بات شازیہ الفاظ ہاشمی کا افسانہ ''کالا پتھر'' شازیہ آپی کمال کی بات لکھی آپ نے۔ ہمارے ہاں کئی اموات یعنی خودکشیاں ہوئی ہیں کالا پتھر پی لیا تھا انہوں نے۔

منعم ملک کیا آپ کا تعلق ڈی جی خان سے ہے؟ آپ بھی میری پسندیدہ رائٹرز میں شامل ہیں۔ عدیل چوہدری سے ملاقات پسند آئی بلال عباس کا انٹرویو دیں۔ خلیل الرحمٰن کا بھی۔

آپی پلیز عمیرہ احمد، سمیرا حمید اور نمرہ احمد کا انٹرویو بھی لیں۔ ضرور، ضرور۔

''جب تجھ سے ناتا جوڑا'' اچھا سلسلہ ہے شازیہ اکرم نے واقعی سچ بولا۔ ہمارے گاؤں میں بھی جب شہر کی کوئی لڑکی بیاہ کر آتی ہے تو اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے دیہات اور شہر کی زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے یہ فرق تو پھر مشکلیں بنائے گا ہی۔

''تاریخ کے جھروکے'' دلچسپ اور معلوماتی سلسلہ احادیث ایمان کو تازہ کر دینے والا سلسلہ۔ اس بار کوئی بھی غزل حسب حال نہ لگی ڈاکٹر فریال کو میری دعائیں، ڈاکٹر فری اپنے کلینک کا ایڈریس بتائیں میں آپ سے ملنے آؤں گی۔

ج: پیاری اقراء! ہماری چھوٹی سی پیاری بہن نے اتنی محبت سے ہمیں خط لکھا اور شامل نہیں ہوا الٹا ہمیں ہا ہے کہ دکھ تو ہوگا۔ آپ کے خط میں کوئی خرابی نہیں تھی نہ ہی آپ کی کوئی غلطی تھی۔ دراصل لاک ڈاؤن کی وجہ سے دفتر کے اوقات کار کم ہو گئے ہیں اس کے علاوہ ٹرانسپورٹ کا نظام بھی ابھی تک معمول پر نہیں آ سکا ہے۔ اس لیے بہت سی چیزوں پر پوری توجہ نہیں دے پا رہے ہیں۔ آپ کا افسانہ بھی ابھی تک پڑھ نہیں پائے ہیں۔ آپ سمجھ دار ہیں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ ان شاء اللہ بہت جلد آپ کے حالات میں بہتری آئے گی۔ وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔

ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیر ساری خوشیاں عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ کی ہنرمندی کا نمونہ گلاب کا پھول بہت خوب صورت ہے۔ ہماری میز پر مہک رہا ہے۔

### نتاشا انصاری سیالکوٹ سے لکھتی ہیں

آپ بھی سوچتی ہوں گی کہ یہ لڑکی دو، تین ماہ بعد خط کیوں لکھتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ دوسرے والدین کی طرح میرے والدین بھی یہ خط و کتابت کچھ خاص پسند نہیں کرتے (منع بھی نہیں کیا کہ مت لکھو خط وغیرہ بس پسند نہیں کرتے) خیر میرے تو ڈاک والے انکل نے یہ تک کہہ دیا کہ بیٹا جی! یہ رسالے وغیرہ چھوڑ دو اور دینی کتب کا مطالعہ کیا کرو۔ جس پر میں نے انکل سے کہا کہ انکل یہ رسالے اتنی بھی بری چیز نہیں بلکہ انہیں کہانیوں (نمرہ احمد کی کہانیوں) کی وجہ سے میں نے قرآن پاک کی تفسیر پڑھنے کا فیصلہ کیا اور میں جامعہ تعلیم القرآن (ہمارا مقامی جامعہ) کی طالبہ ہوں۔ اس جواب پر بھی ان کی تشفی نہ ہوئی تو قرآن پاک کی ایک آیت سنا کر پوچھنے لگے ''اس آیت کا پس منظر تو بتاؤ بیٹا جی۔'' پھر کیا تھا میں نے نہ صرف پس منظر بلکہ ترجمہ بمع تفسیر سنائی جس پر وہ خوش دکھائی دیے اور بالآخر میرا خط پوسٹ کیا۔

خیر یہ سب لکھنے کا مقصد یہ بتانا تھا کہ میں نے دو سال کے عرصہ میں الحمدللہ تفسیر القرآن مکمل کر لی ہے۔ اور اس کا پورا کریڈٹ میں نمرہ احمد کو دیتی ہوں۔ اب آتے ہیں جولائی کے شمارے کی طرف تو کہانی ''مالا مال'' سٹوری

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

آف دی منتھ زبردست تحریر۔ ''محبت کے رنگ'' بہت مزہ آیا پڑھ کر، اچھی کہانی تھی۔ ہائے..... یار دل دار نہ ہو تو افسانے پڑھنے کا مزہ نہیں آتا خیر ''شبو کا دولہا'' یہ افسانہ کافی اچھا تھا۔

باقی کہانیاں بھی ٹھیک تھیں۔ باقی سلسلوں میں ''پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں'' احادیث کا یہ سلسلہ بہت اچھا اور ''جب تجھ سے ناتا جوڑا'' میرا فیورٹ سلسلہ ہے لیکن کہانیاں پڑھ کر ہم حقیقت کی دنیا میں آجاتے ہیں۔ آخر میں ایڈیٹر صاحبہ میں اپنی تحریروں کے بارے میں پوچھنا چاہوں گی۔

ج: پیاری ثنا شا! آپ کا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی آپ نے قرآن پاک کی آیت مع ترجمہ اور تفسیر کے سنائی۔ بڑی بات ہے قرآن پاک کی تلاوت کرنے سے ثواب ملتا ہے لیکن اس کو سمجھ کر پڑھنے کا زیادہ اجر و ثواب ہے۔

آپ کی کہانیاں ابھی پڑھی نہیں گئیں، قابل اشاعت ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گی۔ پیاری بہن ہم ہر ماہ لکھتے ہیں کہ کہانیوں کی نقل اپنے پاس رکھیں۔ کہانیاں واپس بھجوانا ہمارے لیے ممکن نہیں ہوتا۔

کراچی سے تسنیم کوثر شریک محفل ہیں لکھا ہے

سب سے پہلے شام کی حویلی میں ماشاء اللہ رخسانہ نگار عدنان زبردست جا رہی ہیں۔ ناولٹ میں قانتہ رابعہ کا مالا مال بہت عمدہ لگا اور گل ارباب کا زرینہ یہ ناول اسٹوری اچھی ہونے کے باوجود بھی اس میں بہت زیادہ جھول محسوس ہوا۔ ہوسکتا ہے شاید یہ ہمارا خیال ہو بہر حال کوئی خاص رسپانس نہیں کہہ سکتے۔ افسانوں میں شبو کا دولہا حمیرا شفیع نے بہت خاص اور اچھا لکھا۔ ان کے افسانے میں ایک بہترین سبق تھا اور بینا صدیقی کے آج کی اکبری اصغری نے تو خوب مزا دیا۔ ارے بھئی یہ اکبری اصغری تو ہر دور میں پائی جائیں گی۔ بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اب بھی اکثر گھرانوں میں اکبری اصغری اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ موجود ہیں آپ کا کیا خیال ہے۔

''آہ تمنائے دل'' جویریہ مریم کا ننھا منا سا افسانہ بھی خوب رہا عمارہ جہاں نے مختصر افسانے کو جاندار لکھا اور ہاں اس بار ''جب تجھ سے ناتا جوڑا'' شازیہ اکرم کا انداز بیاں، طرز تحریر بہت اچھا لگا سچی بات تو یہ ہے کہ حقیقت میں کہنا ہی پڑتا ہے کہ منظور تھا پردہ تیرا۔ کھلتا کسی پہ کیوں یہ میرے دل کا معاملہ خوب صورت سلسلہ ہے ہمیں شامل بزم نہیں کیا جاتا ہے اس لیے ہم صرف پڑھنے پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں۔ باقی تمام شعاع بھی اچھا رہا۔

ج: پیاری تسنیم! اس ماہ آپ کا بھجوایا شعر شامل ہے آپ ہمیں ہر ماہ اچھے اشعار انتخاب کر کے بھجوائیں۔ آپ کو ضرور شامل کریں گے۔ آپ تو ہماری ان قارئین میں شامل ہیں جو نہ صرف باقاعدگی سے شعاع پڑھتی ہیں بلکہ ہر ماہ اس پر تبصرہ بھی کرتی ہیں۔

تبصرہ ہر ماہ کی طرح اس بار بھی خوب ہے۔ بہت شکریہ

زینب نور نے جہانیاں سے لکھا ہے

ابھی تک جولائی کا شمارہ تو ملا نہیں اور میں خط لکھنے کا موقع کیسے مس کر سکتی ہوں.....! سو جون کے شمارے پر ہی تبصرہ کروں گی۔

منشا محسن کا ناول شاماں پے گئیاں، بے حد اچھا لگا۔ ثانیہ کے کردار نے اٹریکٹ کیا۔

''کاسۂ دل'' کہانی بھی اچھی تھی بس..... ''وہ نازنین'' واہ جی واہ فرح بخاری جی یہ رباب کیا کرنے جا رہی ہے؟ ''سانولا سویرا'' ارے یہ ثمرہ بخاری کا ہی ناولٹ ہے ناں؟ یقین ہی نہیں آ رہا۔ شازیہ الطاف ہاشمی کا افسانہ ہر بار کی طرح زبردست، واقعی میں ہر انسان کو اپنا حق لینے کے لیے تگ و دو کرنی چاہیے۔ افسانے میں یہ کردار ضرور موجود ہوتا ہے۔

مہزوم (شکست خوردہ) بھی اچھا تھا۔ مونگ پھلی اور مقید وقت بھی بھلے لگے۔

خط آپ کے، ناہید اسماعیل، ثمینہ اکرم، ریحانہ چوہدری اور فائزہ بھٹی آپ لوگ ہم سے ناراض ہیں کیا؟ فائزہ آپ اتنے عرصے سے کہاں مصروف ہیں بھئی؟ حمیرا گل اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ بتا دیں کہ آپ ملتان کے کسی علاقے میں رہتی ہیں؟

ارے گڑیا راجپوت آپ کا خط شائع ہو گیا۔ اس کے لیے مبارک باد۔ م س نقوی۔ اتنی پرانی قاری باپ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ے باپ کمال ہے۔ خزیمہ ریاض آپ کے بھائی کتنے اچھے ہیں کہ خط پوسٹ کروا دیتے ہیں۔ ارے ارے میرے بھائی بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ بس خط کا ایک دو بار نام لیا تو ہتھے سے ہی اکھڑ گئے۔ خیر اس کے لیے آپی اور بہنوئی زندہ باد۔

زرینہ خانم کا اور میرا نام ہمیشہ آگے پیچھے ہوتا ہے۔ زرینہ آپا آپ بہت مخلص خاتون لگتی ہیں۔

انٹر تک تعلیم ہے، نہ عمروں کا تجربہ اور نہ کسی کی سپورٹ حاصل ہے اک لکھنے کا جنون ہے خود سوچیں جہاں ہم رسالے بھی چھپ چھپ کے پڑھتے ہیں وہاں لکھنا کیونکر آسان ہوگا اور ہمارے ہاں تو کمرے بھی الگ نہیں ہوتے۔ بس ابو اور بھائی کا روم الگ ہے۔ امی دوپہر میں ہمارے ہی روم میں ہوتی ہیں۔ بہت مشکل ہوتی ہے پڑھنے میں خیر اب تو ہم اتنے ماہر ہو گئے ہیں کہ کوئی ''چھاپہ'' بھی مارے تو ہم فوراً رسالہ کروٹ کے نیچے چھپانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اگر بیٹھے ہیں تو گود میں اور کھڑے ہیں تو بغل میں۔

اب اجازت چاہتی ہوں کہ اندر بیٹھے بیٹھے پسینے میں شرابور ہو گئی ہوں اور باہر صحن میں سب رات کا کھانا کھا رہے ہیں ساتھ ساتھ مجھے آوازیں دے رہے ہیں۔

ج: پیاری زینب! ہمیں احساس ہے کہ آپ کو پرچے تاخیر سے ملتے ہیں۔ اس لیے ہم نے آپ کا جون کے شمارے کے لیے لکھا خط ہی شامل کر لیا ہے۔

زینب بلاشبہ آپ میں بہت صلاحیت ہے۔ آپ کی تحریر قابل غور ہے۔ آپ مزید کہانیاں لکھیں۔

زہرا ممتاز عطاء، امتیاز بی بی، شمیم خالدہ اور دل آویز سیال نے ڈی جی خان سے لکھا ہے

''حمد، نعت، نبی کی باتیں'' پڑھیں اللہ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

انٹرویوز ہم پڑھتے ہی نہیں ہیں کیونکہ ٹی وی سے دور دور تک واسطہ نہیں ہے۔ شگفتہ بھٹی کے لیے دعا گو اللہ ان کو صحت و تندرستی دے۔ آپ دو دو ناتے دے دیتی ہیں۔ اچھا ہوتا کہ ایک بہو کا ناتا ہوتا تو دوسرا اساس کا۔

''خط آپ کے'' واہ واہ کیا محفل جماتی ہیں پر ہم لوگ شامل ہو ہی نہیں سکتے۔ ڈاکٹر فریال کے خط کا ہم لوگوں کو بہت انتظار رہتا ہے۔ ہم لوگوں کو پوچھنا تھا فریال آپ کس اسپتال میں ہیں۔ ہم بھی آ جائیں بھئی مریض بن کر۔ بتانا ضرور۔ مذاق سمجھ کر ٹال نہ دینا۔ آج ہم اپنے علاقے کا تعارف کرواتے ہیں۔ ہمارے علاقے کے مغرب کی طرف بڑی نہر بہتی ہے۔ اس کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی کی طرح ''چاند ماڑھی'' جہاں پہلے فوجیوں کا ڈیرا ہوا کرتا تھا بقول مما کے ہمارے علاقے میں ایک پرائمری اسکول بھی ہے جہاں بچے بچیاں پڑھتی ہیں لیکن جسے آگے پڑھنا ہو ہی نا۔ بس پانچ پڑھ لیا بہت ہے۔

صرف ہم سات بچیاں ہیں جو ہائی اسکول میں پڑھتی ہیں جو کہ ہمارے بھائیوں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اللہ انہیں اور حوصلہ و ہمت دے آمین۔ ہمارے گھر میں رسالہ پڑھنے سے منع کیا جاتا ہے اور ہماری بڑی بہن بڑی کوشش سے ایک ایک کی منت کر کے رسالہ منگواتی ہے۔

اور پھر پڑھنے کا مسئلہ ۔۔ ایسی گرمیوں میں ہم کمبل اوڑھ کر پڑھتی ہیں۔ امی بڑی سخت ہیں ایک بار مما نے کہا میں رسالہ نہر میں اچھالنے جا رہی ہوں تو بڑی بہن نے کہا میں بھی رسالے کے ساتھ نہر میں کود جاؤں گی۔ پھر مما کا غصہ کچھ کم ہوا اور رسالہ واپس رکھ دیا۔ بلاشبہ ہم دونوں کو امی سے محبت بھی بہت ہے۔ اب ہم دونوں یہ خط ابو سے پوسٹ کروا رہی ہیں۔ جو ہم دونوں کو بہت چاہتے ہیں۔ ہم دونوں وہ واحد بہنیں ہیں جن میں اتفاق ہے۔ ایک دن ہماری ٹیچر نے کہا کیسی بخت والی ہے تمہاری ماں کہ ایک ساتھ اللہ نے دو رحمتیں دیں، ٹیچر کو یہ بھی پتا نہیں تھا کہ ہم دونوں میں دو سال کا وقفہ تھا۔ اللہ ہم دونوں کو اتفاق سے رہنے کی توفیق دے۔ آمین

ج: زہرا، امتیاز، شمیم، خالدہ اور دل آویز! آپ لوگ اتنی پابندیوں کے باوجود شعاع پڑھتی ہیں اور ہمیں خط بھی لکھتی ہیں۔ یہ جان کر ہمیں بہت خوشی ہوئی۔

آپ اپنی امی کو پرچے میں سے چھوٹی چھوٹی کہانیاں اور سلسلے پڑھ کر سنائیں پھر وہ آپ کو پڑھنے سے منع نہیں کریں گی۔

آپ کا افسانہ قابل غور ہے۔ آپ میں صلاحیت ہے مزید کہانیاں لکھیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

## مردان سے گل لکھتی ہیں

سنڈے کی صبح کو بک سینٹر سے میسج موصول ہوا کہ جولائی کا شمارہ آ گیا ہے۔ ہمارا گاؤں مردان شہر سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے تو گرمی میں اتنی دور خان صاحب کو تکلیف دینا کچھ نامناسب لگا سو دل پر پتھر رکھ لیا (اب یہ الگ بات ہے کہ پتھر کتنا وزنی تھا) کہ ایک ہی دن کی تو بات ہے، کل آفس سے واپسی پر لیتے آئیں گے۔ اگلے دن لے بھی آئے لیکن ہک ہاہ ..... مصروفیت..... گندم دھونا، خشک ہونے کے لیے اوپر چھت پر اچھی طرح پھیلانا، پھر ٹرنک میں منتقل کرنا، گھر کے دیگر کام الگ اور اللہ رکھے مہمان داری الگ۔ سو کل ہی شعاع پڑھنا نصیب ہوا۔ آج دوپہر کو پورا شمارہ پڑھ ڈالا۔

پہلی شعاع پتا نہیں یہ وباء ہے یا سزا جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ پچھلے ڈیڑھ سال سے خان صاحب نے ایک چھوٹی سی تنظیم بنائی ہے، گاؤں کے مستحق گھرانوں کے لیے ہر ماہ کے پہلے ہفتے تنظیم کے ممبران اپنی اپنی گنجائش کے مطابق رقم ڈالتے ہیں۔ ممبران میں کسان، دکان دار سے لے کر لیکچرار تک شامل ہیں۔ باہم صلاح و مشورے سے مستحق گھرانوں میں راشن ڈالا جاتا ہے۔ لاک ڈاؤن میں بے روزگاری زیادہ ہوگئی تھی۔ سب میں حسب توقع کچھ راشن اور کچھ نقد رقم تقسیم کی گئی۔

''پیارے نبی کی پیاری باتیں'' جزاک اللہ بہت کچھ علم میں آ جاتا ہے۔ ''جب تجھ سے ناتا جوڑا'' میرے خیال میں اس سلسلے میں ساس نندوں کو بھی موقع ملنا چاہیے کہ ان کا واسطہ کس طرح کی بہوؤں اور بھابھیوں سے پڑا۔

پھر آئے اپنے پسندیدہ سلسلے ''خط آپ کے'' میں۔ حمیرا گل نے بجائے افسانہ کے ڈائریکٹ ناول لکھ ڈالا، بھئی آپ تو چھپی رستم نکلیں۔ خوشی ہوگی اگر شائع ہوگیا تو۔ فرحانہ نے عید کے سروے میں ذکر کیا تھا کہ وہ پچھلے چھ سال سے عید اسلام آباد میں مناتی ہیں تو اب اسلام آباد شفٹ ہونا؟ فائزہ بھٹی کا خط کافی دلچسپ تھا، ان کے کزن کے لیے دعائے مغفرت۔

بلا ناغہ خط لکھنے والی ثمینہ اکرم اور کوثر خالد اب خط نہیں لکھتیں۔ پیاری زینب نور بھی کچھ ماہ سے غیر حاضر ہے۔ مسرت الطاف بھی باقاعدگی سے شرکت کرتی تھیں، اب نظر نہیں آتیں اور نوال افضل گھمن! بھئی تمہارا نام بے حد پیارا لگتا تھا، پڑھنے میں لطف دیتا تھا، کہاں روپوش ہوگئی ہو؟ تبسم بشیر اپنے پیارے تبصرے کے ساتھ شریک محفل تھیں، البتہ ماہا کا تبصرہ حسب معمول کھٹا میٹھا سا تھا۔

اب آتے ہیں افسانوں کی طرف۔

اس دفعہ نئے نام بھی پڑھنے کو ملے۔ سب نے الگ الگ مزاج کا لکھا اور اچھا لکھا۔ حمیرا شفیع آپ نے تو کمال کر دیا۔

شازیہ الطاف آپ کے قلم میں نکھار آتا جا رہا ہے۔ شمیم رانی کا ''شکستہ پا'' تو آپ بیتی لگی۔ پانچواں قصہ دلچسپ لگا۔

''کیسے کیسے لوگ'' ویل ڈن عمارہ جی۔ ناولٹ میں ٹاپ پر فرح بخاری رہیں۔ منظر نگاری زبردست ہے۔ فرح! کیا آپ پشتو اسپیکنگ ہیں؟ آپ کا تعلق کہاں سے ہے ضرور بتایئے گا۔

دوسرے نمبر پر قانتہ رابعہ کا ''مالا مال رہا۔ افشین نعیم کا ناول ہلکا پھلکا تھا۔ خاص کر پارلر میں دادی پوتی کے مکالمے زبردست تھے۔ گل ارباب کا زرمینہ شروع میں پڑھنے میں بہت مزا آیا۔ ہلکا سا مزاح کا رنگ بھی تھا۔ درمیان میں پہنچ کر اینڈ کا اندازہ ہوگیا۔ ویسے گل ارباب اور افشین نعیم اپنے طرز تحریر سے مجھے پشتو اسپیکنگ لگتی ہیں۔ ان دونوں کا تعلق کہاں سے ہے؟ سلسلہ وار ناول دونوں بہت سست روی سے بڑھ رہے ہیں۔ پڑھنے میں بالکل مزا نہیں آتا۔

عمار مسعود نے والدہ کو الفاظ کا خوب صورت خراج تحسین پیش کیا۔ ان کی مغفرت کے لیے دعائیں۔

ج:۔ پیاری گل! آپ نے بہت اچھا تبصرہ کیا، تجاویز بھی بہت اچھی ہیں عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

آپ کے خاں صاحب بہت نیکی کا کام کر رہے ہیں۔ اللہ برکت دے۔

☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

رخسانہ نگار عدنان

# شالکی جوئی ہائیں

کشف اپنے پرانے طرز کے گھر سے شدید بے زار ہے اور وہ اپنی آنی سے ہزار بار کہہ چکی ہے کہ وہ اس گھر سے جان چھڑا لیں لیکن وہ ہر بار اس کی بات ہنس کر ٹال دیتی ہیں۔ کشف گلیوں سے گزرتے خوانچا فروشوں سے بھی سخت بے زار رہتی ہے اور انہیں حسب توفیق بد دعاؤں سے نوازتی رہتی ہے۔

طاہرہ بیگم کا اپنے گھر پر کافی ہولڈ ہے۔ ان کی بہو سونیا اور بیٹا آزر دونوں ہی ان کے فرماں بردار ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ ان کی پوتی کا رشتہ ان کی مرضی سے طے ہو۔

جبکہ ردا اپنے آفس میں کام کرنے والے جبران سے محبت کرتی ہے اور اسے کہتی ہے کہ وہ اس کا رشتہ لے کر آئے۔

دوسری جانب کشف کا پڑوسی اسے چھیڑتا ہے اور وہ اس کے پاؤں پر اینٹ دے مارتی ہے۔ بعد میں اسی لڑکے کی ماں سے بھی خوب جھگڑا کرتی ہے۔

زینب شاعری کرتی ہے اور ساتھ ہی ایک اسکول میں بھی پڑھاتی ہے وہ اپنا مسودہ حیدر کے پاس لے کر جاتی ہے تاکہ وہ سرفراز سے بات کر کے اسے چھپوا سکیں۔

آفس سے واپسی پر اس کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور وہ وہیں تیز برستی بارش میں اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

آڈیٹوریم لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہے جہاں ڈاکٹر موحد تین بڑی بیماریوں کو کنٹرول کرنے کے حوالے سے لیکچر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

Pakistanipoint.com

دے رہے ہیں۔ اور ہال میں تمام لوگ ساکت ہو کر سن رہے ہیں۔
کشف، ناہید کو دیکھ کر اس سے بے اختیار لپٹ جاتی ہے۔ ناہید کو زینب کی فکر ستاتی ہے اور وہ بارش سے بھی خوف زدہ ہیں۔ کشف انہیں کہتی ہے کہ زینب فون نہیں اٹھا رہی۔ ناہید اس سے بتول خالہ سے کیے گئے جھگڑے کے بارے میں پوچھتی ہیں اور اسے سمجھاتی ہیں۔
میر وخزاں کے موسم میں اپنی گاڑی میں موجود ہے اور کسی کی یاد ہے جو اسے گھیرے ہوئی ہے۔ وہ اس سے کہتی ہے کہ وہ اس سے اگر کبھی ناراض ہوئی تو میر وا سے منا لے۔ وہ ان سوچوں میں الجھا چلتا چلا جاتا ہے۔
موحد راستے میں رش دیکھ کر اترتا ہے اور سامنے بے ہوش پڑی زینب کو دیکھ کر اسے ہاسپٹل لے جاتا ہے۔
آذر کو ایک فون کال آتی ہے اور وہ عجلت میں آفس سے باہر نکلتا ہے۔ زینب کے بارے میں کوئی بھی معلومات نہ پا کر کشف شدید پریشان ہو جاتی ہے۔ سہیل اپنے طور پر پتا کروا لیتا ہے اور اسکول بھی چکر لگا آتا ہے۔ لیکن وہ وہاں بھی موجود نہیں ہوتی۔ وہ حیدر کو فون کرتی ہے وہ بھی پریشان ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد اس کے فون پر موحد کی کال آتی ہے۔ اور وہ اسے زینب کے بارے میں بتاتا ہے۔
دوسری طرف زینب کو ہوش آتا ہے اور موحد اسے جانا پہچانا لگتا ہے۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرتی ہے اور گھر جانے کا کہتی ہے۔ اور موحد سے اس کے باپ کا نام بھی پوچھ لیتی ہے۔ موحد اسے اس کے گھر چھوڑ کر آتا ہے۔ جہاں کشف کے ساتھ بلال بھی موجود ہوتا ہے۔ باتوں کے دوران بتول خالہ آجاتی ہیں اور ماں بیٹی کے کردار پر الزام تراشیاں کرتی بکتی جھکتی بلال کے ڈرانے پر گھر سے نکل جاتی ہیں۔
آذر، ردا کو لے کر گھر پہنچتا ہے جہاں پورا گھر ردا کی غیر حاضری کے باعث پریشان ہے۔ ردا اپنے کمرے میں جاتی ہے جہاں رمشا اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ اسے ڈانٹ کر بھگا دیتی ہے۔ سونیا اس کے کمرے میں آتی ہیں اور اس سے پوچھتی ہے کہ کیا ہوا ہے اور کمرے کا دروازہ بند کر دیتی ہے۔ ردا حیران رہ جاتی ہے۔
میر و دیوار میں کیل ٹھونک رہا ہوتا ہے جب وہ عورت چیختے ہوئے آتی ہے اور اس سے جھگڑتی ہے۔ اس حسین عورت کی طرف میر و شرمندگی سے دیکھتا اس کی بدزبانی سنتا ہے۔ تبھی ان کی بیٹی آتی ہے اور اس کا سرخ لباس دیکھ کر وہ عورت پھر سے چیختا چلاتا اور آخر میں رونا شروع کر دیتی ہے۔
وہ نوجوان لڑکی ماں کی اس حالت سے شدید الرجک ہے اور کہتی ہے کہ اسے پاگل خانے بھیج دیا جائے۔ جبکہ وہ عورت چلاتے چلاتے میر و کے گریبان میں چہرہ چھپا لیتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس سے دور نہ جائے۔
دادی، شائستہ کو فون کر کے کہتی ہیں کہ آذر اور سونیا کو اس رشتے پر اعتراض نہیں۔ وہ بیس دن بعد نکاح رخصتی کی تاریخ رکھ لیتی ہیں جبکہ دروازے میں کھڑا آذر یہ سن کر ساکت رہ جاتا ہے۔
آذر اپنی ماں سے کہتا ہے کہ انہیں رشتہ طے کرنے سے پہلے کم از کم ردا کی مرضی ضرور معلوم کرنی چاہیے۔ لیکن وہ بات کو یوں گھماتی ہیں کہ آذر چپ رہ جاتا ہے۔
کشف آنی سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھتی ہے۔ وہ اسے ساری تفصیل بتاتی ہے۔ میر منصور باہر گیا اور وہاں جا کر دوسری شادی کر لی۔ کشف ضدی لہجے میں کہتی ہے کہ وہ ان سے ضرور ملے گی۔
سونیا، ردا سے پوچھتی ہے کہ برسات میں کیا ہوا تھا۔ وہ کہتی ہے کہ کچھ نہیں ہوا۔ پھر وہ اسے بتاتی ہے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے اور جبران سے ہی شادی کرے گی۔ سونیا اسے زوردار تھپڑ مارتی ہے۔ سونیا، آذر کو ڈھکے چھپے لفظوں میں بتاتی ہے کہ اس کی بیٹی شادی کے لیے راضی نہیں۔
حیدر، زینب سے ملتا ہے تو وہ اسے کشف کے رویے کے بارے میں بتاتی ہے۔
کشف خیالوں میں گم بس میں بیٹھی رہ جاتی ہے۔ اڈے پر پہنچ کر وہ چونکتی ہے اور گھبرا کر رہائشی علاقے کی طرف آجاتی ہے۔ جہاں حمزہ اسے سونیا کے گھر ڈراپ کر دیتا ہے۔ کشف کی موجودگی سے آذر بے سکون ہوتا ہے۔
میر منصور، ایما کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ بدتمیزی کرتی ہے جواباً وہ اسے تھپڑ مار دیتا ہے۔ ایما پولیس بلا لیتی ہے۔ گھر پر اس کی ماں ایک پرتکلف ڈنر تیار کر کے اس کا انتظار کرتی ہے۔ ایما ماں کو خوشی خوشی بتاتی ہے کہ اس نے باپ کو

پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔

کشف سونیا سے بھی اپنے باپ کے بارے میں پوچھتی ہے اور اس کے سامنے اس عزم کا اظہار کرتی ہے کہ وہ ضرور امریکہ جائے گی۔

زینب، بتول خالہ سے معافی مانگنے جاتی ہے جہاں وہ اسے کشف کی شادی کا مشورہ دیتی ہیں۔

ڈاکٹر موحد گاؤں میں ہونے والی ایک فوتگی پر جاتے ہیں اور وہاں نہ صرف جنازے میں شریک ہوتے ہیں بلکہ قبر کھودنے میں بھی مدد کرتے ہیں جس پر گاؤں کے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔

سونیا زینب کو فون پر کشف کی وجہ سے بہت ستاتی ہیں۔ زینب کشف سے اس بارے میں پوچھتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ ہاں وہ سونیا کے پاس اپنے باپ کی معلومات لینے گئی تھی۔ اسے سونیا کا عجیب رویہ یاد آتا ہے۔

آزر جبران سے ملتا ہے اور اسے بے عزت کرتا ہے، ردا غصے سے باہر نکل جاتی ہے۔

کشف کچن میں ردا کو دیکھ کر ایک کپ کافی کا کہتی ہے۔ باتوں باتوں میں وہ ردا سے کہتی ہے کہ وہ اس شادی سے خوش نہیں کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ ردا یہ سن کر چراغ پا ہو جاتی ہے۔ سونیا ردا کو آ کر تھپڑ مارتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اس کی ماں کی وجہ سے آج تم اس گھر میں ہو اور آج ہماری عزت رہ گئی ہے۔

ہاسپٹل سے میر منصور زینب کا ہاتھ پکڑ کر باہر لاتا ہے اور اسے زینی کے نام سے بلاتا ہے۔ زینب کہتی ہے کہ اس کا نام زینی نہیں زینب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم جس سے محبت کرتی ہو وہ میں تھا یا کوئی اس کی خاطر میری بات سن لو۔ زینب کہتی ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی اور کبھی نہیں تھا۔ میر منصور اس بات پر یقین نہیں کرتا۔ موحد کے پہنچنے پر زرین بہت خوش ہوتی ہے۔ زرین کو برے حالوں میں دیکھ کر موحد کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایما کی وجہ سے اس حال میں ہیں، میں ان کا کچھ نہیں۔

میر منصور کی یہ بات سن کر زینب حیران رہ جاتی ہے کہ زینب نے بے وفائی میں پہل کر کے شادی کر لی۔ دونوں ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ منصور یہ سن کر پریشان ہو جاتا ہے کہ تیئس سال سے اکیلی رہ رہی ہے۔

کشف زینب سے فون پر کہتی ہے کہ وہ اپنے گھر جانا چاہتی ہے زینب منع کر دیتی ہے۔

کشف کی آنکھ ایک ڈراؤنے خواب سے کھلتی ہے۔ وہ ہلکی سی چیخ مار کر اٹھتی ہے ٹائم دیکھتی ہے۔ ابھی تو بارہ بھی نہیں بجے تھے۔ پانی پی کر وہ خالی گلاس لے کر باہر جاتی ہے۔ کچن میں اندھیرا ہوتا ہے وہ ڈسپنسر سے پانی لینے آگے بڑھتی ہے۔ کہ اس کے ہاتھ سے گلاس گر کر ٹوٹ جاتا ہے۔ کسی نے اس کو بری طرح اپنے بازوؤں میں لے کر جھنجھوڑا تھا۔ اس نے چیخنا چاہا تو کسی نے اس کے منہ کو پوری قوت سے بھینچ دیا۔

کشف پر حملہ کرنے والا کوئی اور نہیں آزر تھا۔ سونیا آزر سے پوچھتی ہے۔ اس کی چیخ و پکار سن کر رمشا، ردا اور طاہرہ بیگم بھی آ جاتے ہیں۔ آزر ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ میں نے صرف اپنے بیٹے کو اس سے بچانے کی خاطر یہ قدم اٹھایا ہے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ حمزہ یہ سن لیتا ہے۔ وہ یہ برداشت نہیں کر پاتا۔ طاہرہ بیگم آزر کی حمایت کرتی ہیں۔

حیدر کشف کو سمجھاتا ہے کہ وہ گھر کے اندر آ جائے۔ بلال ثمینہ کو اس کے کمرے میں لے جاتا ہے۔ ماں کو کمرے میں چھوڑ کر بلال کشف کو اندر صالحہ کے کمرے میں لے آتا ہے لیکن کشف وہاں رکنے پر تیار نہیں ہوتی صالحہ اسے کہتی ہیں کہ صبح وہ خود اس کے ساتھ اس کے گھر چلیں گی۔

ثمینہ حیدر سے لڑتی ہے کہ اسے طلاق چاہیے۔ بلال سمجھاتا ہے تو وہ کہتی کہ بلال اپنے باپ کی حمایت کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو زخمی کر لیتی ہے۔

موحد ایما سے ملنے ہاسپٹل آتا ہے جہاں زریں اسے کہتی ہے کہ وہ منصور کو چھوڑ دے گی بس موحد اس کے پاس آ جائے۔ منصور کو یہ سن کر احساس زیاں ہوتا ہے وہ زینب کے پاس جانے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ کشف صالحہ بیگم کے ساتھ اپنے گھر آ جاتی ہے۔

موحد کے پاکستان واپس جانے کا سن کر زریں بہت دکھی ہوتی ہے۔ دیتی اپنے بچے کے ساتھ جو رات جنگل میں گزارتی ہے اس سے اس میں اتنی ہمت آ جاتی ہے کہ وہ اپنے بچے کے لیے تنہا جینے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ زینب اس کی کہانی سے بہت متاثر ہوتی ہے۔

آزر ماں اور بیوی کے ساتھ رمشا کو بھی لے کر ایئرپورٹ جاتا ہے گھر میں ردا اکیلی ہے۔ اچانک وہاں وہ ایک جانی پہچانی آواز سنتی ہے۔ زینب سے ملنے کے لیے منصور ہوٹل آتا ہے۔ وہیں اس کی ملاقات موحد سے ہوتی ہے۔ وہ اس غیر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

متوقع صورت حال پر حیرانی سے اسے دیکھتا ہے۔
ردا گھر میں اکیلی ہوتی ہے فرحان آکر اسے اکساتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ بھاگ چلے ردا کے انکار پر اسے غصہ آجاتا ہے اور وہ بدنیتی پر اتر آتا ہے۔ ردا اپنے آپ کو زخمی کر لیتی ہے فرحان بھاگ جاتا ہے۔ حمزہ آکر اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہے۔
منصور زینب سے ملنے آتا ہے تو وہاں موحد بھی پہنچ جاتا ہے موحد حیران ہوتا ہے کہ زینب سے منصور کا کیا تعلق ہے منصور بتاتا ہے کہ وہ اس کی فرسٹ کزن ہے۔
زینب کا شاپنگ پر جانا تھا منصور اسے اس کے والد کا واسطہ دے کر کہا ہے کہ وہ اس کے ساتھ شاپنگ پر چلے۔ اسے سونیا اور اس کی بیٹیوں کے لیے شاپنگ کرنی تھی۔ منصور اس کے لیے ایک ساڑھی گفٹ لیتا ہے۔ زینب کو ماضی یاد آتا ہے کہ وہ سونیا کی شادی میں اس کے لیے ساڑھی لایا تھا۔ وہ اس کی دی ہوئی ساڑھی ریسپشن پر چھوڑ جاتی ہے۔ منصور حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔
بلال کشف سے ملنے آتا ہے کشف اس سے رکھائی سے پیش آتی ہے۔ اس کے یہ پوچھنے پر کہ وہ سونیا کے گھر سے رات میں کیوں آئی کشف ناراض ہو جاتی تھی۔
سونیا ردا کی حالت دیکھ کر پریشان ہے کہ اس کے سسرال والے آچکے ہیں اور کسی وقت بھی ہوٹل سے گھر ملنے آسکتے ہیں۔ ردا کہتی ہے کہ وہ چکر آنے پر گر پڑی تھی۔ موحد کے جانے کے بعد زرین منصور سے معافی مانگتی ہے منصور کے نہ ماننے پر کپ توڑ دیتی ہے۔
سونیا آکر کشف سے معافی مانگتی ہے اور کہتی ہے کہ زینب یا کسی کو پتا نہ چلے۔
زینب پاکستان آکر حیدر کے ساتھ آتی ہے وہ یہ جان کر حیرت زدہ ہے کہ کشف سونیا کے گھر نہیں بلکہ اپنے گھر میں ہے۔ حیدر یہ جان کر کہ زینب منصور سے کینیڈا میں مل چکی ہے، چونک جاتا ہے۔
سونیا اور آذر نے شائستہ اور سلیمان کی دعوت اپنے گھر میں رکھی تھی جس میں ان کی شادی کی تاریخ مقرر ہونا تھی۔ رمشا ردا کو تیار کرتی ہے۔ ردا رمشا سے محبت کے حوالے سے بات کر رہی ہوتی ہے کہ دروازے میں سلیمان کو کھڑا دیکھ کر شاکڈ رہ جاتی ہے۔
موحد کو زینب ڈنر پر انوائیٹ کرتی ہے۔ کشف کو بہت غصہ آتا ہے۔ وہ ڈنر پر موحد سے بدتمیزی کرتی ہے۔ میر وجیل میں بیٹھا شدید غم میں ہوتا ہے۔ اسے اپنی بیٹی سے اس حرکت کی توقع نہیں ہوتی۔ ردا کو جبران الزام دیتا ہے۔ اور پھر اسے کہتا ہے کہ وہ کل ہر اس صورت اس سے ملاقات کر لے جبران ردا کو ایک انجان جگہ لے جاتا ہے۔
حیدر، زینب کو میر منصور کا کینیڈا کا ایڈرس دینا بھول جاتا ہے۔ رمشا، کشف کے آنے پر بہت خوش ہوتی ہے۔ طاہرہ بیگم ان سے اجازت لیے بغیر کشف کے وہاں آنے کا بہت زیادہ برا مناتی ہیں۔ کشف کو لگتا ہے کہ وہ مر جائے گی۔ وہ سونیا سے وہاں سے جانے کی ضد کرتی ہے۔
میر منصور کے گھر فون آتا ہے کہ ایمان بلڈنگ سے گر کر انتہائی زخمی حالت میں اسپتال میں ہے۔ زینب کی وہاں بہت پذیرائی ہوئی ہے۔
موحد کو ایمانے کے زخمی ہونے کا پتا چلتا ہے۔ وہ پریشان ہوتا ہے۔ منصور اور زرین میں کھٹ پٹ ہو جاتی ہے۔ منصور کو اپنی ماں کی بات یاد آتی ہے کہ انہوں نے زینب کی شادی کر دی ہے۔
طاہرہ بیگم سونیا کو سخت سست سناتی ہیں۔ آذر کو بھی کشف کا وہاں رہنا پسند نہیں آتا۔
کشف گھبرا کر موحد کے پاس جاتی ہے وہ اپنی پریشانی میں الجھا ہوتا ہے۔ کشف کو ناگوار گزرتا ہے۔ زینب فون پر کشف کو ڈانٹتی ہے کہ وہ بغیر بتائے سونیا کے گھر سے کیوں نکل آئی۔ زینب کے ساتھ آئے ایک شاعر کو دل کا دورہ پڑتا ہے اور سب کے ساتھ زینب بھی انہیں دیکھنے اسپتال جاتی ہے۔ جہاں اس کا سامنا میر منصور سے ہوتا ہے۔ وہ دونوں حیران رہ جاتے ہیں۔
موحد کے کینیڈا جانے کا سن کر کشف موحد سے کہتی ہے کہ وہ بتا کر جاتا تو وہ اپنے باپ کا اتا پتا معلوم کروا لیتی اس سے۔ موحد کہتا ہے کہ تمہاری آپی کا بھی تو کینیڈا میں رابطہ ہے ان کے کزن ہیں وہاں۔ کشف کی حیرانی پر پچھتاتا ہے کہ زینب کی اجازت کے بغیر اسے نہیں بتانا چاہیے تھا۔ وہ کشف سے اس کے والد کا نام پوچھتا ہے اور منصور احمد کا نام سن کر پتھر ہو جاتا ہے۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

سلیمان کو دیکھ کر رمشا جلدی سے آگے بڑھتی ہے۔ وہ ردا کی چوٹ دیکھ کر استفسار کرتا ہے۔ رمشا اور ردا یہ جاننے کے لیے بے چین تھیں کہ کہیں سلیمان نے ان کی باتیں تو نہیں سن لیں۔

کشف زینب سے شکایت کرتی ہے کہ وہ اسے اکیلا چھوڑ کر کیوں گئی۔ زینب پریشان ہوتی ہے کشف کی حالت دیکھ کر۔ وہ اس سلسلے میں صالحہ بانو سے بھی بات کرتی ہے۔

ردا شاپنگ پر جانے سے انکاری ہے، ماں کے سمجھانے پر سلیمان اس کی والدہ رمشا اور سونیا کے ساتھ وہ چلی جاتی ہے، وہاں وہ لوگ کچھ دیر کے لیے سلیمان اور ردا کو بات کرنے کا موقع دیتے ہیں، فرحان اسے سلیمان کے ساتھ دیکھ لیتا ہے۔

منصور زرین سے کہتا ہے کہ اسے دس پندرہ دن کے لیے پاکستان جانا ہے، اس کی بھانجی کی شادی ہے۔

زینب کشف کی وجہ سے پریشان ہے کہ سونیا کے ہاں ایسا کیا ہوا جو وہ وہاں سے آ گئی۔ کشف کہتی ہے کہ وہ ایک شرط پر بتائے گی کہ زینب اسے بتائے کہ زینب منصور سے کینیڈا میں ملی ہے اور یہ بات اسے ڈاکٹر موحد نے بتائی ہے۔

سونیا نکاح والے دن زینب کو بتاتی ہے کہ منصور پاکستان نہیں آ رہا۔

حمزہ ردا کے نکاح والے دن کشف سے ملنے جاتا ہے۔ کشف اسے دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے وہ اس سے معافی مانگتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ وہ باہر جا رہا ہے۔ کشف اسے معاف کر دے۔

منصور زرین سے کہتا ہے کہ وہ پاکستان اس لیے جا رہا ہے کہ وہ اپنا گھر بیچ کر اس کا قرض اتارے۔ لیکن زرین اس کی بات پر یقین نہیں کرتی کہ تم وہاں جا کر ہمارے رشتے سے مکر سکتے ہو۔ جس پر منصور اسے بتاتا ہے کہ زرین کے والد نے اس کی خوشامد کر کے اسے زرین سے شادی پر مجبور کیا تھا۔

ردا سلیمان کو پا کر محسوس کرتی ہے کہ یہ اس کی ماں باپ کی فرمانبرداری کا انعام ہے۔

کشف، فائقہ کے ساتھ ورکشاپ اٹینڈ کرنے آتی ہے تو اس کی ملاقات وہاں موحد سے ہوتی ہے۔ موحد اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے کھانے پینے کا انتظام اچھے سے کروا دیتا ہے۔ کشف کو بہت محسوس ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں وہ اس کی وضاحت کر دیتا ہے۔

زینب کشف کی وجہ سے پریشان ہے۔ وہ حیدر کے آفس جاتی ہے۔ وہاں اس سے کشف کے رشتے کی بات کرتی ہے وہ بلال کی بات کرتا ہے۔ وہاں ثمینہ آ جاتی ہے اور ان دونوں کو خوب ذلیل کرتی ہے۔ حیدر ثمینہ کو لے جاتا ہے۔ زینب وہاں سن بیٹھی رہ جاتی ہے چوکیدار آ کے اسے جانے کا کہتا ہے۔

کشف، ڈاکٹر موحد سے ملتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر آپ مجھے اچھا سمجھتے ہیں تو میری ماں سے میرا ہاتھ مانگیں اور مجھ سے شادی کر لیں۔

فرحان، سلیمان کے ہوٹل پہنچ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ وہ ردا کا بوائے فرینڈ اور سابقہ محبوب ہے۔

موحد کشف سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ حمزہ باپ سے ناراض ہے۔ آزر غصے میں حمزہ کو گھر سے نکل جانے کو کہتا ہے۔

فرحان سلیمان سے مل کر اسے اپنے اور ردا کے تعلق کے بارے میں بتا دیتا ہے۔ سلیمان، ردا کی کال ریسیو نہیں کرتا۔

ثمینہ حیدر سے لڑتی ہے۔ اور بہت غلط زبان استعمال کرتی ہے بلال اسے روکتا ہے تو وہ اسے بھی لتاڑتی ہے۔

کشف کے حوالے سے کہتی ہے کہ وہ اسے کبھی بہو نہیں بنائے گی کشف یہ سب سن لیتی ہے۔ اور روتی ہوئی گھر چلی جاتی ہے۔ سلیمان، ردا سے فرحان کے متعلق سوال کرتا ہے۔

## بیسویں قسط

کشف کے ہاتھ سے فون چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

اتنی جلدی تو خیر وہ ہمت ہارنے والی نہیں تھی۔

موحد کے اس مذاق کے پیچھے اس کے جو بھی ارادے تھے، اچھے یا برے، اسے ابھی جاننے تھے ورنہ بعد میں گڑبڑ ہو گئی تو وہ کس کس کا منہ بند کرے گی۔

''آپ انجان بن کر کیا بتانا چاہ رہے ہیں مجھے؟''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

وہ لمحوں میں سنبھل چکی تھی اور اعتماد سے پوچھ رہی تھی۔
''بھئی۔ ظاہر ہے کال آپ نے کی ہے تو کچھ بتانا بھی آپ ہی نے ہوگا۔'' وہ شاید اس کی بے بسی کا مزا لے رہا تھا۔
یا کسی غیبی آئینے سے وہ کشف کے تاثرات دیکھ رہا تھا اور اپنی مردانگی کا فائدہ اٹھانے کی چاہ تھی اس کے دل میں۔
کشف کا دل جیسے گھٹا جا رہا تھا کسی تنگ سے شکنجے میں۔
''موحد! آنٹی میری منگنی کر رہی ہیں اور جلد شادی بھی۔ میں مزید انہیں اندھیرے میں نہیں رکھ سکتی۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر سمجھانے والے انداز میں اس سے کہہ رہی تھی۔
''کم آن کشف! آپ یہ منگنی والی بات مجھے اور کتنی بار بتائیں گی۔ یار! میں اب فیڈ اپ ہو گیا ہوں، یہ بریکنگ نیوز سن سن کر۔'' اس کا لہجہ ہی نہیں اس کا انداز بھی ہتک آمیز تھا۔
کشف کے کانوں سے جیسے دھواں نکلنے لگا۔
''ہم دونوں نے..... میں نے، آپ نے۔ ڈاکٹر موحد! نکاح کیا ہے، اللہ اور رسول ﷺ کو گواہ بنا کر ایک نکاح خواں نے ہمارا نکاح پڑھوایا تھا۔ اس کے باوجود آپ میرا جس طرح مذاق اڑا رہے ہیں، مجھے بہت برا لگ رہا ہے..... بہت برا۔'' وہ خود کو سنبھالتے سنبھالتے پھر ٹوٹنے کو تھی۔ وہ کیسے اتنا بے رحم ہو سکتا تھا۔
''اوہ آئی سی..... تو آپ کے پاس اس نکاح کا کوئی پروف..... نکاح نامے کی فوٹو کاپی..... کچھ تو ہوگا۔ آپ یوں کریں، وہ پروف اپنی آنٹی کو دکھا کر جو آنٹی کو بتانا چاہ رہی ہیں۔ جو حاصل کرنا چاہتی ہیں، کریں۔ ویری سمپل۔'' وہ دھک سے رہ گئی۔
وہ اسے یوں خلوص بھرے لہجے میں سمجھا رہا تھا، جیسے یہ معاملہ ان دونوں کا نہیں کسی تیسرے شخص کا معاملہ ہو۔
''سوری کشف! مجھے بہت ضروری کام سے نکلنا ہے۔ پلیز، آپ مائنڈ نہ کریں تو ہم بعد میں بات کرتے ہیں اور پلیز ریلیکس کریں خود کو۔ جو چاہتی ہیں اپنی مدر کو بتا دیں، وہ آپ کی ماں ہیں..... آپ کی فیلنگز کا احترام کریں گی۔ ٹیک کیئر، اللہ حافظ۔''
وہ بڑے دوستانہ انداز میں اسے نصیحتیں کرتا فون بند کر گیا اور کشف کے لیے تباہ کن پریشانی اور سوچ کا بے سکون دروا کر گیا۔ وہ بے حرکت بیٹھی جیسے کچھ بھی سوچ نہ پا رہی تھی۔

☆☆☆

ردا کے ہاتھ ٹھنڈے پسینے سے تر ہونے لگے۔ ان میں خفیف سی لرزش بھی تھی۔
اس کی قسمت کا فیصلہ ہونے جا رہا تھا۔
اس کے فون پر سلیمان کی کال آ رہی تھی اور وہ بس فق چہرے اور پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ بلنک کرتے سلیمان کے نام کو دیکھتی جا رہی تھی۔
اس کے ہاتھوں میں شاید اتنی جان بھی نہیں تھی کہ وہ کال ریسیو کر لیتی ہاتھ بڑھا کر۔
مگر کال تو لینی تھی، فون ایک بار بند ہونے کے بعد دوسری بار بجنے لگا تھا۔
اس نے دو تین گہرے گہرے سانس لیے اور جھپٹ کر فون اٹھا لیا اور کال ریسیو کرتے ہوئے نیم مردہ آواز میں سلام کیا۔
''کہاں ہو ردا! میں کب سے کال کر رہا ہوں۔'' وہ چھوٹتے ہی اپنائیت بھری خفگی سے بولا تھا۔ ردا نے اس

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کے لہجے کو جانچا۔ کچھ نیا پن تھا اس میں۔

''وہ میں کچن میں گئی تھی۔ ماما نے بلایا تھا تو ابھی آئی ہوں روم میں۔'' وہ رک رک کر خود کو کمپوز کرتے ہوئے بولی۔

''ابھی بھی آنٹی تم سے کچن کے کام کروا رہی ہیں۔'' اس کے ہلکے پھلکے انداز پر ردا کا دل بے ساختہ کھل اٹھا تھا۔

یوں جیسے اس کی پھانسی کا فیصلہ فی الحال ملتوی کر دیا گیا ہو، جلاد نے پھندا ڈھیلا کر دیا ہو، وہ خوش گوار سا سانس لیتی مسکرائی تھی۔

''نہیں..... کچن کے کام تو نہیں.....'' مزید اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا بولے۔

''آپ کو آتے ہیں ناں کچن کے سب کام۔'' وہ کیسے دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا، جیسے ان میں ہمیشہ سے ایسی ہی باتیں ہوتی رہی ہوں۔

''جی آتا ہے مجھے تو سب کچھ۔'' اس کے منہ سے پھسلا۔

''سب کچھ.....'' بے اختیار اس نے دہرایا تو ردا کو اپنی پھسلنے والی زبان پر غصہ آ گیا۔

''نہیں وہ.....'' وہ جلدی سے وضاحت کرنے لگی۔

''ردا!'' اس نے بھاری آواز میں اسے پکارا تو وہ ایک دم سے جیسے تھم سی گئی۔

''میں نے بہت سوچا، بہت زیادہ..... ان دنوں میں اس سارے معاملے پر۔'' اس کی خاموشی پر ردا کو لگا، اس کا دل بھی رک گیا ہے۔

''جس طرح اس بلیک میلر نے مجھے ٹارچر کیا، اسی طرح اس نے آپ کو بھی پریشان کیا ہوگا۔ آج پہلی بار میں نے خود کو آپ کی جگہ پر رکھ کر سوچا تو بہت دکھ ہوا مجھے اپنے رویے پر۔ میں جو اتنے سالوں سے مغرب میں رہ رہا ہوں، وہاں یہ سب کچھ اتنا عام ہے جیسے روٹین کی زندگی میں روزانہ کا کھانا پینا۔ بوائے فرینڈ بدلنا، دوستیاں بدلنا ایسے ہی ہے جیسے روزانہ کپڑے بدلنا یا ہفتے مہینے بعد کسی بھی فلیور کے لیے آپ کا موڈ بدلنا..... پھر بھی میں نے آپ کے معاملے پر تنگ نظری دکھائی۔''

اور ردا کا پورا وجود جیسے کان بنا ہوا تھا، سارا جسم سماعت.....

''میں نے اس مسئلہ کو اپنی انا، اپنی غیرت کا مسئلہ بنا لیا۔ جو مجھے زیب نہیں دیتا تھا۔ مجھے اس پر آپ کے ساتھ بلکہ آپ کی فیملی کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنا چاہیے تھی۔ جب اس شخص نے مجھے استعمال کرنا شروع کیا۔'' وہ شاید سانس لینے کو رکا تھا۔

اور ردا کی سانس تو شاید چل بھی نہیں رہی تھی۔

''وہ جیسے مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا، میں ٹھیک ویسا استعمال ہوتا چلا گیا۔'' اس کے لہجے میں افسوس تھا۔

''اگر آپ اس کے ساتھ اس حد تک انوالو ہوتیں جیسا وہ کہہ رہا تھا تو اس رات گھر چھوڑ کر میرے پاس وضاحت کرنے نہیں آتیں۔'' وہ چپ کر گیا۔ شاید چاہ رہا تھا ردا کچھ کہے۔

اور ردا کے بے آواز آنسو اس کے گالوں پر پھسلتے جا رہے تھے اور گلے میں بڑے بڑے پھندے پڑے تھے۔

''سلیمان.....'' اس کی رندھی آواز نکلی۔

''پلیز آپ روئیں نہیں، شرمندہ تو مجھے ہونا چاہیے۔ میں نے بہت زیادہ جذباتیت شو کی۔ میرے خیال میں اب جبکہ شادی میں بہت تھوڑا وقت ہے تو ہمیں وہ پچھلی ساری باتیں بھلا کر نئے سرے سے سوچنا اور آغاز

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کرنا چاہیے۔'' اس نے شاید بات ختم کردی۔
ردا کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔
''آپ کچھ نہیں بولیں گی ردا!'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔
''آپ نے مجھے معاف کردیا؟'' اس نے دوسری بار پوچھا تو اس کے گلے سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔
وہ ایک دم بالکل خاموش ہوگیا۔
اور ردا کو لگا، اس سوال کے جواب میں اس کی جان اٹکی ہے۔
''غلطی ہم سب سے ہوتی ہے ردا! آپ سے، مجھ سے اور بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جنہیں ہم لاکھ چاہتے ہیں، انہیں معاف کردیں لیکن ہمارے دل تنگ ہوتے ہیں۔ معافی سب دروازے کھولتی ہے لیکن ہم نے اپنی تنگ دلی سے وہ دروازے اتنی سختی سے بند کر رکھے ہوتے ہیں کہ کوئی راستہ ہی نہیں ملتا معافی کو۔''
وہ پھر اسے بیچ راہ میں بھٹکا رہا تھا۔
''سلیمان! اس کے بغیر.....'' وہ اسے بتانا چاہ رہی تھی، اس کے بغیر وہ کیسے زندگی بھر اس کا سامنا کرے گی۔
''اس کے بغیر بھی ایک راستہ ہے ردا! بھول جانے کا۔'' اس نے بے اختیار رستہ دکھایا تھا۔
''میں سب کچھ بھول چکا ہوں۔ بھلا دینا چاہتا ہوں اور آپ سے بھی یہی چاہوں گا۔ آپ بھی سب بھول جائیں۔ کچھ وقت گزرے گا تو خود بخود معافی کا دروازہ بھی کھل جائے گا اور شاید ہمیں پتا بھی نہ چلے۔''
ردا کے آنسو اور بھی روانی سے بہنے لگے۔
اس کے ماں باپ کا انتخاب کتنا خوب صورت تھا۔ اسے اس وقت اندازہ ہو رہا تھا۔
اس کا جی چاہ رہا تھا، وہ کسی اونچی چھت پر چڑھ کر اونچی اونچی آواز میں چلا کر سارے شہر کی، ساری دنیا کی لڑکیوں سے کہے کہ اپنی آنکھوں پر محبت کی جھوٹی پٹی باندھنے کے بجائے ماں باپ کے تجربہ کار انتخاب پر بھروسا کریں۔ کبھی آپ کو رونا، پچھتانا نہیں پڑے گا۔ آپ جب بھی دنیا کے زندگی کے میلے میں اکیلے پڑیں گے، آپ کے پیچھے چٹان کی طرح وہ شخص موجود رہے گا جسے آپ کے والدین نے آپ کے لیے چنا تھا۔
''میرے خیال میں اب کوئی الجھن، کوئی گرہ نہیں رہی ہم دونوں کے بیچ ردا!'' وہ بڑے مطمئن انداز میں پوچھ رہا تھا۔
''آپ کا میں کیسے شکریہ ادا کروں اور اپنے رب کا کیسے شکر ادا کروں جس نے میرے دامن پر لگے اس داغ کو یوں دھو دیا جیسے وہ لگا ہی نہیں تھا۔'' وہ دل میں کہہ رہی تھی۔
''نہیں۔'' مختصراً ہی منہ سے نکلا۔
''شکریہ سلیمان۔'' اسے کچھ تو کہنا تھا، مدہم لہجے میں بولی۔
''کیا محبت میں شکریہ ہوتا ہے۔'' وہ ہنسا۔
وہ بے اختیار چونکی۔ ''محبت!''
''ہاں ردا! یہ محبت کا کرشمہ ہے جس نے میرا دل آپ کی طرف سے شفاف، اجلا کردیا۔ میں واقعی آپ کو چاہنے لگا ہوں۔'' وہ بڑی صاف دلی سے اقرار کر رہا تھا۔
''اور میں بھی۔'' بے ساختہ اس کے لبوں سے پھسلا۔ سلیمان کی ہنسی پر اس نے جھٹ سے فون بند کردیا۔
سر اٹھا کر اس نے دو تین گہرے گہرے سانس لیے، جیسے شاید اس نے اس دنیا میں آنے کے بعد لیے ہوں گے، خالص۔ بے ریا..... اور یوں سر بھی تو کئی دنوں بعد اس نے اٹھایا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''ردا۔۔۔ ! کہاں ہو تم۔ میں کب سے بلا رہی ہوں، ذرا اپنے ماموں سے تو مل لو آ کر۔'' سونیا اسے ڈھونڈتی ہوئی آئی تھی۔

''ماما..... ماما..... سلیمان کا فون تھا۔'' وہ چہرے پر چھوٹتی خوشی کی مہتابیاں لیے شور مچاتی ماں سے۔۔۔ لپٹ گئی تھی۔

سونیا کو کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

''کیا..... کیا ہوا ہے ردا؟'' وہ ٹھٹکی۔

''سب کچھ ٹھیک ہو گیا ماما! سلیمان نے سب کلیئر کر لیا۔ وہ فرحان کی بلیک میلنگ جان گئے اور میری پاک بازی بھی۔ سب کچھ ٹھیک ہو گیا مما..... سب کچھ.....؟''

اور سونیا بے یقین سی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

☆☆☆

''یہ رنگ..... تمہیں اندازہ ہے، اس کی قیمت کیا ہے اور ڈائمنڈ کتنا قیمتی ہے۔'' زینب اس کے سامنے کھڑی اپنے غصے کا ٹھیک طرح سے شاید اظہار بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

''یقیناً یہ کافی قیمتی ہے..... ہو گی۔'' کشف نے آخری برتن دھو کر ٹونٹی بند کی۔ دیوار پر کیل سے لٹکے تولیے سے ہاتھ پونچھے۔ اس کے لہجے میں بلا کا اعتماد اور بے پروائی سی تھی۔

''تو تم جانتی تھیں پہلے سے۔'' زینب نے اسے غصے میں اپنی طرف گھما کر تفتیشی نظروں سے دیکھا۔

''نہیں۔'' اس کے اعتماد میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔

''کشف!'' زینب زچ آ گئی اس کے ردعمل سے۔

''کیا آنی..... اگر کسی نے مجھے ایسی رنگ دے دی جو بڑی قیمتی اور انمول ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ کیا غلطی ہے میری۔'' وہ پوری طرح جھنجھلا کر اس سے ہاتھ چھڑا کر جانے لگی۔

''کس نے دی ہے تمہیں یہ رنگ۔ اب جب کہ ثابت ہو گیا، یہ کتنی قیمتی ہے تو جس نے بھی دی ہے اس کے پاس کچھ خاص وجہ ہو گی۔'' زینب کے لہجے میں بہت بے چینی تھی۔

وہ جو کچھ سوچ رہی تھی اگر وہی نتیجہ نکل آیا تو بہت ساری چیزوں کا نقشہ بدلنے والا تھا۔

''یقیناً ہو گی آنی۔'' وہ اسی اعتماد سے اس کی تائید کر رہی تھی۔

''کشف!'' زینب بے بس سی ہو گئی۔

''کون ہے وہ..... تمہیں اب مجھے بتانا ہی ہو گا۔'' وہ قطعی لہجے میں اس سے بولی۔

کشف سر ہلا کر رہ گئی، یوں بھی اب فرار کا کوئی رستہ بچا تھا، نہ اس کا کوئی فائدہ تھا۔

''موحد..... ڈاکٹر موحد.....!'' وہ رک کر زور دے کر بولی۔

اور زینب کے دونوں ہاتھ اس کے پہلو میں گر گئے۔

''کیا کہہ رہی ہو تم کشف.....!'' وہ بے یقین سی تھی۔

''اور میں نہیں جانتی تھی آنی! کہ ان کے دل میں اتنی قیمتی رنگ دینے کی کیا وجہ ہے، لیکن ان کا غیر معمولی رویہ مجھے الجھن میں ڈال رہا تھا۔'' وہ کچھ چھپا، کچھ بتا کر زینب کو جیسے اگلے مرحلے کے لیے تیار کر رہی تھی۔

''اور تم نے مجھے یہ سب پہلے نہیں بتایا، جب اس نے تمہیں یہ تحفہ دیا..... کیوں؟'' کشف کو معلوم تھا، زینب کا اگلا سوال یہی ہو گا، وہ تیار تھی اس کے لیے۔

''کیونکہ میں خود الجھ گئی تھی اس تحفے کو لے کر بلکہ میں نے انہیں منع بھی کیا اور یہ بھی کہا کہ آپ یہ گفٹ مجھے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آنی کے سامنے دیں۔'' وہ بظاہر پُراعتماد تھی لیکن جانتی تھی، اگلی بات اس تحفے سے بہت بڑی ہے۔
زینب کچھ الجھ سی گئی۔
''پھر اس نے کیا کہا؟'' وہ کچھ دیر بعد کشف کو دیکھ کر بولی، جواب جان چھڑا کر کمرے میں جا رہی تھی۔
''کچھ بھی نہیں، کہنے لگے۔ میں اسے کہاں سنبھالتا پھروں گا، فی الحال آپ اسے رکھیں، میں آنی سے خود بات کرلوں گا۔'' وہ رخ پھیرے بغیر، زینب کو دیکھے بغیر بولی۔
''اور اس نے تو کئی دنوں سے مجھ سے کانٹیکٹ بھی نہیں کیا، پھر اس تحفے کا مطلب۔'' وہ الجھ گئی تھی۔
''آپ یہ رنگ رکھیں اور انہیں خود واپس کردیں۔ مجھے ان کے ایسے کسی تحفے کی ضرورت نہیں۔'' وہ مڑ کر رنگ زیب کے ہاتھ پر رکھ کر تیزی سے اندر چلی گئی۔
زینب الجھی ہوئی سی انگوٹھی ہاتھ میں لیے کچھ سوچ رہی تھی۔ یکایک اس پر انکشاف ہوا، تو اتنے سامنے کی بات مجھے پہلے کیوں سمجھ میں نہیں آئی۔ مردوں کے ایسے بے مطلب تحفوں کا کیا مطلب ہوتا ہے بھلا۔ وہ بجلی کی طرح کشف کے سر پر جا پہنچی جو کہیں باہر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔
''اس تحفے کے بدلے اس نے تم سے کیا چاہا کشف۔'' وہ سرد سے لہجے میں اس پر نظریں جمائے اس سے پوچھ رہی تھی۔
''کچھ بھی نہیں۔'' وہ نظریں چرا کر رہ گئی۔
''مجھ سے جھوٹ مت بولو، میں یہ بات کبھی نہیں مانوں گی۔'' وہ اسے جھنجھوڑ کر رہ گئی۔
تو وہ لمحہ آ گیا تھا جب کشف کو خود ہی بے وقوفی میں اٹھائے گئے، اس انتہائی قدم کا جواب دینا تھا۔
''وہ تم سے محبت کرتا ہے، ایسا دعوا کیا اس نے۔''
وہ عین اس کے سامنے کھڑی ہو کر جرح کرنے والے انداز میں پوچھ رہی تھی، کشف کے پاس بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس نے اقرار میں سر ہلا دیا۔
زینب اس کو دیکھتی رہ گئی۔
''اور تم.....'' کچھ لمحوں بعد اس نے بے چین سے لہجے میں اس سے پوچھا۔
کشف کو لگا یہی وقت ہے، سب کچھ بتا دینے کا۔
''میں بھی آنی!''
اور زینب ساکت سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

حیدر نے بلال کو دوا کھلائی، اس کا بخار اور کیفیت اب بہتر لگ رہی تھی مگر چہرے کا پیلا پن اور کمزوری حیدر کو فکرمند کر رہی تھی۔
''اب کچھ بہتر فیل کر رہے ہو بلال۔'' وہ اس کے پاس ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
''جی بابا۔'' وہ بیڈ سے ٹیک لگا کر سامنے دیوار کو دیکھنے لگا۔
اس کی نظروں میں مایوسی، غم، بے چارگی اور سب سے بڑھ کر زندگی سے ناامیدی تھی، حیدر مزید دکھی ہو گیا۔
''کیا سوچ رہے ہو بلال!'' وہ اسے بولنے پر اکسانا چاہ رہا تھا۔
''کچھ نہیں بابا۔'' بلال نے ابھی بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔
''کبھی کبھی ہمارا دل جو خواہش کرتا ہے، ہمارا نصیب بالکل اس کے مخالف لے جا رہا ہوتا ہے۔ اس وقت

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہمیں تقدیر کا ایسا فیصلہ بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا ہوتا لیکن بعد میں..... بہت وقت کے بعد جب ہم مڑ کر دیکھتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری قسمت نے جو فیصلہ ہمارے لیے کیا، وہ بہترین تھا۔''

پتا نہیں حیدر اسے کیا سمجھانا چاہ رہا تھا، شاید اس کے ٹوٹے دل کو دلاسا دینا چاہ رہا تھا۔

''جیسے تقدیر نے آپ کا اور مما کا ساتھ لکھا اور آپ اب اگر پیچھے مڑ کر دیکھیں تو آپ کو یہ فیصلہ بہترین لگتا ہے کیا بابا!'' بلال نے چبھتا ہوا سوال کیا۔

حیدر جواب میں لمحہ بھر کو کچھ بول نہیں سکا۔

''ضروری نہیں ہر بار ایسا ہی ہو میری جان۔'' وہ ہمت نہ ہار کر گہرا سانس لے کر بولا۔

''ضروری نہیں ہر بار ایسا نہ ہو۔'' وہ بھی دوبدو بولا۔

''ابھی تمہاری طبیعت زیادہ ٹھیک نہیں ہے، زیادہ دماغ پر زور نہیں دو..... تھک جاؤ گے۔'' وہ بات ٹال کر بولا۔

''تھک تو اتنا گیا ہوں بابا! مجھے لگتا ہے صدیوں کی تھکن کا بوجھ ہے میرے کندھوں پر اور میں ہمیشہ کے لیے گہری نیند اوڑھ کر سو جاؤں۔''

حیدر تو ہم پرست نہیں تھا مگر بلال کی بات پر اس کا دل سہم گیا، اس نے بے اختیار ہاتھ اس کے منہ پر رکھا تھا۔

''ایسا نہیں سوچنا میری جان۔ زندگی میں اونچ نیچ آتی رہتی ہے۔ ہمت ہارنے سے کھلے رستے بند ہو جاتے ہیں۔'' باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی تو دونوں ایک دم سے چپ کر گئے۔

جب سے ثمینہ نے بینک سے اپنی گاڑی نکلوائی تھی، وہ اب گھر پر پہلے سے بھی کم وقت دینے لگی تھی۔

ان دونوں نے بھی پوچھنا چھوڑ دیا تھا۔

اس وقت بھی شام ڈھل چکی تھی۔ وہ یقیناً گھر جلدی آ گئی تھی تو کسی پارٹی میں تیار ہو کر جانے کے لیے آئی ہوگی۔ بلال آنکھیں بند کر کے سو جانا چاہتا تھا۔

اور حیدر اٹھ کر کہیں کسی تنہا جگہ پر چلے جانا چاہتا تھا لیکن ثمینہ نے دونوں کو اس کا موقع نہیں دیا۔

وہ خوب صورت لباس میں ہمیشہ کی طرح تازہ دم میک اپ کے ساتھ ان کے سامنے کھڑی تھی۔

دروازے میں اسی لمحے اس کے پیچھے سے ایک خوب صورت سہمی ہوئی لڑکی کو دیکھ کر دونوں چونک گئے۔

''ثمینہ! یہ کون ہے؟'' حیدر کو پوچھنا پڑا۔

ثمینہ کے چہرے پر فخریہ تاثرات تھے۔

''یہ ایمان ہے۔ ایک دو دن ہوئے کینیڈا سے آئی ہے اپنے پیرنٹس کے ساتھ۔ آج ہوٹل سے نکلی تو راستہ بھول گئی۔ کوئی شخص اسے تنگ کرنے کے لیے پیچھا کرنے لگا تو بے چاری ڈر کر میری کھلی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ دیکھیں، کتنی پیاری ہے۔''

ثمینہ یوں کسی پہ نثار کم ہی ہوتی تھی۔ ایما کو اپنے ساتھ لگا کر بڑی لگاوٹ سے کہہ رہی تھی۔

حیدر اور بلال ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

☆☆☆

منصور کی پریشانی کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

وہ ڈھنگ سے سونیا اور اس کے بچوں اور ساس سے بھی نہیں مل پا رہا تھا۔

اور زریں تو ابھی بھی دواؤں کے کچھ اثر میں تھی، اسے ٹھیک سے ایمان کی غیر موجودگی محسوس نہیں ہو رہی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تھی۔

کل مہندی کا فنکشن تھا۔

آزر اس کا انتظام کرنے کے لیے لان میں مصروف تھا۔

منصور کا اس سے سامنا کم ہی ہوا تھا، شاید دونوں نے دل میں ایک دوسرے کو کچھ خاص پسند نہیں کیا تھا۔

لیکن اس وقت منصور کو باہر نکل کر ایما کو تلاش کرنا تھا۔ وہ زریں کی طبیعت کی خرابی کا بہانا کر کے اسے کمرے میں لٹا کر خود باہر جانے لگا تھا۔

''منصور بھائی! آپ کا بیٹا اور بیٹی، وہ دونوں کب تک آئیں گے۔'' سونیا اس کے رستے میں آ کر پوچھ رہی تھی۔

وہ فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکا، بس سر جھٹک کر رہ گیا۔

''کوئی پریشانی ہے کیا، جب سے آئے ہیں، میں نوٹ کر رہی ہوں۔ کوئی مسئلہ ہے تو بھائی مجھے بتائیں۔'' وہ اس کے چہرے کو دیکھ کر ہمدردی سے پوچھنے لگی۔

منصور کا جی چاہا وہ سونیا کو ایمان کی گمشدگی کا بتا دے لیکن پھر اس نے خود کو روکا۔

''یہ پاکستان ہے، یہاں لوگ اس طرح لڑکی کے گم ہو جانے کا کچھ اور ہی مطلب نکالتے ہیں۔'' اس نے اپنے دل کو ٹوکا۔

''میں جا ہی رہا تھا ایمان کو لینے کے لیے، وہ بھی یہاں آئے اور شادی کی رونق کو دیکھے۔ اسے یہ سب اچھا لگے گا اور نیا سا بھی۔'' اس نے لمحوں میں خود کو سنبھالا تھا۔

''میری بھی بڑی خواہش ہے اپنی بھتیجی کو دیکھنے کی۔'' سونیا فوراً خوش دلی سے بولی۔

''بھائی! ایک بات پوچھوں اگر آپ کو برا نہیں لگے تو۔''

منصور چونک گیا۔

اسے کچھ شک سا ہوا، وہ کس بارے میں پوچھنا چاہ رہی ہے۔

''یہ تمہاری بیوی مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگتی۔ آئی مین مینٹلی فٹ تو ہے ناں۔'' سونیا نے کچھ جھجک کر پوچھ ہی لیا۔

منصور یوں ہی سر ہلا کر رہ گیا۔

''کیا ہوا..... کچھ غلط کہہ دیا میں نے؟'' سونیا اس کی خاموشی کو ناراضی سمجھ کر بولی۔

''نہیں۔ تم اتنا غلط بھی نہیں سمجھیں، زریں کے ساتھ ہے کچھ ایسا مسئلہ..... مگر زیادہ سیریس نہیں۔'' وہ اقرار کرتے کرتے انکار بھی کر گیا۔

''ہائے، میں مر گئی بھائی! تو تمہیں یہی پاگل ملی تھی شادی کرنے کے لیے۔'' سونیا روایتی عورتوں کی طرح طعنہ دے کر بولی۔

''یہ ابھی کچھ عرصہ سے ہو رہا ہے اس کے ساتھ۔ پہلے یہ بالکل ٹھیک تھی۔'' منصور کچھ کمزور لہجے میں بولا۔

''مجھے تو نہیں لگتا، یہ تھوڑے عرصے کی بیمار ہے اور پھر ایک بچے کی ماں بھی تھی۔ تم اس سے شادی کرتے کچھ تو سوچ لیتے۔'' سونیا اسے ان پچھتاووں کے بھنور میں پھر سے دھکیل رہی تھی، جس سے وہ بمشکل خود کو اتنے سالوں میں نکال پایا تھا۔

''زریں بہت اچھی عورت ہے سونیا! محبت کرنے والی۔ فراخ دل۔'' اب منصور کو کچھ تو صفائی دینی تھی۔

''ہاں، یہ آپ نے خوب کہا فراخ دل۔'' وہ چٹخارہ سا لے کر زور دے کر بولی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''ظاہر ہے اتنی جائیداد، روپے پیسے کی مالک تھی تو کیا تھا، تھوڑی پاگل ہو یا ایک بچے کی ماں..... کیا فرق پڑتا ہے۔''

سونیا کے طعنوں میں کیا کچھ نہیں تھا۔

منصور کا دل اوب گیا، وہ سر جھٹک کر مزید کچھ کہے باہر باہر نکل گیا۔

''تو یہ تھی تمہاری آئیڈیل لائف بھائی! جس کے لیے تم نے ہر شے قربان کر دی۔'' سونیا تاسف سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

''یہ تم کس کو اٹھا کر لے آئی ہو، وہ بھی غیر ملکی نیشنلٹی ہولڈر ہے۔ کچھ گڑبڑ بھی کر سکتی ہے۔''

حیدر اکیلے میں ثمینہ پر برس پڑے۔

''حیدر! تم نے نہ خود زندگی میں کچھ کیا، نہ چاہتے ہو تمہاری اولاد کچھ کر سکے۔'' وہ بڑے قرینے سے ٹرے میں ایمان کے لیے آرڈر کیا ہوا پزا، فرائز اور کولڈ ڈرنک سجا رہی تھی۔

''مجھ پر تو لعنت بھیجو، میں تو ہوں ہی ایک بے کار آدمی۔ مگر خدا کے لیے اس لڑکی کو جلد سے جلد اس کے والدین کے پاس بھیجو جہاں سے بھی یہ آئی ہو۔''

حیدر کو اس طرح غصے میں ثمینہ نے کم ہی دیکھا تھا۔

''بچی پہلے کھا تو لے، شکل نہیں دیکھ رہے اس کی، گر کر بے ہوش ہو گئی تو ہمیں ہی مصیبت پڑے گی۔'' وہ بڑی فکر مندی سے ٹرے سجا کر اندر لے گئی جہاں ایمان بیٹھی کن انکھیوں سے آنکھیں بند کیے نیم دراز بلال کو دیکھتی کچھ سوچتی جا رہی تھی۔

''تم یہ کھانا کھا کر اپنے پیرنٹس کو کال کرو۔ وہ تمہیں آ کر لے جائیں گے۔'' ثمینہ نے فاصلے پر بیٹھے حیدر کے مسلسل گھورنے پر جیسے دل پر پتھر رکھ کر ایمان سے کہہ ہی دیا۔

''میرا فون بھی ہوٹل میں ہی رہ گیا، یوں بھی پاپا کے پاس اب یہاں کا نمبر ہے جو مجھے بالکل یاد نہیں۔''

وہ نزاکت سے کانٹے سے پزا کھاتے ہوئے بولی۔

ثمینہ نے کچھ پریشانی سے اسے دیکھا۔

''ہوٹل..... جس میں آپ لوگوں کا اسٹے ہے، وہ تو پتا ہو گا۔ آئی مین ہوٹل کا نام۔'' وہ کچھ سوچ کر بولی۔

جواب میں ایمان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو پھر کیسے ہم تمہیں تمہارے پیرنٹس کے پاس پہنچائیں گے۔'' ثمینہ فکر مندی سے بولی۔

ایمان جواب میں خاموشی سے کھاتی رہی، اسے واقعی بہت بھوک لگ رہی تھی۔

''آپ کے پاس فون ہے تو مجھے دیں، اپنے بھائی کو کال کر کے بلا سکتی ہوں۔'' کھانے سے مکمل فارغ ہو کر اس نے بڑے فرمائشی انداز میں ثمینہ سے کہا تھا۔

حیدر نے ثمینہ کو فون دینے کا اشارہ کیا۔

اس نے فون پر موحد کا نمبر ملایا، یہ واحد نمبر تھا جو اسے حفظ تھا۔ دوسری طرف موحد نے کچھ وقفے سے کال ریسیو کر لی۔

''ایما..... کہاں ہو تم میری جان..... سب پریشان ہیں تمہارے لیے۔'' وہ بے قراری سے بولا تو ایما کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

وہ کلینک کے بعد موحد کے فلیٹ پر آئی۔
وہاں بھی تالا لگا تھا۔
وہ پریشان سی وہیں دروازے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ دوبار فون پر کوشش کر چکی تھی۔
موحد اس کی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔
باہر موسم ایک دم سے ابر آلود ہو چلا تھا۔
وہ زینب سے ضروری کام کا بہانا کر کے گھنٹے بھر کے لیے گھر سے نکلی تھی۔
اور اس طرح آنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔
کل اگر اس کی منگنی کے لیے وہ لوگ آجاتے، کشف کو زینب کو سب کچھ کھل کر بتانا پڑ جاتا تو شاید وہ زینب کی ہی نہیں خود اپنی نظروں سے بھی گر جاتی۔
وہ زندگی بھر کبھی اس کا اعتبار نہیں کرتی۔
وہ فلیٹ کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔
یہاں اسی جگہ ان دونوں کا نکاح ہوا تھا، جس سے وہ فون پر مکر گیا تھا۔
کیا تھا اگر کشف اتنی جلدی اس کی محبت کے جال میں ٹریپ نہ ہوتی تو آج اسے یوں خود کو اتنی گہرائی میں تلاش نہ کرنا پڑتا۔
''کچھ بھی ہو جائے، میں موحد سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔'' وہ فیصلہ کر چکی تھی۔
مگر باہر گرجتے بادل اسے کچھ سہما رہے تھے اور زینب کی بھی اس دوران دوبار کال آچکی تھی۔
''یا اللہ۔ میری مدد کر۔ مجھے اس مشکل سے نکال، میں نے اپنی ماں کے ساتھ غلط کیا۔ ان کے بھروسے کو توڑا۔ اپنے کردار کو شک میں ڈالا۔ مجھے معاف کر دے۔ یا اللہ! موحد آجائیں اور مجھ سے کلیئر کر لیں کہ وہ سب مذاق تھا۔''
وہ بہت کم روتی تھی، اسے روتی لڑکیوں سے نفرت تھی لیکن اس وقت اس کا جی بھر بھر کر آرہا تھا۔
وہ چپکے چپکے رو بھی رہی تھی۔
زینب کی پھر کال آرہی تھی۔ اسے اور رونا آنے لگا۔
''یہ اس نے کیا کر ڈالا۔ کیسے کل زینب کو سب کچھ بتائے گی۔''
اس کے فون پر میسج ٹون بجی جس کا وہ شدت سے انتظار کر رہی تھی، موحد کا میسج آیا تھا۔
ابھی کچھ دیر پہلے کشف نے میسج بھیجا تھا کہ وہ اس کے اپارٹمنٹ کے سامنے کھڑی ہے اور جب تک وہ واپس نہیں آجاتا، وہ پوری رات یہیں کھڑی رہے گی۔
''کشف! میں ایک مشکل میں پھنس گیا ہوں، کوشش بھی کروں تو گھر نہیں آسکتا۔ پلیز تم ابھی گھر چلی جاؤ، میں خود آکر تم سے ملوں گا پرامس۔ اور میں آنی سے بھی بات کر لوں گا۔ موسم خراب ہو رہا ہے، پلیز تم ابھی چلی جاؤ۔ ہم بعد میں بات کرتے ہیں۔''
وہ بار بار یہ چار سطری میسج پڑھ رہی تھی۔ ان سطروں میں وہی ڈاکٹر موحد اپنی جھلک دکھا رہا تھا، جس کے آگے وہ دل ہاری تھی۔
ویسا ہی کیئرنگ، محبت کرنے والا، فکر مند اور مسئلے حل کرنے والا پارٹنر۔ وعدہ نبھانے والا دوست۔''
مگر اس کا دل جس کا اعتبار ڈانوڈول تھا، اس پر اب کیسے بھروسا کرتا۔
''ربش..... یہ پھر مجھ سے جھوٹ بول رہا ہے۔ بے وقوف بنا رہا ہے۔ وہ یہیں کہیں چھپ کر میری بے بسی کا تماشا دیکھ رہا ہے، وہ گھر آکر مجھ سے ملے گا۔ اس میں اتنی ہمت ہوتی تو کیا پہلے نہ آجاتا۔ جب میں اس کی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

منّت کر رہی تھی۔'' اسے بہت بہت غصہ آ رہا تھا، مگر وہ یہاں کھڑے رہ کر غصہ کھانے کے علاوہ اور کیا کر سکتی تھی۔ زینب کی مسلسل کالز نے اسے واپس جانے پر مجبور کر دیا مگر اس کے دل نے موحد کو یہ آخری موقع دیا تھا..... اس کے بعد.....

☆☆☆

موحد، حیدر اور بلال سے مل کر کچھ خوش کچھ حیران بھی ہوا اور سب سے بڑھ کر ایما کو صحیح سلامت دیکھ کر اسے بے تحاشا انرجی سی ملی۔

وہ کتنی دیر بہن کو ساتھ لگائے کھڑا اس کے ہونے کو محسوس کرتا رہا۔

''بہت شکریہ انکل آپ کا۔ میں ایک دم سے جتنا پریشان ہو گیا تھا، اپنی بہن کے لیے۔ میں بتا نہیں سکتا تھا۔'' وہ بہت جذباتی ہو رہا تھا۔

''انکل کا نہیں بھائی! ثمینہ آنٹی کو تھینکس بولیں، جنہوں نے مجھے اپنی گاڑی میں لفٹ دی اور مجھے بچایا ورنہ شاید میں مر ہی جاتی۔'' وہ فوراً موحد کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔

''میری گڑیا۔ اللہ نہ کرے تمہیں کبھی کچھ ہو۔'' وہ بے اختیار اسے پیار کر کے بولا۔

اور اس سارے میں اس نے نوٹ نہیں کیا۔ بلال اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا اور باہر جاتے جاتے اس نے جس نفرت سے موحد کو دیکھا تھا، حیدر نے فوراً نوٹ کر لیا تھا کہ کچھ ہے۔ بلال اور موحد کے بیچ جو حیدر کو پتا نہیں۔

''بیٹا! میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی، معاف کرنا۔ بے شک تم اس کے بھائی ہو لیکن بچی کو اس کو والدین تک پہنچانا میرا فرض ہے۔ ایمان کو میں اور تمہارے انکل ساتھ چھوڑنے جانا چاہتے ہیں، اف یو ڈونٹ مائنڈ۔''

ثمینہ کی انوکھی فرمائش پر ایما کے ساتھ موحد نے بھی چونک کر دیکھا اور حیدر اس کی فرمائش کے پیچھے چھپے ارادے کو سمجھ کر کوفت سے سر ہلا کر رہ گیا۔

''ثمینہ! کیا ضرورت ہے، جب بچی کا بھائی آ گیا ہے۔ وہ اسے لے جائے گا خود ہی۔'' وہ دبے لہجے میں فہمائش انداز میں بولا۔

مگر ثمینہ کے دل میں جو سما جائے اسے کون نکال سکتا تھا۔

''کوئی بات نہیں انکل! اگر آنٹی جانا چاہتی ہیں۔ ان کی تسلی ہوتی ہے اس بات سے، کوئی مسئلہ نہیں آپ دونوں بھی ہمارے ساتھ چلیں۔'' موحد خوش دلی سے بولا۔

''بلال کو بھی لے لیں نا ساتھ۔'' ایمان چہک کر باہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی جس پر موحد لمحہ بھر کو چپ کر گیا۔

''نہیں بیٹا! بلال کی طبیعت اچھی نہیں، ٹمپریچر ہے اسے۔ ریسٹ کرنا ہے، زیادہ بہتر تھا ثمینہ! یہ لوگ خود چلے جاتے۔'' حیدر نے آخری کوشش کے طور پر کہا۔

مگر ثمینہ اس کی بات سننے سے قبل ہی باہر جا چکی تھیں، وہ گہرا سانس لے کر انہیں چلنے کا اشارہ کرتا ان کے ساتھ باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''تم نے یہ سب مجھے کیوں نہیں بتایا۔'' وہ آج بھی نیند آنے کا بہانا کر کے جلدی بستر پر آ لیٹی تھی۔

زینب تھوڑی دیر بعد اس کے ساتھ آ کر لیٹ گئی۔

''کیا بتاتی میں، مجھے خود پتا نہیں تھا۔'' وہ اندھیری دیوار کی طرف کروٹ لیے بے تاثر لہجے میں بولی۔

''کیا نہیں پتا تھا تمہیں؟'' زینب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف موڑنا چاہا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''آپ مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھیں، جلد سے جلد کہیں بھی میرا رشتہ کر کے۔'' وہ آنسوؤں کا پھندا گلے میں روک کر شکایتی لہجے میں بولی۔

''ایسا نہیں تھا کشف۔'' زینب کو شرمندگی سی محسوس ہوئی۔

کشف نے زینب کو مزید جھٹلانا بیکار سمجھا، اس کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ زینب کو سب کچھ بتا دے، سارا کچھ۔ ابھی اسی وقت۔

لیکن اگر آنی کا دل اچانک یہ اتنا بڑا انکشاف نہ سہہ پاتا تو.....'' وہ رک گئی۔

''اسی لیے بلال تم سے جھگڑ رہا تھا، جب اس نے تمہیں موحد کے ساتھ دیکھا تھا اور موحد کی وجہ سے تم نے بلال کو ٹھکرا دیا۔'' زینب جیسے کڑی سے کڑی جوڑ رہی تھی۔

''ثمینہ آنٹی نے جو بکواس کی، اس کے بعد مجھے بلال سے کوئی تعلق نہیں رکھنا تھا آنی! دوستی کا بھی نہیں۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''کسی برے انسان کی ضد میں آ کر اپنے اچھے دوستوں کو تو نہیں کھو دیا کرتے کشف۔'' زینب کی نظروں میں بلال کا دکھی جذباتی چہرہ آیا تھا۔

''جب آپ کی ذات، آپ کا کردار اس دوستی کی بھینٹ چڑھنے لگے آنی! تو پھر ہر چیز قربان کر دینی چاہیے۔'' زینب کچھ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

اسے پتا بھی نہیں چلا کب کشف بالکل زینب کا عکس بنتی چلی گئی تھی۔

''ہوں، ٹھیک کہا تم نے۔'' وہ اس کی بات سمجھ گئی تھی۔

''تم نے موحد کو رنگ واپس کر دی؟'' کچھ دیر بعد وہ اصل بات پر آ گئی۔

''نہیں۔'' کشف کا لہجہ کمزور تھا۔

''تم وہ واپس کرنے گئی تھیں نا کشف۔'' زینب سختی سے بولی۔

''وہ کلینک پر نہیں تھے اور نہ ہی گھر پر۔'' وہ اٹک اٹک کر وضاحت دینے لگی۔

''تم موحد کے گھر گئی تھیں، تمہیں اس کے گھر کا کیسے پتا۔ کیا تم پہلے بھی اس کے گھر جاتی رہی ہو۔'' زینب کو جیسے کرنٹ سا لگا، وہ لیٹے سے ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''نن.....نہیں..... پہلے کبھی نہیں گئی۔ انہوں نے بتا رکھا تھا کہ ان کا اپارٹمنٹ کہاں ہے تو میں اندازے سے.....''

اندھیرے میں بھی زینب کی تیز نظریں اس کے اندر کھبی جا رہی تھیں۔

''تم ابھی بھی جھوٹ بول رہی ہو نا کشف۔''

زینب کا لہجہ بے یقین تھا۔

''نہیں آنی! میرا یقین کریں اور کل میں وہ رنگ.....'' وہ جلدی جلدی بولنے لگی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے اب۔'' زینب رکھائی سے بولی۔

''میں نے تمہارے بیگ سے وہ رنگ نکال لی ہے، اب میں خود موحد کو واپس کروں گی۔ تم اب اس کے بارے میں سوچنا بند کر دو۔ تمہاری کل مدثر کے ساتھ منگنی ہے، اب تم صرف اس کے بارے میں سوچو۔'' زینب سختی سے اس کو حکمیہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''کسی کے بارے میں سوچنا بند کرنا اور کسی اور کے بارے میں سوچنا شروع کر دینا آنی! کیا انسان کے اپنے بس میں ہوتا ہے۔'' وہ انتہائی دکھی لہجے میں پوچھ رہی تھی، زینب کا دل تڑپ کر رہ گیا۔

''کشف میری جان! اب دیر ہو گئی ہے۔ میں مدثر کے لیے زبان دے چکی ہوں۔ کل سے تمہاری زندگی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بالکل بدلنے والی ہے۔ کسی اور شخص کے نام سے جڑنے جا رہا ہے تمہارا نام۔ پلیز اب میری لاج، میرا مان رکھ لینا کشف!'' زینب نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو کشف دھک سے رہ گئی۔

☆☆☆

منصور کے لیے ایمان کا موحد کے ساتھ آنا بالکل غیر یقینی سا تھا۔ وہ ابھی ذرا دیر پہلے سارے میں ایمان کو تلاش کر کے آیا تھا۔ ہوٹل بھی گیا تھا اور پولیس اسٹیشن بھی۔

اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ ایمان کو موحد لے کر آئے گا اور ان کے ساتھ ثمینہ اور حیدر.....

ثمینہ کو تو وہ نہیں جانتا تھا لیکن حیدر کو پہلی نظر میں وہ پہچان نہیں پایا۔ سونیا کے تعارف کرانے پر وہ دونوں ہی اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گئے۔

''زینب کے خالہ زاد ہیں، حیدر بھائی۔ یاد ہے نا آپ کو۔ زینب کی خالہ تھیں صالحہ، ان ہی کے بیٹے ہیں یہ۔''

سونیا نے تفصیل بتائی تو ثمینہ جیسے کھل اٹھی۔

''تو گویا ہم رشتہ دار ہیں منصور بھائی! تب ہی تو یہ بچی ایما مجھے بالکل اپنی اپنی سی لگی تھی۔'' ثمینہ کی خوش اخلاقی پر حیدر صرف ہلکا سا مسکرا کر رہ گیا، لیکن منصور اور دوسرے کچھ متاثر نظر آئے۔

''ایما..... کہاں تھیں تم۔ میں تمہیں کب سے آوازیں دے رہی تھی۔'' زریں کچھ بکھرے حلیے میں نیند سے اٹھ کر سیدھی یہیں آ گئی تھی اور اسے ابھی تک ایما کی گمشدگی کا پتا نہیں تھا۔

''ماما! میں یہیں تھی آپ کے پاس۔'' وہ ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔ مگر زریں کی نظریں تو موحد پر ٹکی تھیں۔

وہ ایما کا بازو ہٹا کر سحر زدہ سی آگے بڑھ کر موحد کے پاس آ گئی۔

''تم آ گئے موحد! ہمیں لینے کے لیے آئے ہو ناں۔'' وہ پیاسی نظروں سے موحد کو دیکھتی جا رہی تھی۔

''اچھا، تو یہ لڑکا ہے تمہاری ... بیوی کا۔ اس کے پہلے شوہر سے ہے نا۔'' طاہرہ بیگم اسی وقت اندر آئی تھیں۔ زریں کو موحد کے بارے میں کہتے سن کر وہیں آ گئیں۔

''جی خالہ۔'' منصور کچھ محتاط انداز میں بولا۔

سونیا کی طرح اگر انہوں نے بھی سنانا شروع کر دیا تو..... اس نے کن اکھیوں سے حیدر کی طرف دیکھا جو کھڑا ہو گیا تھا۔

''اجازت دیں منصور صاحب! کافی ٹائم ہو گیا ہے۔ ہمیں بھی اب چلنا چاہیے۔'' کہتے ہوئے اس نے ثمینہ کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا جو بے تکلفی سے بیٹھی ہوئی تھی۔

''ارے ایسے کیسے بھائی! آپ کھانا کھا کر جائیں گے۔ ہماری بھتیجی کو سلامتی کے ساتھ لے کر آئے ہیں آپ۔'' سونیا کی اس محبت پر طاہرہ نے کچھ ناگواری سے اسے دیکھا۔

''بہت شکریہ سونیا بہن! پھر سہی۔ اب اجازت دیں۔'' حیدر متانت سے انکار کرتے ہوئے چلنے کو تیار تھا۔

''کل میری ردا کی مہندی اور پرسوں رخصتی ہے، اگرچہ یہ طریقہ نہیں ہے، انوائٹ کرنے کا لیکن ٹائم نہیں ہے اتنا کہ میں گھر آ کر آپ کو انویٹیشن کارڈ دیتی۔ آپ اور بھابی ضرور آئیے گا شادی میں۔'' سونیا کی خوشی جیسے سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔

''جی حیدر بھائی کوشش کیجیے گا۔'' آزر کو بھی مروتاً بولنا پڑا ورنہ وہ اس سارے ہنگامے کے بیچ خاموش ہی رہا تھا۔

''کیوں نہیں ہم ضرور آئیں گے، اب تو ایسا وقت آ گیا ہے کہ دور کیا قریب کے رشتوں میں بھی جان پہچان، ملنا جلنا کم ہو گیا ہے اور بیٹی کی شادی کی بہت مبارک ہو سونیا بہن! ان شاء اللہ میں اور حیدر کل نہیں تو

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

پرسوں شادی میں ضرور آئیں گے بلکہ اپنے بیٹے بلال کو بھی لائیں گے۔'' ثمینہ نے سرشاری سے کہتے ہوئے ایمان کو ایک نظر دیکھا تھا، جواب ردا اور رمشا کے ساتھ مصروف تھی۔

''ہماری عزت افزائی ہوگی، آپ کے آنے سے۔'' آزر سونیا کی طرف دیکھ کر بولا تھا۔

وہ دونوں اجازت لے کر نکلے تو موحد بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''میں بھی چلتا ہوں اب مما! ایک ضروری کام سے جانا ہے مجھے۔'' وہ زریں کے پاس آ کر اجازت لیتے ہوئے بولا۔

''یہ کیا بات ہوئی منصور بھائی کے حوالے سے تم بھتیجے ہو میرے، کھانا کھائے بغیر جاؤ گے بھلا۔'' سونیا زور دکر بولی۔

''معاف کیجیے گا، میرا کسی کے حوالے سے بھی کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے، سوائے اپنی ماں اور بہن کے..... اور کھانے کی دعوت کے لیے شکریہ۔ میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔'' اس کے لہجے میں توہین بھرا انکار تھا۔ منصور کا چہرہ ناگواری سے سرخ ہو گیا۔

''چلتا ہوں میں۔ خدا حافظ۔'' کسی کی بھی طرف دیکھے بغیر وہ ایما کی طرف دیکھتا باہر نکل گیا۔

زریں تیزی سے اس کے پیچھے باہر نکل گئی۔

''بہت عجیب سا رویہ نہیں تھا، آپ کے بیٹے کا منصور بھائی!'' آزر کا لہجہ تپانے والا تھا۔

''وہ ابھی تو علی الاعلان کہہ کر گیا ہے، اس کا منصور سے کوئی تعلق نہیں ہے اور میں بتاؤں یہ جو عورت کے پہلے شوہر کی اولاد ہوتی ہے اس پر بھلے سب کچھ لٹا دو، تب بھی نہیں بنتی سوتیلے ماں باپ کی۔ شکل سے ہی اتنا نخریلا ہے توبہ توبہ۔ کیسے گھمنڈ سے کھانے سے بھی انکار کر گیا اور سونیا! تمہیں کیا ضرورت تھی، اس نک چڑھے کے آگے اتنا بچھنے کی۔'' طاہرہ کو بڑے دنوں بعد سونیا کی کلاس لینے کا موقع ہاتھ آیا تھا تو کیوں جانے دیتیں۔

''دادو! آپ ہماری کزن سے تو ملیں یہ کتنی پیاری ہے۔'' رمشا ایمان کا ہاتھ پکڑ کر دادی کا دھیان بٹانے کو ان کے پاس لے آئی۔ طاہرہ بادل ناخواستہ ایمان سے ملنے لگیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆☆☆

''موحد!'' زریں اس کے پیچھے بے قراری آئی تھی۔

وہ کوفت سے رک گیا۔

''میں کچھ دنوں میں یہاں سے جا رہا ہوں۔'' وہ اس کے قریب آنے پر اطلاع دینے والے انداز میں بولا تو زریں ان ہی قدموں پر ساکت کھڑی رہ گئی۔

''ہم یہاں آ گئے ہیں تو تم اس لیے یہاں سے جانا چاہ رہے ہو۔'' وہ دکھی لہجے میں بولی۔

وہ جواب میں صرف کندھے اچکا کر رہ گیا۔

''تمہاری نفرت کب کم ہوگی موحد؟'' وہ گھٹی آواز میں بولی۔

''میرے مرنے کے بعد شاید۔'' وہ سنگ دلی سے بولا۔

''اللہ نہ کرے۔ میری عمر بھی تمہیں لگ جائے موحد! میں بہت اکیلی پڑ گئی تھی تمہارے باپ کے بعد، اس لیے میں نے منصور سے شادی کی۔ تم میری یہ غلطی کبھی معاف کرو گے یا نہیں۔'' وہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر رونے لگی۔

مہندی کے فنکشن کے لیے لان میں جلتی بجھتی لائٹوں کا عکس زریں کے بیمار چہرے پر پڑتا اسے مزید بیمار ظاہر کر رہا تھا۔

''کبھی نہیں۔'' وہ سختی سے کہہ کر اس کی اگلی بات سنے بغیر تیز تیز چلتا باہر نکل گیا۔ زریں اسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

صبح سے دوپہر ہونے کو آئی تھی۔ زینب نے پورے گھر کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔
صبح فجر کے بعد جو وہ صفائی میں جتی اور پھر محلے سے ایک دو کام والیاں بلا کر اس نے صفائی کھانا پکانا، آرائش شروع کی تو اب ظہر کا وقت بھی نکلنے کو تھا جب اس نے جلدی جلدی عجلت بھری نماز پڑھی۔
کشف اس سارے کے دوران کسی سنگی مجسمے کی طرح اپنے کمرے میں پلنگ پر بیٹھی کمرے کے کھلے دروازے سے نظر آنے والی ساری ہلچل کو بغیر کسی تاثر کے دیکھتی رہی۔
موحد نے ایک بار پھر اسے بے وقوف بنایا تھا، اس نے پھر اس سے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔
وہ کچھ بھی وضاحت دینے کے لیے یہاں نہیں آیا تھا۔
کشف نے اسے دو تین بار کال کی جس پر اس نے فون سننا بھی گوارا نہیں کیا۔
اس نے میسج کیا تو جواب ملا وہ شہر سے باہر کسی ضروری کام سے گیا ہے۔
یعنی اب جو بھی طوفان آنا تھا، اسے کشف کے اکیلے وجود کے اوپر سے ہی گزرنا تھا۔
اس طوفان کے بعد کچھ بچتا یا نہیں، کشف کے دل میں موحد کے لیے صرف نفرت بچی تھی۔
عصر کے بعد فنکشن تھا۔
یعنی اس کے پاس بمشکل دو تین گھنٹے بچے تھے کچھ بھی کرنے کے لیے یا تو وہ زینب کو سب کچھ سچ سچ بتا دیتی.....
یا کہیں سے موحد کو ڈھونڈ کر لاتی۔
اور آخری راستہ وہ زہر کھا کر اپنی جان لے لیتی۔
ان سب میں سے کوئی بھی راستہ آسان یا قابل عمل نہیں تھا۔ اس کا دل نیچے ہی نیچے بیٹھتا جا رہا تھا۔
زینب نے صبح جو اس کے لیے ناشتا بھجوایا، وہ بھی اسی طرح پڑا تھا، حتیٰ کہ اس نے چائے بھی نہیں پی تھی۔
اس کا کچھ بھی کھانے پینے یا کرنے کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔
جبکہ زینب ابھی کمرے سے باہر گزرتے ہوئے اسے شاور لینے کا کہہ گئی تھی۔
گویا وقت نزع قریب آ گیا تھا۔
بے بسی سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ آنکھیں زور سے رگڑ کر اکڑے جسم کو سیدھا کرتی بمشکل کھڑی ہوئی۔
''اب کچھ بھی ہو جائے مجھے ان کو سب کچھ بتانا ہوگا۔'' وہ فیصلہ کر کے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

وہ کیا چاہ رہا ہے، بہت سوچنے پر اسے خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
شہر سے باہر ویران دھول اڑاتے رستے پر وہ جانے کب سے اکیلا بیٹھا تھا۔
ایک جی میں آئی بھاگ کر جائے اور کشف کو اپنے ساتھ لے کر اس دنیا کے اس آخری کونے میں چلا جائے جہاں ان دونوں کے سوا اور ان کی محبت کے علاوہ کوئی بھی نہ ہو۔
دوسرے لمحے اس خیال سے اس کا دل جیسے دہکتا انگارہ بن جاتا کہ اس نے یہ نکاح کس ''مقصد'' کے لیے کیا تھا۔ کیا وہ اس مقصد کو بھولنے جا رہا ہے۔
اور جب اس ''مقصد'' پر عمل کرنے کا سوچتا تو اسے خود سے گھن آنے لگی۔
''صرف ایک شخص سے نفرت اور انتقام کی خاطر میں نے اپنی زندگی کتنی قابل رحم، کتنی قابل نفرت بنا دی ہے۔ پھر بھی میری یہ آگ ٹھنڈی کیوں نہیں ہو رہی۔'' اس نے ایک طرف پڑے بڑے بڑے پتھر پیر کی ٹھوکر سے اچھالنے سے شروع کر دیے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''کچھ بھی ہے، مجھے ابھی جا کر آنی سے سب کچھ کہہ دینا چاہیے۔ اپنے اور کشف کے رشتے کے بارے میں۔ بس بہت ہوگئی۔'' وہ غصے میں اٹھ کر گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔

☆☆☆

''چلو ناں سونیا! اب اور کس بات کی دیر ہے۔'' منصور کے انداز میں عجیب سی بے چینی عیاں تھی۔

گھر میں مہندی کے فنکشن کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

سونیا کو کرنے والے بہت سے کام تھے مگر منصور کو زینب کی طرف جانا تھا اور سونیا کو بھی لگا یہی وقت مناسب ہے کہ منصور کے بہانے سہی وہ بھی جا کر زینب کی ناراضی دور کر آئے۔

وہ منصور سے ہامی بھر کر پھنس گئی تھی۔

گھر کے کام اسے چھوڑ نہیں رہے تھے۔ کبھی آزر بلاتے تو کبھی طاہرہ بیگم اور دوسری طرف منصور اسے بار بار بلانے جا رہا تھا۔

''رمشا! میری بیٹی، مجھے بہت ضروری جانا ہے ماموں کے ساتھ کام سے۔ اب پاپا یا دادی بلائیں تو تم سنبھال لینا۔ میں گھنٹے بھر میں واپس آ جاؤں گی۔ دیکھ لو گی نا سب؟'' آخر میں اسے رمشا سے کہہ کر نکلنا پڑا۔

''ڈونٹ وری مما! میں سنبھال لوں گی سب۔ آپ جائیں ماموں کے ساتھ۔'' رمشا سمجھ داری سے ماں کی فکر دور کرتے ہوئے ہامی بھر کر بولی تو سونیا مطمئن ہو کر دوپٹا ٹھیک کرتی باہر گاڑی میں بیٹھے منصور کی طرف بڑھ گئی۔

''بھائی! ذرا یہاں گاڑی ایک طرف کر کے روکنا، مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ راستے میں تھے۔ جب سونیا نے گاڑی ایک طرف رکوالی۔ منصور الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کشف زینب کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی۔

وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

صالحہ بھی وہیں بیٹھی پاس رکھے کپڑے ٹھیک کر رہی تھیں۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو فرح!'' زینب کی پریشان آواز پر دونوں چونکیں۔

''اوہ، میرے اللہ..... کب.....'' زینب کے منہ سے نکلا۔

''کیا ہوا زینب! سب خیریت تو ہے نا۔ کس کا فون ہے۔'' صالحہ پریشان ہو کر رہ گئیں۔

زینب نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بولنے سے منع کیا۔

''تو ٹھیک ہے، میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ ابھی۔'' زینب کے چہرے پر گہری فکر تھی۔

''کیا؟'' دوسرے لمحے اس کا چہرہ مرجھا سا گیا۔

''ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔'' کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ اور نڈھال سی کرسی پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا..... کچھ بتاؤ تو..... کس کا فون تھا۔'' صالحہ بے قراری سے بولیں۔

''کشف! پانی دے ماں کو..... کیسی پیلی رنگت ہوگئی اس کی ایک دم سے۔''

زینب آدھا گلاس پانی کا پی کر بولنے کے قابل ہوئی۔

''مدثر کا ابھی تھوڑی دیر پہلے بہت بُرا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ گاڑی تباہ ہوگئی اور مدثر کی حالت بھی اچھی نہیں۔ فرح کا فون تھا۔'' کہہ کر زینب جیسے ضبط کھو کر رونے لگی۔

اور کشف کو لگا جیسے کوئی بہت بڑا پہاڑ اس کے سر سے سرک گیا ہو۔ اس کا سینے میں رکا ہوا گھٹا ہوا سانس اور

روانی سے آنے لگا تھا۔
صالحہ اور زینب ایک دوسرے کو تسلی دے رہی تھیں اور کشف عجیب سکون کی حالت میں انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

☆☆☆

زینب نے ہی دروازہ کھولا تھا۔ ابھی بھی اس کا دل قابو میں نہیں تھا۔ اتنی بڑی بدشگونی ہوگئی تھی۔
کشف کی کھلتی قسمت کو جیسے کسی کی نظر لگ گئی ہو۔ وہ حقیقتاً بہت پریشان ہوگئی تھی جبکہ مدثر کی بہن نے اسے یا کسی کو بھی ہاسپٹل آنے سے روک دیا تھا۔
ان ہی سوچوں میں الجھے اس نے دروازہ کھولا اور سامنے کھڑے منصور کو دیکھ کر لمحہ بھر کو ساکت سی رہ گئی۔
دوسرے ہی پل وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔
''جی فرمایئے۔'' وہ کھردرے لہجے میں پوچھ رہی تھی، جیسے دونوں میں کبھی کوئی جان پہچان بھی نہ رہی ہو۔
''زینب! یہ منصور بھائی ہیں۔ تم نے پہچانا نہیں۔'' سونیا چہکنے والے انداز میں کہتی سامنے آ گئی تھی۔
زینب کا چہرہ اسی طرح تناؤ بھرا تھا۔
''آنی! کون آیا ہے باہر دروازے پر۔'' وہ انہیں لے کر صحن میں پہنچی تھی جب کشف کچن سے نکلتے ہوئے بولی۔
سونیا کے ساتھ منصور کو دیکھ کر وہ ٹھٹکی تھی۔
زینب نے ایک گہری نظر منصور پر ڈالی۔
''یہ بھائی ہیں میرے کشف! تمہارے بابا میر منصور۔'' تعارف کا فریضہ بھی سونیا کو نبھانا پڑا اور اس نے آگے بڑھ کر یوں گلے سے لگایا، جیسے ان میں کبھی کوئی رنجش آئی ہی نہ ہو۔
کشف جیسے سونیا کی لگاوٹ کو محسوس کر ہی نہیں رہی تھی۔ وہ یک ٹک منصور کو دیکھے جا رہی تھی۔
''بابا!'' اس کے لب کپکپائے۔
زینب کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔
''آپ میرے بابا ہیں نا۔ آپ ہی ہیں ناں۔'' منصور کے پاس آ کر وہ بے خود سی بول رہی تھی۔
منصور بھی نظریں جمائے اسے دیکھ جا رہا تھا۔
''اتنے سارے سال آ گئے بیچ میں، ہماری کشف نے کب باپ کو دیکھا۔ کیسی مجبوریاں تھیں منصور بھائی، جو انسان چاہ کر بھی اپنوں سے نہیں مل پاتا۔''
سونیا نے آنکھیں صاف کیں تو زینب کی آنکھوں میں بھی نمی آ گئی۔ منصور نے آہستہ سے کشف کے سر پر ہاتھ رکھا۔
اس کا ہاتھ کپکپا رہا تھا۔
اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔
''میری بیٹی کشف!'' وہ بے اختیار اس کے سینے سے لگ گئی۔
''معاف کر دو تم بھی زینب، بھائی کو۔ بے شک ان کی طرف سے بہت زیادتی ہوئی ہے لیکن کشف کو تو باپ کی ضرورت ہے ناں۔'' سونیا کے کہنے پر زینب نے منصور کے گلے لگی کشف کو دیکھا۔
''کون آیا ہے باہر زینب؟'' اندر سے صالحہ کی آواز آئی تھی۔
''جی خالہ! آ رہی ہوں۔'' زینب آواز لگا کر ان کی تسلی کراتے ہوئے بولی۔ ''آ جائیں اندر۔''
منصور نے ایک نظر سونیا کو دیکھا جس نے اثبات میں سر ہلایا۔

☆☆

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

زرقا سکندر

# عید بکرا اور بکرا

روز روز شہر کی منڈیوں کے چکر کاٹنے اور کتنے ہی دن کی چھان پھٹک کے بعد میر ہاؤس کے مکین بھی بالآخر بکرا پسند کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ عثمان نے درجنوں بکروں کے ساتھ سیلفیاں لے ڈالیں، ان کی وڈیوز بنا بنا کر گھر والوں کو دکھانے کے جتن کر لیے مگر وہ تھے کہ کسی ایک کے لیے بھی راضی نہ ہوئے۔

یہ واحد بکرا تھا، جسے دیکھتے ہی ہر کسی نے بخوشی اپنی رضامندی دے دی اور یوں اتفاق رائے سے پسندیدگی کا تاج اس بکرے کے سر پہ رکھ دیا گیا۔

''سفید اور براؤن رنگ کی دھاریوں والا خوب صورت اور صحت مند سا بکرا جب گھر آیا تو شرما تا لجاتا پہلی نظر میں ہی سب کو بھا گیا۔

''واہ کیا کمال بکرا ہے۔'' دادا بھی عثمان کی پسند کی داد دیے بغیر نہ رہ پائے۔ آخر کو بکرے نے ان کی جانب سے کیے گئے تنقیدی معائنے کا کڑا امتحان امتیازی نمبروں سے جو پاس کر لیا تھا۔

''پینتیس سے کوئی چار کلو اوپر ہی ہوگا اس کا گوشت۔''

نظروں ہی نظروں میں بکرے کو تولتے ہوئے ابو نے پیار سے اس کے جسم پر ہاتھ پھیر کر جو اپنی رائے دینا چاہی تو وہ شرما کر فوراً ہی کچھ یوں پیچھے ہٹا کہ پاؤں میں بندھے گھنگھرو بجتے ہی چلے گئے۔

''دادا! آپ دیکھ لیجیے گا ان چند دنوں میں ہی اچھی خوراک کے ساتھ بہت ساری خاطر مدارت سے ہمارا بکرا اور بھی خوب صورت اور خاصا صحت مند ہو جائے گا۔''

''ان شاء اللہ۔'' عثمان نے پُر امید ہو کر گھر والوں کو بھی یقین دلایا تو جواباً انہوں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

☆☆☆

ٹھیک چھ دن بعد عید کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلتے ہی عثمان کا استقبال قصائیوں کے ایک غول نے کیا۔ جن میں سے منجھے ہوئے قصائی کا انتخاب گرچہ بکرا خریدنے سے بھی زیادہ مشکل کام تھا پھر بھی فوری طور پر سمجھ بوجھ سے کام لے کر ان میں سے شکل و صورت اور گفتگو میں نسبتاً معقول قصائی کو دیکھ کر پہلے تو اس سے بکرا کٹائی کے دام طے کیے۔ بعد ازاں اسے گھر لے آیا۔

''بیٹا جی! میرے خیال سے ہم نے بکرا ذبح کروانا ہے کوئی دنگل نہیں، جو بڑے جثے والے اس موٹے قصائی کو پکڑ لائے ہو۔''

اس کا ڈیل ڈول دیکھ کر جو قصائی کم اور پہلوان زیادہ لگ رہا تھا ابو نے گھبرا کر عثمان کو ایک طرف لے جا کر اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔

''نہیں ابو! یہ ایک ماہر قصائی ہے اور بتا رہا ہے کہ پھول نگر میں اپنی گوشت کی دکان ہے آپ بالکل بے فکر ہو جائیں میں دیکھ لوں گا اسے۔''

ابو کا شانہ تھپتھپا کر عثمان نے انہیں قائل کرنا چاہا۔ مگر وہ کسی طور مطمئن ہی نہیں ہو پا رہے تھے۔

''پھر بھی میرا خیال ہے۔ تھوڑا انتظار کر لینے

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

میں کوئی حرج نہیں ہمارا قصائی بھی آتا ہی ہوگا۔"

"کیا یہ اچھا نہیں ابو! کہ اس گرمی میں ہم لوگ صبح ہی صبح قربانی سے فارغ ہو جائیں گے۔ ہمارا قصائی نجانے کب آئے، پچھلی مرتبہ بھی۔ تو صبح آٹھ بجے آنے کا کہہ کر ایک بجا دیا تھا۔ آپ کو تو یاد ہی ہوگا اور یہاں ابھی اس کا دوسرا ساتھی بھی مدد کو پہنچ رہا ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹوں میں یہ لوگ گوشت بنا کر ہمارے حوالے کر دیں گے۔"

"اچھا ٹھیک ہے پھر جاؤ اور اللہ کا نام لے کر قربانی شروع کروا دو۔"

عثمان کی یقین دہانی پر مجبوراً ابو کو بھی راضی ہونا پڑا، ان کی طرف سے ہاں کا اشارہ ملتے ہی وہ فوراً قصائی کو لے کر پچھلے صحن میں چلا گیا جہاں بکرا بندھا تھا۔

قصائی کے تکبیر پڑھنے کی دیر تھی کہ گھر بھر میں ہلچل مچ گئی۔ امی اور دادی تو اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔ جب کہ دادا لگے بے چینی سے صحن میں چکر کاٹنے اور ٹی وی دیکھتے، ابو پر جابر سے۔

"بہت اچھے عاطف میاں! عید کے دن تو اسے بخش دو، اٹھو اور جا کر قصائی کو دیکھو۔ دھیان رہے کہ وہ بوٹی زیادہ بڑی نہ بنانے پائے اور ہاں چانپیں بالکل خراب نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک ایک بوٹی خود بتائے کہ وہ کسی ماہر قصائی کے ہاتھ سے نکلی ہے۔"

انہیں باہر بھیج کر دادا خود کچھ دیر کو کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

"آئے ہائے یہ کلیجی اندر کیوں لیے آ رہے ہو؟" کچن میں بیٹھی دادی نے ماتھا پیٹا۔

"کیوں دادی پکانی نہیں ہے کیا؟" کلیجی کی پرات اٹھائے عثمان پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے۔

"نہیں بالکل نہیں۔ ایسا کرو، اسے ابھی کے ابھی واپس لے کر قصائی سے اس کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنواؤ اور انہیں باقی گوشت میں ہی شامل کروا دینا۔ اس سے پہلے کہ تمہارے دادا دیکھ لیں پوچھیں بھی تو بے شک کہہ دینا قصائی کو یاد نہیں رہا کلیجی علیحدہ کرنا، پتا بھی ہے انہیں کہ یہ سب کھا کر ان کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے پھر بھی کس بے تابی سے بقر عید کا انتظار کیے جاتے ہیں۔"

"خبردار جو کسی نے کلیجی پر نگاہ غلط بھی ڈالی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" سرگوشی میں پوتے سے محو گفتگو دادی کی باتیں پیچھے کھڑے دادا کے کانوں میں پڑیں، وہ یکدم طیش میں آ گئے اور اپنی چھڑی کو ہی فرش پر ٹھوک ڈالا۔

عثمان نے تو فوراً پرات رکھ کر کھسکنے میں ہی عافیت جانی تو امی بھی لہسن پیاز کی ٹوکری اٹھائے باہر نکل گئیں۔

"و.....و.....وہ.....تو میں آپ کی صحت کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔"

شوہر کی اچانک آمد پر دادی بری طرح بوکھلا گئیں۔

"کیوں مجھے کیا ہوا؟ بھلا چنگا تو ہوں میں۔"

دادا نے فوراً ہی سینہ تان کر انہیں غصے سے آنکھیں دکھائیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"میں..... م..... میرا مطلب آپ کے کولیسٹرول سے....."

وہ منمنائیں مارے ڈر کے ان کی بات ہی آدھی رہ گئی۔

"مجھے آپ سے بالکل بھی ایسی امید نہ تھی جہاں آراء بیگم۔" دادا سچ میں آزردہ ہوئے۔

"آج اگر پورے سال بعد کلیجی کھانے کا موقع ملا ہے تو وہ بھی آپ سے برداشت نہیں۔ سارا سال زبان پر رکھ کے نہیں دیکھی۔ یہ کلیجی اور نمکین گوشت تو ویسے بھی عید کے عید ہی کھانے کو ملتے ہیں، بقر عید پر گوشت کھا کے ارمان نہیں نکالنے تو پھر کب نکالنے ہیں۔"

"یاد نہیں پچھلے سال کیسے عید کے اگلے روز ہی آپ کا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر کو بلانا پڑا تھا۔"

اپنے اندر ہمت جمع کر کے دادی نے انہیں یاد دلایا۔

"بہت خوب! میری طبیعت تو آپ کو یاد رہی بیگم! اور جو آپ نے ڈھیروں مسالوں سے بھرا کھانا کھلایا تھا۔ اس سے تو اچھا خاصا صحت مند بندہ بیمار پڑ جاتا میں تو پھر بھی بوڑھا ہوں۔"

گزشتہ عید پر ہونے والی خرابی صحت کا ملبہ بھی دادا نے ان کے سر پہ ہی ڈال دیا۔

"گوشت میں اگر مرچ مسالے درست تناسب سے ڈالے جائیں، تیل کی مقدار کم ہو تو کچھ نقصان نہیں دیتا۔"

عثمان! حبا کو بلاؤ۔" کسی کام سے اندر آتے عثمان کو دیکھ کر دادا نے حکم صادر کیا۔

"کلیجی آج وہی بنائے گی۔"

عثمان بے چارے کی ایک ٹانگ اندر تو دوسری گیٹ پر تھی، جہاں گوشت کے لیے لینے آنے والوں کی بھیڑ تھی جو مسلسل گیٹ بجا بجا کر اس سے گوشت کا تقاضا کیے جا رہے تھے۔

"ساری زندگی میرے ہاتھ کے پکے کھانے ہی کھاتے آئے ہیں اور آج لگے نقص نکالنے۔"

دادا کی باتیں گویا دادی کے دل پہ جا لگی تھیں۔

"بھول گئے وہ زمانے جب آپ کے بیس بیس دوستوں کی دعوت کا کھانا اکیلی میں اناڑی ہی بنایا کرتی تھی تب تو بڑے پل باندھے جاتے تھے میری تعریفوں کے۔"

وہ باقاعدہ خفا ہو چکی تھیں۔۔

"جی بالکل بہت اچھی طرح یاد ہے۔" وہ کھل کر ہنس دیے۔

"ہمیں تو یہ بھی یاد ہے کہ ایک زمانے میں آپ نمک کی جگہ چینی اور چینی کی جگہ نمک بھی تو ڈال دیا کرتی تھیں۔"

روٹھی روٹھی دادی کو دادا مزید بھڑکانے پر تلے ہوئے تھے۔

"عید کا دن ہے اب کیا کہوں آپ کو۔"

تند نظروں سے انہیں دیکھتی وہ اٹھ کر چل دیں تو دادا بھی مسکراتے ہوئے ان کے پیچھے ہو لیے۔

☆☆☆

وہ اوپر اپنے کمرے میں بیٹھی اسوہ کے بال بنا رہی تھی جب ایک کی جگہ دو، دو سیڑھیاں پھلانگتا عثمان بھاگا چلا آیا۔

"حبا! ابھی اسی وقت میرے ساتھ چلو نیچے دادا بلا رہے ہیں، وہ آج تمہارے ہاتھ کی پکی ہوئی کلیجی کھائیں گے۔"

تقریباً ہانپتے ہوئے اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں اور اسوہ کو اٹھا کر چل دیا۔ تو حبا نے بھی دوپٹہ اٹھا کر اس کے پیچھے ہی دوڑ لگا دی۔

نیچے کچن میں اس کی ساس کلیجی کی بوٹیاں دھو کر چھلنی میں رکھ رہی تھیں اسے دیکھ کر بولیں۔

"میں اسوہ کو دیکھ لیتی ہوں بیٹا! تم کلیجی بنا لو، لہسن پیاز سب چھلا رکھا ہے۔"

"جی امی..... میں کر لیتی ہوں آپ جائیں۔"

ساس کو باہر بھیج کر وہ جلدی سے پیاز فرائی کرنے لگی۔ ابھی کلیجی بھن رہی تھی کہ دادا چلے آئے۔ دراصل وہ بھی اپنی طرف سے یہی تسلی کرنے آئے تھے کہ آیا کلیجی حبا ہی بنا رہی ہے یا کوئی اور.....

"حبا بیٹا! میں یہ کہنے آیا تھا کہ پھیپھڑے میں

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

نرخرے کی ہڈی ہوتی ہے ناں کرکری والی وہ ضرور ڈال لینا بے حد لذیذ بنتی ہے۔"

"جی دادا! میں نے شروع میں ہی ڈال دی تھی گلنے میں تھوڑا ٹائم جو لیتی ہے۔"

سعادت مندی سے انہیں جواب دیتی حبا تیزی سے دیگچی میں بھی چمچہ چلاتی جا رہی تھی۔ مگر اسے تاکید کو آئے دادا وہیں کرسی پر ہی براجمان ہو چکے تھے۔

ادھر قصائی کے پاس بیٹھے ابو سے مزید بیٹھا نہ گیا تو وہ بھی پانی پینے کے بہانے کچن میں آموجود ہوئے اور حبا سے کہنے لگے۔

"کلیجی بھون کر آخر میں یاد سے گرم مسالے کے ساتھ میتھی کا چھڑکاؤ....."

"جی ابو اچھا یاد دلایا آپ نے۔" جھٹ سے کیبنٹ کھول کر میتھی کا ڈبا نکالتی حبا نے سسر کو جواب دیا جو اس دوران اسٹول کھینچ کر دادا کے برابر ہی بیٹھ گئے تھے۔

☆☆☆

کلیجی بننے میں ٹائم ہی کتنا لگتا ہے۔ تیار کلیجی اب کچھ دیر کے لیے دم پہ رکھ دی گئی تھی۔ بزرگوں کے لیے تو چند لمحے بھی دوبھر ہو گئے۔

میتھی اور گرم مسالے کی ہوش ربا خوشبو قصائی کے پاس گوشت بنواتے عثمان کی ناک سے جو ٹکرائی وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے کچن کی طرف لپکا۔ جہاں حبا تیار کلیجی پلیٹ میں نکال رہی تھی۔

مزید انتظار محال تھا۔ اس لیے پلیٹ آگے آتے ہی دادا نے گرما گرم کلیجی اٹھا کر منہ میں رکھ لی اور اپنی زبان جلالی مگر پھر بھی بے اختیار کہہ اٹھے۔

"دیکھا میں نے کہا تھا ناں کہ مسالوں کا جو تناسب حبا بیٹی کو آتا ہے کسی اور کے بس کی بات نہیں۔"

"جی ابا! بالکل بجا فرما رہے ہیں آپ، ایسے عمدہ ذائقے والی کلیجی بنانا بھی کسی کسی کو آتا ہے۔ تو پھر کیا خیال ہے کہ آج نمکین گوشت بھی کیوں نہ حبا بیٹی سے ہی پکوایا جائے۔"

دادا کے بعد ابو نے بھی ایک ساتھ دو بوٹیاں کھاتے ہوئے نہ صرف ان کی ہاں میں ہاں ملائی بلکہ مشورہ بھی دے ڈالا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

پیچھے کھڑے عثمان نے ابھی اپنا ہاتھ پلیٹ کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ دادا نے اسے وہیں روک دیا۔

"جاؤ میاں! پہلے قصائی کو تو فارغ کر آؤ پھر سکون سے بیٹھ کے کھانا کہیں بھاگی نہیں جا رہی کلیجی۔"

دادا کا حکم تھا چاروناچار واپس پلٹا تو وہاں صورت حال ہی کچھ اور تھی۔ اس نے فوراً اپنی آنکھوں کو مسلا کہ شاید نظر کا دھوکا ہو۔ مگر یہ سچ تھا کہ قصائی اور گوشت دونوں ندارد..... باہر کا ادھ کھلا دروازہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

وہ تیزی سے نکل کر پیچھے گلی میں بھاگا۔ تنگ ہونے کی وجہ یہاں لوگوں کی آمد و رفت کم ہوتی تھی۔ دور تک سنسان گلی تھی۔

"اوہ میرے خدایہ کیا ہو گیا۔"

اس نے سر پیٹ لیا اور بھاگتا ہوا مین گیٹ کی طرف آیا مگر قصائی یہاں ہوتا تو نظر آتا۔ وہ تو موقع ہاتھ آتے ہی اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ گوشت موٹر سائیکل پر لاد کر کب کا رفو چکر ہو چکا تھا۔

عثمان پریشانی کے عالم میں کھڑا تھا کہ یک دم کوئی اسے گلے آ لگا۔

"عید مبارک بھائی جان! سیدھا آپ کی طرف ہی آ رہا ہوں۔ بڑے فون آ رہے تھے میرے واقف کاروں کے پر میں نے کہا پہلے جن کو زبان دی ہے ان کا بکرا ہی حلال ہوگا پھر کسی اور کا۔"

یہ ان کا پرانا قصائی تھا جو اس کے سامنے تھا۔ جب کہ ہونق کھڑا عثمان یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اب اندر جا کر کس طرح دادا اور ابو کو اس واردات کے بارے میں آگاہ کرے جو کلیجی کے بعد نمکین گوشت کھانے کی تیاری کر رہے تھے۔

☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

گُل ارباب

# سلیقہ بی بی

''شازیہ! یہ ہیں مسٹر شہریار ہمارے آفس کے سب سے قابل اور ذمہ دار ساتھی۔ ان کی وجہ سے کمپنی کو بہت فوائد حاصل ہوئے ہیں، اپنے کام کے ساتھ سچے اور مخلص انسان ہیں۔'' عارف درانی نے اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی اکلوتی بیٹی شازیہ درانی سے اسے متعارف کرایا۔ وہ واقعی شہریار کے کام اور مزاج سے بہت متاثر تھے۔

''اوہ ہیلو مسٹر شہریار! بہت اچھا لگا آپ سے مل

## ناولٹ

کر۔ پاپا آپ کی اتنی تعریف کررہے ہیں تو یقیناً آپ میں کوئی بڑی خوبی ہوگی۔ پاپا کے بزنس میں سینکڑوں کی تعداد میں ملازمین ہیں، لیکن انہوں نے کبھی کسی کی ایسے تعریف نہیں کی۔"

شہریار نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پروقار انداز میں قدرے جھک کر شکریہ ادا کیا۔ سلیقے سے بنے ہوئے بالوں اور اونچے لمبے قد کے ساتھ چہرے پر پھیلی شرافت اسے دوسروں سے ممتاز بنارہی تھی۔ وہ شہریار سے اس کے پراجیکٹ کے بارے میں سوال کرنے لگی تھی۔ شہریار نے اسے بڑی سنجیدگی سے تفصیلی جواب دیے تھے۔

"پاپا! مسٹر شہریار میرے ساتھ کام کریں گے۔ مجھے اپنے امریکہ والے آفس میں ایسا ہی بندہ چاہیے۔" اس نے شہریار کے جاتے ہی فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔

"شازوڈارلنگ۔ تم غصے کی تیز ہو، منٹوں میں بندے کو دو ٹکے کا کردیتی ہو اس لیے پہلے سے بتارہا ہوں کہ شہریار اچھے خاندان کا فرد ہے۔ میں نے اس

کے بارے میں ساری معلومات حاصل کی ہیں۔ جس کے مطابق اس کے باپ کی کافی زمینیں وغیرہ ہیں اور کام میں بھی کبھی بے ایمانی نہیں کی تو ایسا بندہ فضول کی ڈانٹ ڈپٹ نہیں سنتا، یہ یاد رکھنا۔'' وہ بیٹی کے مزاج سے واقف تھے، اس لیے شہریار کے جاتے ہی بیٹی سے کہا۔

''بندہ تو ٹھیک ٹھاک لگ رہا ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے، پاپا کی خواہش پوری کرنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔'' وہ پرسوچ انداز میں باپ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرادی۔

☆☆☆

''یار! چھٹی کے دن تو روزانہ کے معمولات سے جان چھڑا لیا کرو، نہ خود سوتی ہو نہ مجھے چین سے سونے دیتی ہو۔''

جگنو نے کمرہ سمیٹنے کی کھٹ پٹ سے تنگ آتے ہوئے کمبل سرتک تان کر کہا تو صفائی سے فارغ ہو کر بالوں میں برش کرتے اس کے ہاتھ پل بھر کے لیے رکے۔

''جگنو بی بی! قصور تمہارا نہیں۔ قصور تمہارے اس نام کا ہے جو دن کو تمہیں بجھا دیتا ہے اور سرشام چمکا دیتا ہے۔ فطرت کے الٹ چلنے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ اٹھو نحوست کا گلا گھونٹو اور منہ ہاتھ دھو کر بال بناؤ۔ اچھا سا لباس زیب تن کرو بالوں میں پھولوں کا گجرا سجا کر چھٹی انجوائے کرو۔'' وہ الماری سے تیز رنگ کا سوٹ نکال کر ہاتھ میں پکڑے اس کے سر پر کھڑی تھی۔ وہ کمبل سے منہ نکال کر جلے بھنے انداز میں بولی۔

''ہاں ہاں ذرا سا اضافہ کر دو۔ ہلکا ہلکا میک اپ پھر گھنگھرو والا پراندہ، کلائیاں بھر بھر کانچ کی چوڑیاں، پاؤں میں..... میں چھم چھم ناچوں والی پائل اور گلے میں منکوں والی وہ مالا جو ہم دونوں کے لیے نوراں گاؤں کے میلے سے بڑی محبت سے خرید کر لائی تھی، پہن کر آس پڑوس کے بچوں کے لیے بندر کا تماشا بن جاتے ہیں۔'' وہ جگنو کی بات پر ہنس دی۔

''ذرا سلیقے طریقے سے رہنے میں کیا حرج ہے؟ حسین و رنگین، لباس سنورے ہوئے گیسو، سجا سجایا کمرہ روایتی انداز سے ہٹ کر سجی ہوئی ڈائننگ ٹیبل اور نت نئے کھانے۔ کتنا اچھا لگتا ہے نا؟'' وہ خوب صورت باکس سے سوٹ کی ہم رنگ چوڑیاں نکال کر پہنتے ہوئے بولی۔

''اللہ کو مانو بہن۔ سونے دو۔ انڈین سوپ کی ہیروئن بننے کا کوئی شوق نہیں ہے مجھے۔ پاؤ بھر کے سر پر دو من کا وہ جوڑا جس کے اندر شاید پلنگ کی چادر کا گولا رکھتے ہیں یا پھر گاؤ تکیہ۔ اور فل میک اپ سمیت کچن میں کھڑے ہو کر ایکسپریشن کے ساتھ کام کرنا۔ ایک بار دو چوڑیاں پہن کر میں نے آملیٹ بنایا تھا چولہے کی آنچ سے چوڑیاں تپ کر سیخیں بن گئی تھیں اور ایک دن تو امبریلا آستینوں نے آگ ہی پکڑ لی تھی۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ چکی تھی۔ بکھرے بالوں کو لپیٹ کر جوڑا بنایا اور بہن کی تیاری دیکھنے لگی۔

''میں جا رہی ہوں افغانی آملیٹ کے ساتھ دہی کے پکوڑے اور پشاوری قہوے کی چٹنی بنانے۔ بس منٹوں میں ناشتہ تمہارے سامنے ہوگا اور ایسا ناشتہ کہ جس کا نام بھی تم نے نہیں سنا ہوگا۔'' سلیقہ بڑی نفاست سے دوپٹے کا پلو ٹھیک کرتی باہر نکل گئی۔

''ہیں؟ دہی کے پکوڑے اور افغانی آملیٹ تو چلو پھر بھی ڈشز کے کچھ نامعقول مگر قابل قبول نام ہیں لیکن پشاوری قہوے کی چٹنی؟ توبہ توبہ۔''

وہ دونوں ہاتھوں سے کان پکڑ کر تصور ہی تصور میں پٹھانوں سے باقاعدہ معافی مانگ رہی تھی۔

☆☆☆

''میں نہیں جا رہی اندر کسی رشتے وشتے والی آنٹی کے لیے چائے کی ٹرے اٹھا کر۔'' وہ کچن کی شیلف پر چڑھ کر بیٹھ چکی تھی۔ ہاتھ میں پکڑے شامی کباب کو کیچپ کے پیالے میں یوں ڈبو کر منہ میں ڈالا جیسے آلو تو بیسن میں لت پت کر کے کڑاہی کو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سونپتے ہیں۔

"جگنو بی بی! اندر پانچ زنانیاں بیٹھی ہیں۔ فریزر میں کباب صرف پانچ ہی تھے ایک آپ نے کھالیا ہے تو باقی بچے چار۔ زنانیاں شکل سے ہی ندیدی لگ رہی ہیں یہ نہ ہو اندر چھینا چھپٹی شروع ہو جائے۔" اسے اپنے ہاتھ کے ذائقے پر غرور تھا۔

"نوراں! میرے دماغ میں ایک خیال آیا ہے۔" وہ جو اس کا منہ تکے جا رہی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اس کے صبیح چہرے کا اجالا دیکھنے لگی۔

سرخ قمیص اور بلیک ٹراؤزر کے ساتھ بغیر دوپٹے کے۔ ریشم کے لچھوں جیسے بھورے بالوں کی اونچی پونی بنائے وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ نوراں کو اس پر بے اختیار پیار آ گیا۔ اس نے دل ہی دل میں ماشاء اللہ کہہ کر چائے کیتلی میں ڈالتے ہوئے سوچا۔

"اگر لڑکا خود آ کر انہیں دیکھ لے تو فوری قبول ہے قبول ہے کہہ دے گا۔ لیکن یہ مائیں بہنیں نہ جانے کون سے سیارے کی مخلوق ڈھونڈنے نکلتی ہیں کہ ایسی ہیرے جیسی لڑکیاں بھی انہیں پسند نہیں آتیں؟"

مجھے لگتا ہے یہ آنٹیاں جو صبح آؤٹنگ کے لیے گھر سے نکلتی ہیں اور دن بھر خوب پروٹوکول کے ساتھ کھا پی کر شام کو گھر لوٹ جاتی ہیں۔ انہیں آنٹیاں نہیں آؤٹنگیاں کہنا چاہیے۔ بس انہیں یہ خبر مل جائے کہ کسی گھر میں بیٹی جوان ہے تو یہ دانت تیز کرنے لگتی ہیں۔ اس جوان بیٹی کے والدین کا خون پینے کے لیے۔" اس کی بات سن کر نوراں نے رونے والی شکل بنا کر بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"بی بی! آپ کو پتا ہے تو پھر ان ڈائنوں کو کیوں گھر میں گھسنے دیتی ہیں؟" جگنو کندھے اچکاتے ہوئے دزدیدہ نظروں سے باقی ماندہ کبابوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"لے لیں بی بی۔ میں اب ان چڑیلوں کے سامنے نہیں رکھتی۔ بڑی باجی نے پوچھا تو کہہ دوں گی کہ ختم ہو گئے ہیں۔" نوراں نے فوری تیور بدل لیے تھے۔

جگنو مزے سے کباب اور کیچپ کے ملاپ میں مگن ہو گئی۔ نوراں کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ یہ سب ڈراما کبابوں پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے تھا ورنہ وہ ان آنٹیوں شانٹیوں کو زیادہ سیریس نہیں لیتی تھی۔

"اچھا نوراں! یہ بتائیں کہ آپ کی شادی لو میرج تھی یا ارینج میرج؟" اس کا موڈ شاید گپ شپ کا تھا۔


خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
دستِ کوزہ گر
فوزیہ یاسمین

قیمت -/750 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021


Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''ایسا کریں بی بی آپ کافی بنائیں میں چائے رکھ کر آتی ہوں اور اس سوال کا جواب بھی دیتی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی زنانیاں کہیں دیر سویر ہونے کی وجہ سے کچن پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔'' وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

''ہاں تو جگنو بی بی۔ میری شادی ماں باپ کی مرضی سے ہوئی تھی کیونکہ ہمارے ہاں شادی سے پہلے محبت نہیں ہوتی بلکہ شادی کے بعد بھی کرائی جاتی ہے۔ اب آپ پوچھو گی کہ بھلا محبت کیسے زبردستی کرائی جاسکتی ہے؟'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

نکاح کے بعد دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگتے ہیں خدا کرے فلاں کو دلہن پسند آجائے اسی طرح دلہن کے گھر والے بھی یہ ہی دعائیں مانگتے ہیں کہ بیٹیا داماد کو پسند کرلیں کیونکہ دونوں نے ایک دوسرے کو پہلے سے دیکھا تو نہیں ہوتا نا۔''

''فرض کریں کہ دونوں کو ایک دوسرے کی شکلیں پسند نہ آئیں تو؟''

''دونوں کو ایک دوسرے کی شکلیں پسند نہ بھی آئیں تب بھی خود کو سمجھاتے ہوئے کہ ''چلو ذرا سی سانولی ہے تو کیا گوری ہوتی تو نخرے بھی بہت ہوتے۔ ارے تھوڑی موٹی ہے تو کام کرکر کے پتلی ہوجائے گی یہ جانے بغیر کہ سب سے بڑا شاک تو ان کی موٹی توند نے دلہن کو دیا ہے۔ دلہن بے چاری سوچتی ہے۔

''چلو توند تو سونف اجوائن کے قہوے میں لیموں ملا کر پلانے سے ختم نہ بھی ہوئی تو کچھ گھٹ ہی جائے گی لیکن ان کے باہر کو نکلے دانتوں کو تو ہتھوڑی سے بھی ٹھوکا تب بھی اندر نہیں جانے والے۔ ہتھوڑی مل جائے تو کام بن سکتا ہے لیکن نہ بھی ملے تو اتنا تو ہے کہ غصے میں بھی ہوں تو ہنستے ہوئے لگیں گے۔

اور وہ بے خیالی میں سیج کے کاغذی پھولوں میں سے جھانک جھانک کر کمرے میں ہتھوڑی ڈھونڈنے لگتی ہے دولہا بے چارا یہ سمجھتا ہے کہ یہ دلہن کے شرمانے کی ادا ہے۔'' جگنو کی آنکھوں میں ہنستے ہنستے پانی آچکا تھا۔

''آگے بھی تو سنو۔ پھر دولہا دودھ کا گلاس ڈکارتے ہوئے ایک ڈکار مارتا ہے تب دلہن کو اپنائیت کا احساس اور اک مانوس پن نظر آتا ہے اس ڈکار میں کہ اللہ رکھے ابا جی بھی بالکل ایسے ہی پی کر ڈکار مارتے تھے۔

دلہن دودھ کا گلاس ہاتھ میں پکڑے سائیڈ ٹیبل پر پڑے مٹھائی کے ڈبے کی طرف دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتی ہے تو دولہا دل ہی دل میں ندیدی کہیں کی کہہ کر اسے گلاب جامن پکڑا دیتا ہے جس سے شیرہ ٹپک رہا ہوتا ہے۔

اور یوں محبت ہوجاتی ہے بعد میں دولہا دلہن نہ ماں باپ کو کوستے ہیں نہ بہن بھائیوں کو نہ ہی رشتہ کرانے والی خالہ کو۔ بلکہ کوستے ہیں تو اس مشہور حلوائی کو جس نے اتنے مزے کے گلاب جامن بنائے تھے کہ اس کا شیرہ بالکل محبت کے شیرے جیسا لگا۔'' ہنستے ہنستے جگنو پیٹ پکڑ کر دہری ہوگئی تھی۔ نوراں برتن دھو کر ترتیب سے رکھتے ہوئے بڑے مزے سے کہانی سنا رہی تھی۔

جگنو جانتی تھی کہ اسے ہنسانے کے لیے ہی و یہ ساری سچویشن بنا کر سنا رہی ہے۔ بچپن سے یہ ہی تو ہوتا آیا تھا۔ ادھر وہ یا پھر سلیقہ اداس ہوتی ادھر نوراں کی زبان پٹر پٹر چلنے لگتی۔

جگنو کو یوں ہنستے دیکھ کر نوراں نے بے اختیار دعا مانگی۔

''اللہ جی! میری دونوں بیبیوں کے نصیب اچھے کرنا۔ چلو ایک کی تو منگنی اپنی ہی خالہ کے گھر میں ہوچکی ہے لیکن میری جگنو بی بی پتا نہیں کیسے لوگوں میں جائے گی؟'' وہ اس گھر کے ہر فرد سے بہت محبت کرتی تھی۔ کیونکہ گھر والے تھے بھی محبت کے قابل۔

☆☆☆

''یہ..... یہ کیا ہے؟''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

جگنو کی آنکھیں سلیقہ کے ہاتھ میں پکڑے ملغوبے کو دیکھ کر پھیل سی گئی تھیں۔

''یہ میں نے فریج میں رکھے پچھلے ایک ہفتے کے سالن مکس کر کے گول ڈش میں سیٹ کر کے خوب دبایا اور چاولوں کا مزے دار سا گولہ بنالیا۔'' اس نے پرجوش انداز میں کہا تو جگنو بے اختیار ہنسی نہ روک سکی۔

''ہنس کیوں رہی ہو؟'' اس نے غصیلی نظروں سے جگنو کی طرف دیکھا۔

''ویسے سلیقہ بی بی! اس ڈش کا نام کچھ اور ہونا چاہیے جیسے کہ اردو میں ہیضہ یا انگریزی میں فوڈ پوائزنگ وغیرہ۔'' وہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے گھورنے لگی۔

''تمہارا مطلب کیا ہے جگنو کی بچی؟''

جگنو نے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے اطمینان سے بیٹھ کر کہا۔

''بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ دو تین ٹائم کے بچے ہوئے سالن ڈال کر چاول اور مونگ کی دال مکس کر کے جو چیز بنتی ہے اسے شعلہ کہتے ہیں۔ شعلے کو شعلہ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں تیز مرچیں اور دیگر مسالا جات شامل کیے جاتے ہیں جس کو کھانے کے بعد ناک اور کان سے مرچوں کا دھواں سا نکلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جسے بجھانے کے لیے آنکھیں فائر بریگیڈ کا کام شروع کر دیتی ہیں مطلب کانوں سے دھواں اور آنکھوں سے پانی شروع۔ لیکن اگر آٹھ دن کے بچے کھچے سالن مکس کر کے کچھ بھی بنا لو وہ معدے کا بیڑا غرق ہی تو کریں گے۔''

وہ جگنو کی تقریر کو ان سنی کرتے ہوئے جوش سے بولی۔

''یار شعلہ تو ہر کوئی بناتا ہے۔ میں بھی بنالیتی تو پھر سلیقہ میں اور عام لوگوں میں فرق کیا رہ جاتا؟'' وہ چمچہ بھر کر اس کے منہ میں رکھنے کے لیے آگے ہوئی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

چمچہ جلدی سے اپنے منہ میں رکھ کر سلیقہ نے فون اٹھالیا۔ جگنو نے باقاعدہ ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا اور فون ایجاد کرنے والے گراہم بیل صاحب کو سلام عقیدت پیش کیا۔

''جی شیرو۔ کیسے ہیں آپ؟''

وہ اپنے منگیتر سے بات کرتے ہوئے لاؤنج سے باہر نکلی تو جگنو نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے دوپہر کا کھانا نہ کھانے کا فیصلہ کیا۔ شہریار سعید کے فون کو غنیمت جانتے ہوئے کچن کا رخ کرلیا۔ کھانا نہ کھانے کے فیصلے پر چند سیکنڈ سے زیادہ عمل درآمد ناممکنات میں سے تھا۔

''کیا پکا ہے نوراں؟'' کچن میں منہ بنائے کھڑی نوراں سے پوچھا وہ شاید پھیلے ہوئے کچن اور ڈھیر سارے گندے برتنوں کی وجہ سے چڑی ہوئی تھی۔

''زہر پکا ہے جگنو بی بی!'' اس نے منہ بنایا۔

''جگنو بی بی زہر کو آج کل الگ الگ اپنی پسند کے نام دیے جارہے ہیں۔ ہمارے زمانے میں تو سیدھا سیدھا سنکھیا کہتے تھے نیلا تھوتھا یا پھر پڑھے لکھے لوگ پوائزن کہہ دیتے تھے۔''

اتنی دیر میں وہ باری باری دونوں پتیلوں کے ڈھکن اٹھا کر دیکھ چکی تھی۔ ساتھ ہی نوراں کی زبان دانی کی بھی قائل ہو چکی تھی۔

''لیکن اب تو کبھی اسے ..... ہاں ہاں کھاؤ بہت مزے کا ہے یہ۔'' پل بھر میں نوراں بات بدل گئی تھی۔ جگنو کو بنا پیچھے مڑے یہ پتا چل گیا تھا کہ سلیقہ بی بی کچن میں آچکی ہیں تب ہی تو نوراں بھی تاثرات بدل کر لائن پر آچکی تھی۔

''دیکھو نا، کتنے مزے کا گولہ بنا ہے اور اس دوسری پتیلی میں آج مولیوں کا حلوہ بنا رہی ہوں۔ تم کھاؤ گی تو انگلیاں چاٹتی رہ جاؤ گی ٹھہرو میں تمہیں چکھاتی ہوں۔ بس الائچیاں ڈالنی رہ گئی ہیں۔''

وہ پتیلی کا ڈھکن اٹھائے کہہ رہی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

جگنو اور نوراں خوفزدہ انداز میں کبھی ایک دوسرے کو دیکھتیں اور کبھی مولیوں کے حلوے والی پتیلی کو۔

''اف خدایا۔'' جگنو نے اچانک پیٹ پکڑ لیا۔

''بہت درد ہے پیٹ میں۔ ایسا کرو تم یہ حلوہ نوراں کو چکھاؤ۔''

اچانک نوراں نے بھی پیٹ پکڑ کر ہائے ہائے شروع کر دی جگنو نے اس کچی کو گھور کر دیکھا۔

''اب آپ کو کیا ہو گیا ہے نوراں؟'' سلیقہ کے سوال پر وہ انتہائی بدسلیقگی سے بولی۔

''مجھ بڑھیا کی بیماریاں ہی اتنی ہیں کہ کیا بتاؤں۔ فی الحال تو میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے سلیقہ بی بی۔'' وہ اس کے سر پر کھڑی نوراں کی اوور ایکٹنگ دیکھے جا رہی تھی۔

''تو آپ کا سر پیٹ میں ہے؟ آپ تو پیٹ دباتے ہوئے سر درد کی شکایت کر رہی ہیں۔''

''اب سر کا درد پیٹ میں کیسے ہو رہا ہے؟'' سلیقہ کے سوال پر وہ گڑبڑا سی گئی۔

اس نے جلدی سے پیٹ چھوڑ کر سر پکڑ لیا۔

''شاباش ہے شہریار صاحب کو جو یہ سب الا بلا کھاتے بھی ہیں اور دل پر پتھر رکھ کر تعریف بھی کرتے ہیں۔'' وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوئی۔

''چلو شیرو کے لیے فریز کر دیتی ہوں وہ آئیں گے تو انہیں کھلاؤں گی۔ وہ ویسے بھی میرے ہاتھ کے پکے کھانوں کو مس کر رہے ہوں گے۔ بہت دن سے آئے نہیں نا۔'' وہ چمچے سے مولی کا حلوہ چکھتے ہوئے بولی تب دانت نکال کر نوراں اور جگنو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''یا اللہ شہریار بھائی پر کرم کرنا وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ مگر بندے کو اب اتنا اچھا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ شعلے کے بجائے گولا اور سوجی کے حلوے کے بجائے مولی کا حلوہ چپ کر کے کھاتا رہے۔ نہ منہ بنائے اور نہ ہی احتجاج کرے۔'' ان جملوں کا تبادلہ دونوں کے درمیان فقط آنکھوں ہی آنکھوں میں ہوا تھا۔

''میں ہوتی نا شہریار بھائی کی جگہ۔ تو کب کی منگنی توڑ کر اپنا مستقبل محفوظ کر چکی ہوتی۔'' جگنو کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔

''تم لوگوں کو میرے ہنر کی قدر ہی نہیں ہے۔ بس وہی گھسے پٹے آلو گوشت، کوفتے، بریانی اور قورمے اس سے آگے تو سوچ ہی نہیں جاتی کسی کی۔ ایک دن آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ جب میرے ہنر کے چرچے ہر طرف ہوں گے۔'' مولیوں کے حلوے پر کھوئے کی تہہ جماتے ہوئے وہ گنگنانے لگی۔

''چھوٹا سا اک گھر ہوگا
گھر میں ہوں گے سجنا جی''

☆☆☆

راحیلہ بیگم اور سجاد صاحب کا گھرانہ شہر کے اچھے کھاتے پیتے اور وضع داری نبھانے والے گھرانوں میں سے ایک تھا۔ چار لوگوں پر مشتمل یہ خاندان آپس میں محبت کے انمول رشتے میں جڑا ہوا تھا۔ دو بیٹیاں سلیقہ اور جگنو ان کی کل کائنات تھیں۔ راحیلہ بیگم خود کافی سگھڑ خاتون تھیں اس لیے بیٹیوں کی پرورش میں بھی اچھی تعلیم کے ساتھ تربیت کا خصوصی خیال رکھا تھا۔ سلیقہ چونکہ بڑی تھی اس لیے اس کی تربیت پر ساری محنت لگا دی، اسے کپڑے سینے سے لے کر کھانا بنانے تک ہر چیز میں مہارت حاصل ہو چکی تھی۔

سلیقہ بی بی اسم بامسمیٰ تھیں۔

اکثر اتراتے ہوئے کہتیں۔ ''مجھے تو والدین نے جو نام دیا میں نے اس کی ہمیشہ لاج رکھی۔''

چھوٹی جگنو اس کی بات سن کر از راہ مذاق کہتی۔

''سلیقہ بی بی! آپ پر سلیقہ سجتا بھی ہے۔ اب میں اپنے نام کی لاج نبھانے کے لیے اپنے آگے پیچھے لائٹس تو نہیں لگا سکتی۔ نہ ہی دن کو شرمیلی اور رات کو چمکیلی بن کر رستہ بھولنے والوں کو رستہ دکھا سکتی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہوں۔ حالانکہ چیز میں ذرا سی ہی ہوں۔'' وہ علامہ اقبال کی نظم ہمدردی کی طرف اشارہ کرتی۔

''اچھا یہ دیکھو میں نے کتنا خوب صورت میز پوش بنایا ہے۔'' جگنو کو اس میز پوش میں کچھ دیکھا دیکھا سا لگ رہا تھا مگر وہ سمجھ نہ سکی اس مانوسیت کی وجہ کیا ہے۔ کپڑوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ کر آپس میں جوڑے گئے تھے اور چار مختلف رنگوں کا میز پوش عجیب سا لگ رہا تھا۔

''یہ کچھ امریکہ کا جھنڈا سا نہیں لگ رہا؟'' جگنو نے پرسوچ نظروں سے سلائی کے جوڑوں پر لگے گوٹے کو دیکھ کر پوچھا۔

''تم تو بدذوق کی بدذوق ہی رہنا۔'' سلیقہ منہ بنا کر بولی۔

''ویسے سلیقہ بی بی! تم نے رومال بنایا ہے کوئی غزل یا افسانہ نہیں لکھا کہ میں واہ واہ کر کے داد دیتی۔'' میز پر بچھے میز پوش کی مانوسیت اب بھی جگنو کے ذہن میں سوالیہ نشان بنی ہوئی تھی۔

''آج انیسہ اور افشاں آ رہی ہیں۔ ایک کی عنقریب ہونے والی شادی اور دوسری کی سالگرہ ہے اس لیے دونوں سہیلیوں کو دعوت پر بلایا ہے تحفے وغیرہ بھی دے دوں گی۔ سوچا کہ ہوٹل سے گھر ٹھیک رہے گا۔'' اس کے بتانے پر سلیقہ نے آفر کی ''کچھ خاص چاہیے تو میں بنا دیتی ہوں۔ عام سا تو تم کر ہی لیتی ہو۔''

جگنو کا رنگ اڑ گیا۔

''نہ نہ میری بہن۔ میری دوستوں کو تمہارے کھانے ہضم نہیں ہوں گے' وہ بے چاریاں عام کھانے ہی کھاتی ہیں۔ انہیں بریانی پسند ہے لیکن۔ موتی چور کی بریانی کو وہ موتی چور۔ نہیں بلکہ چوری کرنے والے چور کی بریانی سمجھ لیتی ہیں اور پھر یار بار پوچھتی ہیں یہ جو موتی چوری ہوا ہے کیا یہ بہت قیمتی تھا۔ یقیناً قیمتی ہی ہوگا تبھی تو سلیقہ جی نے اس موتی کی یاد میں بریانی کا نام ہی موتی چور رکھ دیا۔''

دوسری بولے گی۔ ''ارے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ میرا پپی کسی نے چوری کر لیا تھا تب میں نے اس کی یاد میں اپنے فیس بک اکاؤنٹ کا یاسور ڈ موتی ڈارلنگ رکھ لیا تھا۔'' اب ان بے وقوفوں کو یہ بھی پتا نہیں کہ مٹھائی کے ڈبے میں سے جو لڈو وہ سب سے پہلے اٹھاتی ہیں اس کا نام موتی چور کے لڈو ہی ہے۔''

وہ منہ بنا کر جگنو کو دیکھنے لگی۔

''مطلب میں کچھ بھی منفرد سا نہ بناؤں دعوت کے لیے؟''

جگنو نے بہن کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے سمجھایا ''وہ میری طرح بہت عام سی لڑکیاں ہیں کھانے شانے سے زیادہ دونوں کو پہننے اوڑھنے کا شوق ہے۔ اسی لیے میں نے ان کے اس شوق کی تسکین کا سامان لا کر رکھا ہوا ہے کھانا پینا سادہ مگر کپڑے بہت رنگین و حسین۔''

''امی ابو کدھر ہیں؟ ایک تو دونوں کو ایک دوسرے سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ بیٹیوں کے پاس بھی گھڑی دو گھڑی بیٹھ جایا کریں۔'' دونوں والدین کی محبت کا سوچ کر مسکرانے لگیں۔

☆☆☆

''واقعی کھانا بہت مزے کا تھا۔'' انیسہ نے کہا تو افشاں نے بھی تائید میں سر ہلایا۔

وہ تینوں ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں سلیقہ کا سلیقہ ان کے سامنے میز پوش کی صورت میں میز پر بچھا تھا۔

''آنٹی آپ نے اور سلیقہ جی نے بھی میری شادی میں ضرور آنا ہے۔'' وہ راحیلہ بیگم کو کارڈ دیتے ہوئے تاکید کر رہی تھی۔

''کیوں نہیں بیٹی۔ تم دونوں تو میرے لیے بالکل جگنو جیسی ہو۔'' وہ مسکرا کر کہنے لگیں۔

''یہ لیں جناب میری سہیلیوں کے لیے کی گئی میری شاپنگ۔'' جگنو دو بیگز لے کر آ گئی۔

''دونوں کے لیے برانڈڈ سوٹ لیے ہیں اسی برانڈ کے جس کے تم دونوں پہنتی ہو۔'' وہ خوشی خوشی کھولنے لگیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لیکن یہ کیا؟ سوٹ کھولتے ہی ان کی رنگت متغیر ہوگئی۔ اور دونوں کے ساتھ سلیقہ بیگم کا رنگ بھی اڑ گیا۔ حالات سے بے خبر جگنو نے افشاں اور انیسہ کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے کپڑوں سے ہوتی ہوئی نظر میز پوش پر ڈالی اور میز پوش کی مانوسیت کا راز اس کے سر پر دھماکے کی صورت میں کھل گیا۔

میز پوش کے ساتھ کے کپڑے سامنے پڑے تھے۔

''یہ تو ہمیں ذلیل کرنے کا طریقہ ہے؟'' دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا۔

''سلیقہ! یہ..... یہ..... کیا ہے؟'' جگنو رو دینے والی تھی۔۔ پورا ایک دن لگا کر شاپنگ کی تھی اس نے۔

''ارے سلیقہ بیٹی! تمہیں کترنیں چاہیے تھیں تو مجھ سے کہہ دیتیں جگنو بے چاری کے سوٹوں سے کیوں کپڑا نکالا؟'' راحیلہ بیگم نے جگنو اور اس کی سہیلیوں کے سنجیدہ تاثرات دیکھ کر بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

''امی میرا قصور نہیں ہے، قصور سارا اس جگنو کا ہے۔ یہ ان ہی رنگوں کے کپڑے لائی تھی جس رنگ کے کپڑے مجھے چاہیے تھے۔ سارے گھر میں یہ رنگ نہیں ملے تبھی یہ لے لیے۔'' اس نے لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''افشاں ڈارلنگ ایسا منہ کیوں بنا رکھا ہے؟'' وہ معصوم بن کر پوچھ رہی تھی جبکہ جگنو تو صدمہ سہنے کی کوشش میں اسے گھورے جا رہی تھی۔

''کسی کو گھر بلا کر اسے میز پوش کے ساتھ کے سوٹ گفٹ کرو تو اگلے کا منہ ایسا ہی بنے گا جیسا ہمارا بن چکا ہے۔'' افشاں منہ پھٹ تھی اس لیے بول پڑی جبکہ انیسہ نے مروت میں چپ نہ توڑی۔

''یہ بھی تو دیکھو نا کہ ان کپڑوں جیسا یہ میز پوش کتنا پیارا لگ رہا ہے اور کتنی محنت سے بنایا ہے میں نے..... دیکھو یہ سولہ مختلف کپڑے جوڑے ہیں تب اس کی ایسی شکل نکلی ہے کہ جو بھی دیکھے گا پوچھے گا ضرور کہ یہ کس نے بنایا؟''

اس کے لہجے میں فخر تھا۔

''جی ضرور پوچھے گا کیونکہ سیزن کے سارے کپڑوں کے سارے رنگ اس میں شامل ہیں تو۔ ظاہری بات ہے اس بستی کی ہر مہمان خاتون نے ان میں سے کوئی کپڑا ضرور پہنا ہوگا۔ تو توجہ تو ضرور جائے گی نا اس طرف۔'' یہ جگنو تھی جو جل بھن کر بول ہی پڑی۔

''سوری یار اتنی محبت سے شاپنگ کی تھی اس میں سے بہن صاحبہ نے کترنیں کاٹ لیں۔''

افشاں نے بمشکل مسکرانے کی کوشش میں کامیاب ہو کر جگنو کی شرمندگی کم کی۔

''یار جگنو تم اگر مجھے بتا دیتیں کہ یہ تم دوستوں کے لیے لائی ہو تو میں ذرا زیادہ کپڑا کاٹ لیتی مجھے لگا یہ تمہارے کپڑے ہیں اور تم اتنی موٹی ہو کہ کپڑا زیادہ کاٹا تو سوٹ کم پڑ جائے گا۔ افشاں دبلی ہے اس کا لمبائی میں بچ جائے گا اور انیسہ بہت سوکھی ہے اس کا چوڑائی میں کم لگے گا۔'' ایک پل میں اس نے تینوں کو سنا دیا۔

''ایک ہی وار میں تین شکار واہ میری بہن کتنے نشانے پر تیر چلاتی ہے۔'' جگنو نے جل کر سوچا اور غصے سے گھورتی سہیلیوں کو اپنے کمرے کی طرف لے جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

سلیقہ کوئی بھی کام جان بوجھ کر خراب نہیں کرتی تھی۔ بس کچھ نیا اور الگ کرنے کی کوشش میں اکثر خود بخود ہی ہو جاتا تھا۔ خالہ زاد شہریار سے اس کی منگنی کو ایک سال ہو چکا تھا اور سب کو لگتا ایسا ہی تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت بھی کرتے ہیں اتنی محبت کہ شہریار اس کے ہاتھ کا پکا الم غلم جسے وہ غیر روایتی نام دیتی تھی۔ بھی زہر مار کر لیتا تھا بنا منہ بنائے بنا ناگواری ظاہر کیے لیکن اب اس کی محبت کے گلے میں سلیقہ بی بی کے سلیقے کی ہڈی پھنس چکی تھی اور وہ اس ہڈی کو نہ نگل سکتا تھا نہ ہی اگلنے کا حوصلہ تھا اس

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

میں۔ محبت اپنی جگہ لیکن اسے سلیقہ کے ہاتھ کے نت نئے ناکام تجربات کو اپنے ضبط سے کامیابی کے ہار پہنانا ہر روز قبول نہ تھا اسی لیے وہ شادی میں حیل و حجت کر رہا تھا۔

''شہریار! شادی کی دوسری صبح ہی میں آپ کو اپنے ہاتھ کا ناشتہ کراؤں گی۔ خالہ جان کو میں کوئی کام نہیں کرنے دوں گی۔''

وہ سلیقے سے دوپٹہ سر پر رکھے اسی دوپٹے کے کونے کو کھولتی باندھتی بہت پیاری لگتی اگر کچھ اور کہہ رہی ہوتی۔ شہریار نے خوف زدہ انداز میں اسے دیکھا اور لہجے کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے نارمل آواز میں جو کہا وہ سن کر سلیقہ بی بی کے ہاتھ سے دوپٹے کا کونا چھوٹ گیا۔

''میرے خیال میں شادی کچھ مہینے آگے کرنی پڑے گی۔ اصل میں میرے پیٹ میں.....'' وہ سچ بات کہتے کہتے یک دم رک گیا۔

''کیا مطلب پیٹ میں۔ شادی کا پیٹ سے کیا تعلق؟'' سلیقہ بی بی کے فرشتوں کو بھی اصل مسئلے کی خبر نہ تھی اس لیے حیران سے زیادہ پریشان ہوئی۔ بچپن سے دونوں اکٹھے کھیل کود کر جوان ہوئے تھے اس لیے منگنی کے بعد بھی باوجود کوشش کے سلیقہ کو شہریار سے شرم بالکل نہ آئی۔ نہ ہی شہریار کو کبھی کسی قسم کی جھجک محسوس ہوئی، دونوں کے گھر والوں کی طرف سے بھی کوئی پابندی نہ تھی اس لیے گھر میں ہفتے ڈیڑھ ہفتے بعد کسی نہ کسی بہانے دونوں کی ملاقات ہو جاتی تھی جس میں سلیقہ بی بی ہفتے بھر کی اپنی کوکنگ کی تیاری کیے رکھتیں اور شہریار کے آتے ہی نوراں کو کچن سے نکال کر خود کبھی پودینے کی پڈنگ بناتی تو کبھی دھنیے والے دھواں دھار چاول۔ (دھواں دھار چاولوں کی خاصیت یہ ہوتی کہ دو چار نوالے کھانے سے ہی آنکھیں دھواں دھار پانی بہانے لگتی تھیں) کبھی کبھی تو کینو کے جوس میں کشمش اور مونگ پھلیوں کی شمولیت ایسی لگتی جیسے چاولوں کی کھیر پر کڑی پتے کا تڑکہ۔ وہ کھیر پر کڑی پتے کے تڑکے والی مثال سوچ کر بھی خوف زدہ ہو جاتا کہ کہیں سلیقہ بی بی یہ آئیڈیا سن کر اس پر فوری عمل درآمد شروع نہ کر دیں۔

''خالہ اور امی کے درمیان یہ بات طے ہوئی تھی کہ شادی ایک سال بعد کریں گے۔ میں تو یہ کہنے والی تھی کہ مارچ کے بجائے فروری کی تاریخ رکھ لیتے ہیں کہ ویلنٹائن ڈے پر میں اپنے ہاتھوں سے سرخ مرچ کا کیک بیک کر کے سب محبت کرنے والوں کے لیے ایک نیا ٹرینڈ سیٹ کر دوں۔ اب یہ نہ کہیے گا کہ کیسی بے شرم لڑکی ہے اپنی شادی کی جلدی مچا رہی ہے۔ یہ نیا زمانہ ہے شیرو۔'' وہ دل کی بات کہہ ہی گئی۔

''اچھا ہے کہ پہلے سے ان خطرناک ارادوں کی خبر مجھے دے دی ہے اب تو مارچ سے پہلے کسی قیمت پر شادی نہیں کروں گا۔'' سرخ مرچوں والے کیک کی جلن اسے ہر جگہ محسوس ہونے لگی تھی۔

''کیا دیکھ رہے ہیں؟'' اس کی نظریں پلیٹ پر جمی دیکھ کر سلیقہ نے پوچھا۔

وہ نیلے تھوتھے نما کوئی چیز پلیٹ میں سجی دیکھ کر خوف زدہ سا اس کی باتیں سننے کے ساتھ پہچاننے کی کوشش میں تھا کہ بغیر تعارف کے وہ کیا چیز اس کے سامنے رکھ چکی ہے۔

''سلیقہ! یہ..... یہ کیا ہے؟'' اندر سے تو بے چارے کی گھگھی بندھ چکی تھی لیکن بظاہر بے خوف نظر آنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

''یہ ایسی چیز ہے کہ اس کے فائدے گنوانے پر آؤں تو شام ہو جائے۔ اس سے چہرے پر ایسی چمک آتی ہے کہ ستارے بھی شرمانے لگیں۔'' اس نے پلیٹ شہریار کی طرف بڑھائی۔

''اوہ تو یہ منہ پر لگانے کے لیے ہے؟'' اس نے گہری سانس لے کر خوف کم کیا۔

''آپ بھی نا۔ بہت ہی مخولیے ہیں بھلا منہ پر لگانے والا مذاق کوئی اور کر سکتا تھا۔'' اس نے شہریار کے سینس آف ہیومر کو سراہتے ہوئے کہا تو شہریار

Waqar Azeem
Pakistanipoint.Com

کے دل کی دھڑکنیں پھر سے تیز ہوگئیں۔ اس کی تعریف پر نہیں بلکہ اس ڈر سے کہ یہ نیلے رنگ کا شوربہ اور اس میں تیرتی دو ننھی منی سی مچھلیوں کو اس کے پیٹ میں جانا تھا۔ اندر کے اودھم سے تو اس نے خود ہی نمٹنا ہوتا تھا اس کی خبر تو وہ فون کر کے اسے کبھی نہ دے پایا تھا۔ اب بھلا منگیتر سے یہ کہنا کہ پیٹ میں گیس نے ساری رات سونے نہ دیا۔

''یہ نیلے شوربے والی سنہری مچھلی ہے اصل میں اس ڈش کو فرانس میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔ میں نے اس میں یہ تبدیلی کی کہ مچھلیوں کی آنکھوں کے بجائے پوری مچھلیوں کو شوربے میں پکا لیا ہے۔'' وہ بڑے ناز سے بول رہی تھی جیسے کوئی معرکہ سر کر لیا ہو۔

''تو.....تو ان مچھلیوں کی آنکھیں؟ ان سے کوئی اور ڈش بنانی ہے کیا؟'' اس نے بے خوف ہو کر پوچھ ہی لیا کیونکہ اگلی ملاقات پر اس کے ڈھائے ہوئے متوقع ظلم کا پہلے سے اندازہ ہو جانا تھا اس طرح ذرا تیاری بھی ہو جاتی۔

''ہاہاہا آپ بھی نا۔ مجھ سے سارے راز اگلوا لینا چاہتے ہیں۔ یہ سرپرائز تو اگلی ملاقات پر ہی کھلے گا۔'' وہ شریر ہوئی۔

''مطلب آنے والے اتوار صبح سے فون بند رکھنا ہے اور امی کو اس جھوٹ پر بھی آمادہ کرنا ہے کہ شہریار کی طبیعت خراب ہے۔ لیکن پھر عیادت کے لیے آنا اور ساتھ میں پرہیزی سوپ کا پیالہ بھی بنا کر لانا اور اس سوپ میں بند گوبھی گاجریں تو چل ہی جاتی ہیں۔ بھنڈیوں اور لسوڑوں کی کثیر تعداد کو سوپ کی لیس سے نکال کر پھینکنا اور وہ بھی اس کی نظر بچا کر بہت مشکل کام ہے۔'' وہ انتہائی پریشانی سے اسے تکنے لگا۔

''ایک بات پوچھوں سلیقہ؟'' وہ نیلے شوربے میں تیرتی سنہری مچھلیوں سے نظریں چرائے پوچھ رہا تھا

''جی جی سو باتیں پوچھیں لیکن۔ پلیز اس ڈش کی ریسپی مت پوچھیے گا کیونکہ یہ میں کسی کو نہیں بتانا چاہتی یہ میرا اسٹرکچر کھا جاتا ہے۔'' وہ وہاں نظریں جمائے بولی جہاں سے شہریار نظریں چرا رہا تھا

''وہ پوچھنا کچھ اور تھا۔ یہ بتاؤ کہ خالہ جان اور خالو جی تمہارے ہاتھ کا بنا کیا شوق سے کھاتے ہیں؟'' وہ اندازہ کرنا چاہ رہا تھا کہ اس گھر میں کسی اور کو بھی ان ہی مشکلات کو سہنا پڑ رہا ہے جن سے وہ ڈر رہا تھا

''امی اور ابو جی دونوں بیمار ہیں۔ ہائی شوگر اور بلڈ پریشر میں تو انہیں فروٹ سبزیاں وغیرہ ہی کھانی ہوتی ہیں تو۔ وہ بے چارے میرے کھانوں کو صرف دیکھ دیکھ کر ہی خوش ہوتے ہیں اور اکثر اوقات اس محرومی پر بہت اداس بھی ہو جاتے ہیں۔'' وہ نرم لہجے میں کہانی سنا چکی تو شہریار دل ہی دل میں تڑپتے ہوئے بڑبڑایا۔

''کتنے ڈرامہ باز ہیں یہ خالہ خالو بھی۔ کاش میں بھی یونہی اس محرومی پر اداس ہو جایا کروں۔'' سرگوشی کا دوسرا حصہ وہ سن چکی تھی۔ تبھی تو مسکرانے لگی۔

''مجھے پتا ہے آپ اللہ کا شکر ادا کر رہے ہو کہ جس نے آپ کو مجھ جیسی سلیقہ مند لڑکی کا منگیتر بنایا ہے۔''

وہ زور زور سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے زبان سے ''ہاں بالکل ٹھیک سمجھی ہو۔'' کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

''کیا ہو رہا ہے؟'' وہ کچن میں بہت کم جاتی تھی لیکن اس وقت بہت بھوک لگی تھی۔

''کچھ نہیں بس یہ تھوڑی سی بیکنگ کرنی ہے اس کا سامان دیکھ رہی ہوں۔'' سلیقہ نے میدہ چھانتے ہوئے کہا تو جگنو کا ماتھا ٹھنکا۔

''کوئی خاص ایونٹ ہے شاید؟ کیونکہ میری بہن صاحبہ چھوٹے موٹے موقع پر تو بیکنگ نہیں کرتیں۔'' جگنو نو ڈلز کا پیکٹ کھول کر پانی چولہے پر رکھ چکی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''شہریار سمیت تم میں سے کسی کو یاد نہیں کہ پرسوں ہماری منگنی کی سالگرہ ہے۔'' سلیقہ بی بی کے لہجے میں شکایت تھی۔

''اوا چھا مجھے تو بالکل یاد نہیں رہا ورنہ کوئی تیاری ضرور کرتی۔'' جگنو نے چمچہ چلاتے ہوئے اسے دیکھا۔

''مارے گئے شہریار بھائی۔'' اس نے وہیں سے فوری شہریار کو میسج کر کے ڈرایا۔

''کیا پھر کچھ پک رہا ہے میرے لیے؟'' دوسری طرف سے فوری رونے والا ایموجی اور میسج آیا۔

''آپ کل مجھے کہہ رہے تھے نا کہ منگنی کی سالگرہ سلیقہ کو یاد نہ کراؤں۔ تو آپ کے لیے ایک بری خبر یہ ہے کہ انھیں سب کچھ یاد ہے اور وہ آج ہی سے بیکنگ کی تیاری بھی کر رہی ہیں، سوچیے جب بنا تیاری کے یہ عالم کہ بندے کا دل ان کے منفرد کھانوں سے انصاف نہیں بلکہ ناانصافی کرنے کو چاہتا ہے اور ایک کمینی سی خواہش بندے کے دل میں پیدا ہوتی ہے کہ جانی دشمن سامنے ہو اور اسے یہ کھانا بطور انتقام کھلایا جائے۔ تو تیار رہیے بارہ مسالے کا نمکین و میٹھا مکس کیک کھانے کے لیے کیوں کہ سال میں بارہ مہینے تو ہوتے ہی ہیں اور بارہ مسالوں کے نام یاد کر کے سوچیے کہ کیا ہونے والا ہے۔ یقیناً لونگ اور الائچی والا گانا بھی سنیں گے آپ سے کیونکہ کیک میں یہ دونوں چیزیں وافر مقدار میں شامل ضرور ہوتی ہیں۔ ابھی سے صاف کر رہی ہوں۔'' دوسری طرف سے رونے والے ایموجیز آنے لگے۔

''جگنو کیا ہر وقت فون میں گھسی رہتی ہو۔ دیکھو نو ڈلز پک چکے ہیں اٹھاؤ اور نکلو کچن سے۔'' وہ اسے مسلسل ٹائپنگ کرتے دیکھ کر بولی تو جگنو نے کچن سے رفو چکر ہو جانا ہی بہتر سمجھا۔

''شیرو! پلیز ذرا جلدی آجائیے گا۔ سلیبریشن کے بعد کہیں باہر بھی چلیں گے۔'' وہ شہریار کو شیرو اس لیے کہتی ہے کہ اس طرح اسے شیرنی بننے میں آسانی ہو جائے گی۔ یہ نادر خیال جگنو کا ہی تھا۔ وہی دور کی کوڑی لاتی تھی۔

''دیکھو سیلی! ہم دونوں کہیں باہر اچھا سا کھانا کھانے چلتے ہیں۔ میں تمہیں پک کر لوں گا ضروری تو نہیں کہ گھر میں ہی کچھ کھایا پیا جائے۔'' وہ ہمت کر کے کہہ ہی گیا دل کی بات۔

''دیکھو شیرو ایک تو مجھے یہ سیلی بلی مت کہا کریں اور دوسرا میں جو تین دن سے محنت کر رہی ہوں اتنے شوق سے بیکنگ کی ہے وہ کون کھائے گا؟ ایسا کرتے ہیں کہ کھانے کے لیے بعد میں باہر چلے جاتے ہیں۔'' اس نے حل نکال لیا

''تمہارے ہاتھ کی نایاب خوراک کھانے کے بعد ایک ہفتے تک تو مجھے بھوک نہیں لگتی سلیقہ بی بی۔'' وہ صرف سوچ کر رہ گیا۔

''ٹھیک ہے جیسا تم کہو۔'' وہ اس کے علاوہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا کوئی جھگڑا وغیرہ ہو جاتا تو ماں کی ڈانٹ اور ان کا یہ کہنا کہ.....

''تم نے میری بھانجی کو اب ذرا بھی ستایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' اسے چپ کرا دیتا کیونکہ وہ ماں کی پل بھر کی ناراضی بھی نہیں سہہ سکتا تھا۔

☆☆☆

''یہ..... یہ..... کک..... ک ک..... کیک ہے؟'' وہ باہر لان میں بیٹھے تھے خالہ اور خالو کے ساتھ جگنو بھی چند منٹ ان کے پاس بیٹھی مبارکباد اور دعائیں دے کر باری باری سب اٹھتے گئے اور وہ ان کی طرف رشک بھری نظروں سے دیکھتا ہوا حسرت سے سوچتا رہا کہ.....

''کاش میں بھی اس مرحلے پر ہی اٹھ کر ان کے پیچھے چل پڑنے کی ہمت رکھتا۔'' وہ بہت اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ سرخ رنگ کے کپڑوں میں نفاست سے میک اپ کیے کھلے بالوں میں بیلے کی کلیوں کا گجرا سجائے وہ ہمیشہ سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ شہریار کی نظروں کی تپش نے اس کے

Waqar Azeem
Pakistanipoint

گالوں پر لالی سجادی تھی۔

"میں نے پوچھا ہے کہ یہ کیا ہے؟" وہ اب بنانے والی کے بجائے بننے والی چیز کی طرف نہ چاہتے ہوئے بھی متوجہ ہو چکا تھا۔ آخر کب تک کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر سکتا تھا؟

"جی یہ کیک ہی ہے لیکن ذرا منفرد اسٹائل کا کیک ہے۔" وہ بڑے انداز سے بولی تو شہریار بغور کیک کا جائزہ لینے لگا۔ عجیب سی آدھی تکونی اور آدھی گول جبکہ نیچے سے چوکور قسم کی شیپ تھی۔

"چلیں آپ کاٹیں کیک اور پھر میرے سلیقے کی داد بھی دیں کہ ایسا کیک کبھی آپ نے نہ دیکھا ہوگا نہ سنا ہوگا۔"

پہلا پیس منہ میں رکھتے ہی بڑی مشکل سے اس نے ابکائی روکی۔

"یہ جو گول حصہ ہے یہ میٹھا ہے اور چوکور والا نمکین ہے اور یہ جو تکونا پیس ہے نا یہ مسالے والا ہے اور یہ والا پورا مرچوں والا ہے یونہی جیسے نرم گرم سا مختلف ذائقوں پر مشتمل ہمارا رشتہ ہے۔" وہ یوں تعارف کرا رہی تھی جیسے کسی دوسرے سیارے کی تفصیل نا سا والے دیتے ہیں۔

"یہ جو ابھی کھایا ہے نا یہ مرچوں والا تھا نا؟" اس نے ڈرتے ڈرتے بمشکل وہ ٹکڑا نگل کر پوچھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"مجھے چھیڑ رہے ہیں آپ؟ یہ تو میٹھے والا تھا۔ ابھی مرچوں والا کھائیں گے تو لگ پتا جائے گا۔" وہ اچھی طرح سے جانتا تھا وہ صرف زبانی کلامی دھمکی نہیں دے رہی بلکہ اسے پتا لگنے والا تھا۔

"سچ سچ بتائیں کیسا لگا یہ منفرد آئیڈیا؟" وہ داد طلب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بہت اچھا کیک تھا۔ خاص طور پر سجاوٹ تو کمال ہی تھی۔ تم نے کریم سے بالکل اصلی مکھیوں کی طرح مکھیاں بنائی ہیں ایسی ہو بہو شکل تو بڑے بڑے بیکریز والے بھی نہیں بنا سکتے میں تو دو چار کھا گیا ذائقہ کریمی نہیں تھا لیکن تھا بہت اچھا۔" وہ اس کی تعریف سن کر حیران ہوئی اور اس کی حیرانی شہریار کو پریشان کر گئی۔

"لیکن شیرو! میں نے تو کیک کی سجاوٹ کریمی مکھیوں سے نہیں کی تھی شاید میٹھے حصے پر اصلی والی آ کر بیٹھ گئی تھیں۔ اصل میں باہر لان میں کھلی فضا تھی۔ تو..... تو....." وہ اس کی بات سمجھ کر منہ پر ہاتھ رکھے یوں واش روم کی طرف بھاگا کہ سلیقہ کو بے اختیار انڈین سوپس کی پریگنٹ بھابھیاں یاد آ گئیں وہ چشمہ لگا کر بغور کیک کا جائزہ لینے لگی۔

☆☆☆

"خدارا جگنو! تم میری جان ان نایاب اقسام کی ڈشز سے چھڑانے میں میری مدد کرو۔ ورنہ میری ننھی سی جان ایسے سوچے سمجھے حادثات کے نتیجے میں نکل ہی جانی ہے۔" وہ ہاسپٹل کے بیڈ پر لیٹا تھا۔ رات سے تین ڈرپس لگ چکی تھی اور اس قدر الٹیوں کے بعد بھی جی متلا رہا تھا۔

"اب سچ کہوں تو جیتی جاگتی مکھیاں آپ کو اس نے نگلنے کے لیے تو نہیں کہا تھا نا آخر عقل بھی کوئی چیز ہوتی ہے بے شک وہ منفرد کرتی ہے لیکن.....؟" وہ اسے گھورنے لگا۔

"اس سے ہر بات کی توقع ہو سکتی ہے یہ تو مکھیاں تھیں میں تو بچھوؤں کی سجاوٹ پر بھی حیران نہ ہوتا۔" ابھی ابھی وہ سہیلی کا فون سننے باہر نکلی تھی۔ اور وہ اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔

"میں خود پریشان ہوں شہریار بھائی۔ کہ اس بے وقوفوں کی ملکہ کا کیا بنے گا؟ جب بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے وہ یہ کہہ کر چپ کرا دیتی ہے کہ تم میرے سلیقے سے جلتی ہو۔"

"ہونہہ سلیقہ۔ مجھے لگتا ہے کہ اب اس کا نام بدلنا ہوگا اس نام نے ہی تو اسے بگاڑا ہے۔" وہ تکیوں کے سہارے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے بولا تو جگنو نے اختلاف کیا۔

"شہریار بھائی اب دیکھیے نا کتنے ہی لوگوں کے نام نوید ہوتے ہیں لیکن زندگی بھر انہیں توفیق نہیں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہوتی کسی کو نوید جانفزا سنانے کی آفتاب نام کے لوگوں سے اٹھنے والی تپش میں کسی کو ہاتھ سیکتے نہیں دیکھا نہ ہی ارم اور فردوس نامی لڑکیوں کو جنت تک پہنچنے میں کوئی آسانی ملے گی۔"

وہ اس کے خیال کو رد کر رہی تھی۔

"تو کوئی آسان اور سادہ سا حل نکالو ورنہ میں شادی سے انکار بھی کر سکتا ہوں۔ وہ بھی دل پر پتھر رکھ کر۔"

وہ نیم غنودگی کی سی کیفیت میں بولا۔ تو جگنو کو یوں آسانی سے اس کا شادی سے انکار بہت عجیب سا لگا۔

"ارے یہ کیا بات ہوئی؟ اتنی سی بات پر شادی سے ۔ انکار؟" جگنو نے اسے گھورا۔

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے میری بہن! اس ایک سالہ منگنی میں مجھے پانچویں دفعہ اسپتال کے بستر پر لیٹنا پڑ رہا ہے اور وہ بھی تمہاری بہن کی وجہ سے۔"

وہ پیٹ درد سے کراہتے ہوئے بولا تو جگنو نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

"آپ کا معدہ کمزور ہے۔ ورنہ اسے اب تک عادی ہو جانا چاہیے تھا میں اسے سمجھاؤں گی شہریار بھائی! آپ اطمینان رکھیں۔ وہ بے وقوف ہے۔ کبھی کبھی ذرا اوور ہو جاتی ہے ورنہ آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ وہ یہ سب آپ کی محبت میں کرتی ہے اور اسے اپنے اس ہنر پر بہت ناز ہے۔"

وہ پریشانی سے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی کہ کہیں سلیقہ اندر نہ جائے۔

"میری توبہ ایسی محبت سے۔ میں ساری زندگی اس طرح نہیں گزار سکتا۔ کئی بار اسے سمجھایا ہے ہر طریقے سے۔ لیکن اس کی بات عجیب و غریب کھانے سے شروع ہو کر طرح طرح کے ہولناک سلیقے پر ہی ختم ہوتی ہے۔ یار کیسے گزر سکتی ہے ایسی ایب نارمل لڑکی کے ساتھ پرسکون اور خوش باش زندگی۔ میرا بھی تو حق ہے نا کہ شادی کے بعد سکون اور خوشی سے زندگی کا سفر طے کر سکوں۔ اچھے اور سمجھ دار جیون ساتھی کی ہمراہی میں۔" وہ سیدھا لیٹا چھت کے پنکھے کو گھورے جا رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر پڑے بل جگنو کے دل میں خدشات کے طوفان اٹھا رہے تھے۔

"وہ مر جائے گی اگر آپ نے اسے یوں چھوڑا تو۔" جگنو نے فکرمندی سے کہا تو شہریار سپاٹ لہجے میں بولا۔

"اور اگر نہ چھوڑا تو میں اس کے نت نئے تجربات اور سلیقہ مندی کی بھینٹ چڑھ کر مر جاؤں گا۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی سلیقہ اندر آ گئی

"یار یہ انیسہ بھی نا۔ دماغ کی دہی جما دیتی ہے۔ کہا بھی کہ ہاسپٹل میں ہوں شہریار کی عیادت کرنے آئے ہیں لیکن۔ وہ فون بند ہی نہیں کر رہی تھی۔" سلیقہ نے سلیقے سے بنے بالوں کو مزید ٹھیک کرتے ہوئے کہا اور بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کتنی بری سیٹنگ کی گئی ہے اس کمرے کی یہ کھڑکی اگر یہاں ہوتی تو زیادہ اچھی طرح سے تازہ ہوا کا گزر ہوتا۔" وہ تنقیدی انداز میں کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"خالہ جان کو پتا ہے کہ آپ ہاسپٹل میں ہیں؟" وہ شہریار کی طرف دیکھ رہی تھی جو سلیقہ سے نظریں چرا رہا تھا۔

"نہیں امی کو کہا ہے کہ ایک دوست کی طرف آیا ہوا ہوں۔ روز روز انہیں کیا پریشان کروں ان کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں رہتی۔" جگنو نے نوٹ کیا کہ شہریار کا لہجہ کھردرا تھا۔ جبکہ سلیقہ اسے طبیعت کی خرابی سمجھ کر زیادہ نوٹس نہ لیتے ہوئے مطمئن ہو چکی تھی۔

"ہم نے بھی امی ابو کو اسی لیے نہیں بتایا کہ خواہ مخواہ پریشان ہی ہوں گے اسی لیے تو نوراں کو ان کے پاس چھوڑ کر آئے ہیں۔" جگنو نے کہا تو وہ کلائی پر بندھی سنہری گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "چلو امی کو پریشانی لگ جائے گی ہماری۔ جبکہ یہاں اسپتال میں موبائل سروس بھی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ٹھیک نہیں کہیں وہ لوگ فون کریں تو پریشان نہ ہو جائیں۔"

شہریار نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی جس پر سلیقہ کو حیرانی ہوئی۔

"میں بھی دو تین گھنٹوں میں نکلتا ہوں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اس ڈرپ کے بعد حالات بہتر ہیں۔" وہ اس کے بیڈ کے قریب کھڑی ہوگئی۔

"سوری شیرو! میں جانتی ہوں سارا قصور میرا ہے۔" اس نے سر جھکائے ہوئے کہا تو جگنو کے ساتھ شہریار کی آنکھوں میں بھی حیرانی نظر آنے لگی۔

"کیا اسے احساس ہوگیا ہے کہ اسے ہر وقت الم غلم کھانے نہیں بنانے چاہئیں؟" شہریار نے حیرانی سے سوچا۔

"اچھا ہے تمہیں احساس تو ہوا۔" شہریار کا لہجہ شکایتی تھا۔

"احساس ہے مجھے شیرو! کیوں نہیں ہے احساس؟ قصور میرا ہی ہوا نا کہ میں اتنا مزے دار کھانا بناتی ہوں اور پھر اصرار کرکے آپ کو وہ کھانا کھانے کا بھی کہتی ہوں اور آپ اتنے منفرد و مزے دار کھانوں سے ہاتھ نہیں روک پاتے تو معدے پر بوجھ بن جاتا ہے۔" خوش فہمی و معصومیت تو اس پر ختم تھی۔

"اور سلیقہ بی بی آپ پھر چشمہ بھی نہیں لگاتیں اس موقعے پر..... کہ اصلی اور نقلی مکھیوں کا فرق تو مجھے بتا سکیں۔" شہریار نے ڈرپ کی طرف بیزاری سے دیکھا جو ختم ہونے میں ہی نہیں آرہی تھی۔

"کب سے کہہ رہی ہوں کہ نقلی ایک بھی نہیں تھی سب ہی اصلی تھیں۔"

"ٹھیک ہے میری غلطی تھی کہ میں بے وقوفوں کی طرح مکھیاں بھی نگل گیا تھا۔" وہ مکھیوں کا ذائقہ منہ میں محسوس کرتے ہوئے متلاتے جی پر قابو پانے کی کوشش میں تھا۔

"جو ہوا سو ہوا۔ اب بھول جائیں، آپ دونوں ان چیزوں کو۔" جگنو نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"میں کچھ پرہیزی بنا کر لے آتی تو اچھا تھا۔" اسے افسوس ہوا جبکہ جگنو کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

شہریار خوف زدہ انداز میں اسے دیکھ کر بولا۔

"نہیں نہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے ابھی پورا ہفتہ صرف لیکوئیڈ پینا ہے، کوئی ٹھوس خوراک نہیں لینی۔" شہریار نے رونے والی شکل بنا کر جگنو کی طرف دیکھا جو اسے سر ہلاتے ہوئے تسلی دے رہی تھی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

"میں گھر جاتے ہی آپ کے لیے ہلکا اور سادہ سا کچھ بناتی ہوں اور شام میں آپ کی طرف لے آتی ہوں۔ ٹھیک ہے؟" وہ نرم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے پھوٹتی محبت کی روشنی بھی شہریار کے چہرے کی بے زاری کم نہ کرسکی۔ وہ کسی غیر کی طرح چہرے کے گرد اجنبیت کی دیوار کھڑی کیے اسے گیٹ پر ہی روکے ہوا تھا۔

چند پل میں ہی جگنو نے اجنبیت کی اس دیوار کو ناپنے کی کوشش میں یہ اندازہ لگایا تھا کہ اسے پھلانگ کر اپنائیت کے صحن میں اترنا ممکن نہیں بلکہ باہر سے سر اٹھا کر اس دیوار کی بلندی کو فقط دیکھا جا سکتا تھا۔

"چلو سلیقہ جلدی کرو امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئی۔ شہریار انہیں جاتے ہوئے دیکھ کر سوچ رہا تھا۔

"کاش جیسے یہ لڑکی کمرے سے نکل گئی ہے اتنی ہی آسانی سے میری زندگی سے بھی نکل جائے۔

☆☆☆

شازیہ درانی کی دولت کی چمک سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو چکی تھیں ایسے میں اسے صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"تم نے اگر رشتہ توڑ کر اس امریکن لڑکی سے شادی کی تو بہت پچھتاؤ گے۔" امی تو اس کے کپڑے دیکھ کر ہی شرما گئی تھیں۔

"آپ کو صرف بھانجی کی فکر ہے۔ اکلوتے بیٹے کی کوئی فکر نہیں۔" وہ ہمیشہ یہی گلہ کرتا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''میں تمہاری فکر ہی کر رہی ہوں۔ وہ تو سلیقے والی ہے جس گھر میں جائے گی روشنی پھیلائے گی۔'' ان کے لہجے میں محبت کی مٹھاس تھی۔

''ہاں یہ سلیقہ ہی میری جان لے گا ایک دن اگر وہ میری زندگی میں آ گئی تو.....''

ماں نے اسے ملامتی انداز میں دیکھا۔

''مت دو اس بچی کے سلیقے کو الزام۔ میں جانتی ہوں کہ تمہیں معدے کی کمزوری کی شکایت بچپن سے ہے، کئی چیزوں سے الرجی بھی ہے۔ میں تو دال سبزی بھی بناؤں تو بغیر گولی کے تم ہضم نہیں کر سکتے۔ اس میں سلیقہ کا کیا قصور؟''

وہ سچائی سے نظریں چراتے ہوئے امریکہ کے خوابوں میں کھویا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے اگر آپ سچ سننا چاہتی ہیں تو پھر مجھے سچ بولنا ہی پڑے گا۔ کیا ملے گا مجھے اس نیم پاگل لڑکی سے شادی کر کے؟ اسے دن بھر یہی فکر ستایا کرے گی کہ گھر کو کیسے سجاؤں؟ اور کوئی منفرد سی ڈش بنا کر گھر والوں کو کھلاؤں؟ نہ کوئی اسٹیٹس نہ ہی کوئی جائیداد۔ نہ کسی دوسرے ملک کی نیشنیلٹی۔ کیا کمی ہے مجھ میں؟ اعلا تعلیم، اچھی جاب، اعلا خاندانی پس منظر، شکل وصورت لاکھوں میں ایک۔ پھر کیوں کروں میں اس سے شادی؟'' اس کا انداز حتمی اور مستحکم تھا۔

''مجھے لگا کہ تم اسے پسند کرتے ہو؟'' ماں نے کمزور لہجے میں کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''ماں پسند پتھر پر پڑی لکیر نہیں کہ مٹ نہ سکے وقت کے ساتھ ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا اپنی مارکیٹ ویلیو کا۔ نہ ہی اس کے سلیقے کی شدت کا۔ اب سب جان گیا ہوں۔''

ماں اسے دکھ اور افسوس بھرے انداز میں دیکھ رہی تھیں۔ ''جب اس ہیرے کو کوئی جوہری مل گیا جسے اس کی قدر ہو گی اور اس کی قیمت کا اندازہ بھی۔ تو دیکھ لینا وہ بہت اونچے مقام تک پہنچے گی کیونکہ وہ اس کی اہل ہے اور وہاں پہنچ کر تمہیں چھوٹا ضرور کرے گی۔ تیار رہنا بونا بننے کے لیے۔'' وہ ناگواری سے سن رہا تھا۔

☆☆☆

''آپ میری بات کیوں نہیں سمجھ رہیں؟''

وہ جھجک رہی تھی لیکن بولنا تو تھا۔

''تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ شہریار میرے ہنر میرے منفرد سلیقے سے تنگ ہے اور اس حد تک آ چکا ہے کہ اب مجھے چھوڑ کر کہیں اور شادی کرنا چاہتا ہے۔'' وہ طنزیہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

جگنو نے افسوس بھرے انداز میں سر جھکا لیا کہ شاید وہ خاموشی کو اقرار سمجھ لے اور اسے تکلیف دہ الفاظ نہ کہنے پڑیں۔

''ہاہاہا۔ یہ بھی اچھا لطیفہ ہے یار میرے لیے اس کے دل میں بے تحاشا محبت ہے اور یہ محبت اس کے ہر عمل سے جھلکتی بھی ہے۔ کیا محبت کرنے والے محبوب کی کسی عادت یا ادا کو ناپسند بھی کر سکتے ہیں؟ میں نہیں مانتی۔'' وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی جگنو اس کے ہاتھ میں پکڑے لکڑی کے چھوٹے سے فریم پر نظریں گاڑے ہوئے تھی جس میں اس نے پنک کلر کا کاٹن کا کپڑا لگانا ابھی شروع ہی کیا تھا۔ اس رومال پر شہریار کا نام نیلے رنگ کے مارکر سے لکھا ہوا تھا جسے سلیقہ نے بڑے سلیقے سے ریشمی دھاگے سے کاڑھ کر اسے دینا تھا۔

''یہ..... یہ میں کیا سن رہی ہوں سلیقہ؟ آپا کہہ رہی ہیں کہ شہریار شادی سے انکار کر رہا ہے۔ اگر کوئی مسئلہ تھا تم دونوں کے درمیان تو مجھے بتاتیں۔ کیا لڑائی ہوئی ہے تم دونوں کی؟'' انہیں دمہ تھا اور اس وقت بھی ٹینشن کی زیادتی سے ان کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ ہونق سی شکل بنائے کبھی ماں کی طرف دیکھ رہی تھی اور کبھی بہن کی طرف۔ عجیب سا احساس توہین خون کے ساتھ اس کے رگ وپے میں دوڑنے لگا تھا۔

''امی خالہ ٹھیک کہتی ہیں۔ شہریار بھائی نے شادی سے انکار کر کے منگنی توڑنے کا فیصلہ کر لیا

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

ہے۔"

"ایسے کیسے چھوڑ سکتا ہے وہ؟ کیا قصور ہے میری سلیقہ شعار بیٹی کا کس چیز کی کمی ہے اس میں؟" وہ قریب پڑے پلنگ پر ڈھے سی گئیں۔

جگنو ان کا پیلا زرد چہرہ دیکھ کر گھبرا رہی تھی۔

"امی فکر نہ کریں۔ وہ توڑ دیں شادی اور بہت رشتے مل جائیں گے ہماری بہن ہر لحاظ سے لاکھوں میں ایک ہے۔ پیاری ہے سلیقہ مند اور کیرنگ بھی ہے۔" وہ پرسوچ انداز میں ایک دوسرے کو دیکھ کر نظریں چرانے لگیں۔

"اگر ایسا ہوا تو وہ اپنے ساتھ ظلم کرے گا۔

قریب کھڑی نوراں نے سلیقہ کی اڑی اڑی رنگت دیکھ کر افسوس سے سوچا۔ اتنے اچھے دل کی لڑکی۔ کردار کی پاکیزہ، قابلیت اور لیاقت میں نمایاں۔ ایسے لڑکیاں تو ناپید ہیں اس زمانے میں۔"

سلیقہ ساکت سی بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ وہ خوش فہم تو کبھی بھی نہ تھی۔ اسے شیرو کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دکھائی دیتی تھی۔ وہ اسی زبان کی تحریر تھی جو اسے پڑھنی بھی آتی تھی۔ وہ محض لفظوں کے رنگ دیکھ کر اپنی طرف سے خوش فہمی کے رنگین محل نہیں بنا رہی تھی بلکہ ہر لفظ کے ہجے سمجھ کر ہی یقین کے سفر پر نکلی تھی جس کی منزل عشق کی انتہا ہوتی ہے وہ تو اسی انتہا، اسی بلندی پر کھڑی تھی، اب اچانک بغیر کسی وجہ کے اس بلندی سے اسے نیچے گرانے والا بھی وہی تھا جو اس کا یقین، اس کا اعتبار تھا۔

"اس نے وجہ تو بتانی ہوگی۔ آخر کیوں کیا اس نے یہ سب، ہماری عزت اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی؟" راحیلہ بیگم کی طبیعت بگڑ رہی تھی وہ ایسے کسی بھی حادثے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھیں۔ اور یہ بات تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ وہ جو اپنا تھا وہ یوں غیروں والا کام کرے گا۔

"پلیز خود کو سنبھالنے کی کوشش کریں۔"

"تمہارے ابو کا سامنا کیسے کروں گی کہ ان کی لاڈلی بیٹی کے ساتھ یہ سب کرنے والا میرا وہ بھانجا ہے جس کے لیے ہمیشہ آسانیاں پیدا کرتے رہے ہم۔ اور وہ بدلے میں مشکلات دے رہا ہے۔"

وہ بے ترتیب سانسوں پر قابو پانے کی کوشش میں ناکام تھیں۔

"نوراں! امی کو دیکھو، بے ہوش ہوگئی ہیں۔ جلدی سے ابو کو بلاؤ۔ سلیقہ..... سلیقہ امی چپ ہوگئی ہیں ان کی سانسیں رکی ہوئی ہیں..... امی امی..... امی۔" وہ دونوں بہنیں چیخ رہی تھیں۔ ماں کو پکار رہی تھیں لیکن آج ماں بالکل چپ تھیں۔ نوراں کی رنگت پیلی زرد ہوگئی تھی۔ وہ ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے پتھر کا بت بنی سب کو گھورے جا رہی تھی۔ طوفان کے بعد والی خاموشی نے ماں کے وجود کا احاطہ کیا ہوا تھا بیٹیوں کی آہٹ پر مسکرا دینے والی آج ان کی چیخوں کو بھی نہیں سن رہی تھیں۔

☆☆☆

راحیلہ بیگم کا چالیسواں ہوگیا تھا۔ دونوں بیٹیاں باپ کے کمرے میں اسی پلنگ پر بیٹھی تھیں جہاں ماں سوئی تھی۔ سلیقہ بستر کی سفید چادر کو پیار سے سہلاتے ہوئے ماں کی باتیں کر رہی تھی جبکہ جگنو کی متورم آنکھیں سائیڈ ٹیبل پر رکھی تصویر پر جمی تھیں تصویر میں راحیلہ بیگم اپنی دونوں بیٹیوں اور شوہر کے ساتھ مسکراتی ہوئی بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

"میری وجہ سے امی چلی گئی ہیں۔ میں ہی ان کی قاتل ہوں اور ابو کی مجرم بھی تو میں ہی ہوں۔ ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ابو کی زندگی کی طرح ان کا دل بھی خالی خالی ہے۔" اس کی گہری اداس آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"سلیقہ تم بے قصور ہو۔ سارا قصور اس کا ہے جس نے بے حسی کی انتہا کر دی۔"

"میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی جگنو۔"

جگنو طنزیہ انداز میں ہنس دی۔

"وہ معافی مانگے بھی تو..... وہ تو کل غیروں کی طرح آیا اور اپنے نکاح کا کارڈ دیتے ہوئے احسان جتا گیا کہ شازیہ کے گھر والے جلدی کر رہے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تھے لیکن میں نے کہا کہ خالہ جان کا چالیسواں جب تک نہ ہو جائے میں نکاح کی تقریب نہیں رکھ سکتا۔"

جگنو نے دیکھا سلیقہ نے بستر کی چادر کو اتنی مضبوطی سے بھینچا کہ اس کے ہاتھ کی پشت نیلی ہو گئی تھی۔

"دفع کرو۔ اسے بھی اور اس کے ذکر کو بھی میری سانس رکنے لگتی ہے اس کا نام سن کر۔ یوں سمجھو کہ وہ کبھی ہماری زندگی میں تھا ہی نہیں۔" سلیقہ نے اسے گلے لگا لیا اور دونوں بہنیں ایک دوسرے سے لپٹ کر رونے لگیں۔

"وہ اس امریکہ پلٹ شازیہ درانی کے ہی قابل تھا۔ جس کے پاس صرف گرین کارڈ ہے اور کچھ نہیں۔ میری بہن میں کس چیز کی کمی ہے اس کو تو اللہ نے بہت اچھے ساتھی کا انعام دینا ہے۔"

وہ جگنو کی بات سن کر سسکنے لگی۔ "میں اب خود کو بدل لوں گی۔ چھوڑ دوں گی سارے شوق۔" اس کے جملے جگنو کے دل پر تیر بن کر لگے۔

"نہیں! یہ ہماری ماں کا دیا گیا سلیقہ ہے وہ کتنا فخر کرتی تھیں کہ میری سلیقہ اسم بامسمیٰ ہے۔ آپ ایک ناقدرے انسان کے لیے خود کو نہیں بدلیں گی۔ سمجھیں؟" وہ اسے جھنجھوڑ کر بولی تو سلیقہ نے اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

☆☆☆

بڑے سے ہال میں تقریب منعقد تھی۔ بہت بڑے پیمانے پر کوکنگ کا مقابلہ ہوا تھا۔

میزبان نے تالیوں کی گونج میں پہلے نمبر پر آنے والی کا نام پکارا۔

"مس سلیقہ سجاد سے درخواست ہے کہ اسٹیج پر تشریف لائیں۔" وہ کالی ویلوٹ کے سوٹ میں ملبوس ہم رنگ دوپٹے کو سنبھالتی اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ سیدھی انعام دیتے ہوئے شہر کے مشہور تاجر ابراہیم ابدال کے دل میں جا بیٹھی۔

بہن اور باپ کی معیت میں وہ خوشی کے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں ملتی ہوئی اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ چکی تھی۔ "مجھے اپنی بیٹی پر فخر ہے اور یقیناً تم نے یہ سب اپنی محنت اور لگن سے حاصل کیا ہے بیٹی۔" ابو نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

"کاش آج امی زندہ ہوتیں تو کتنی خوش ہوتیں وہ۔" اس نے آنکھیں باری باری ہتھیلی کی پشت سے صاف کیں تو جگنو نے بھی اپنی آنکھوں کی دھند صاف کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"میں ہوں تو چھوٹی لیکن مجھے امی سمجھ کر ایک بار گلے سے لگ جاؤ۔ مجھے تمہاری کامیابی نے خوش کر دیا ہے یار۔"

وہ اسے لپٹائے ہوئے بولی تو سجاد صاحب نے بھی اپنی آنکھوں کا پانی عینک اتار کر اس رومال میں سمیٹ لیا جو سلیقہ کی ماں نے انہیں بنا کر دیا تھا۔

☆☆☆

"رضوی صاحب! پہلے نمبر پر آنے والی سلیقہ سجاد کا کانٹیکٹ نمبر مجھے فوری چاہیے۔" اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی اپنے پرسنل سیکرٹری سے کہا۔

"خیریت سر؟" وہ پرانا ملازم تھا اس لیے حیرانی سے پوچھ رہا تھا کیونکہ پہلی بار ابراہیم ابدال نے کسی خاتون کا نمبر لینے کا کہا تھا۔

"اپنے ہوٹل کے سلسلے میں ان سے ملاقات کے لیے وقت لینا ہے۔" وہ عام سے انداز میں کہہ کر فون کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

سیکریٹری کو اب مزید حیرانی ہوئی کیونکہ آج تک لوگ ان سے وقت لیتے آئے تھے آج وہ کسی سے ملاقات کا وقت لینے کی بات کر رہے تھے۔

☆☆☆

جگنو کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اس کا رشتہ چند ماہ پہلے بہت اچھی فیملی میں طے ہوا تھا اور عباس احمد سے مل کر جگنو کے دل سے سارے خدشات کی دھند صاف ہو گئی تھی۔ وہ جو شہریار کی وجہ سے مرد ذات سے بددل ہو چکی تھی۔ اب پھر سے اعتبار کرنے لگی تھی۔ سلیقہ کسی بھی رشتے والی کے سامنے نہیں آتی تھی کیونکہ اس نے شادی نہ کرنے کا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

فیصلہ کرلیا تھا اور اس فیصلے پر اب تک ڈٹی ہوئی تھی۔

ماں کے بعد خالہ کبھی کبھار حال پوچھنے آجاتیں۔ لیکن ان کی نظریں ہمیشہ بھانجیوں اور بہنوئی کے سامنے جھکی رہتیں۔ وہ شرمندہ تھیں کہ بیٹے کے غلط فیصلے نے ان کی بہن کی زندگی چھین لی اور پورے خاندان کو خوشیوں سے محروم کردیا۔

وہ جب بھی آتیں جگنو اور سلیقہ کے چہرے پر چھائے دکھ کے بادل انہیں اداس کردیتے۔

''شہریار کی بیوی بہت بدتمیز ہے نہ بچوں کا خیال رکھتی ہے نہ ہی میرا۔ امریکہ سے آتی ہے تب بھی وہیں رہتی ہے زمین پر تو اس کے پاؤں ہی نہیں ٹکتے۔'' وہ چپکے چپکے نوراں کو دل کے زخم دکھاتیں کیونکہ بھانجیاں ان کے منہ سے شہریار کا نام سننا پسند نہیں کرتی تھیں بلکہ ایک دن جگنو نے صاف کہہ دیا تھا کہ.....

''خالہ! ہماری ماں کے قاتل کا نام ہم اس گھر میں نہیں سننا چاہتے۔ پلیز!''

وہ کیا کہتیں افسوس سے سر ہلا کر سوچنے لگیں۔

''شہریار تم نے میری بہن تو چھین لی تھی۔ میری بیٹیاں بھی چھین لی ہیں۔'' وہ دل پر بوجھ لیے واپس لوٹ جاتیں۔ جہاں شازیہ کا خوف انہیں کمرے سے نکلنے نہیں دیتا تھا۔

''شہریار اسے کہو کم از کم کھانا تو بنایا کرے۔ میں شوگر کی مریضہ ہوں اور بھوک سے چکر آنے لگتے ہیں۔ نوکرانی اس کے کاموں سے فارغ نہیں ہوتی۔ میں خود کر نہیں سکتی کھانے پکانے کا کام۔'' وہ شکوہ کناں ہوتیں۔

شہریار چپ چاپ کچن میں جاکر ماں کے لیے کچھ بنا کر لے آتا۔

''کب تک چلے گا ایسے؟'' وہ لاجواب سا ماں کی طرف دیکھتا رہتا۔

''گھر میں ہر طرف بے ترتیبی اور گند کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ مالکن ہی بدسلیقہ ہو تو کام والی کو کیا پڑی ہے کہ جان تھکائے؟''

وہ دھیمے لہجے میں کہتیں کیونکہ شازیہ انتہائی بدتمیزی سے انہیں جواب دیتی تھی۔

''تم نے بہت گھاٹے کا سودا کیا ہے میرے بچے۔ ہیرا چھوڑ کر کوئلہ لے لیا ہے۔''

اس کی خاموشی شرمندگی کا اظہار بھی تھی۔

وہ مسلسل سر جھکائے اپنے ناخنوں پر نظر جمائے شرمندہ سے بیٹے کو اک آہ بھر کر دیکھتی رہتیں۔

☆☆☆

''جی کون؟'' اجنبی آواز سن کر اس نے پوچھا۔

''مس سلیقہ سجاد! میں ابراہیم ابدال ہوں۔ مجھے اپنے ہوٹل کے انتظامات سنبھالنے کے لیے ایک محنتی اور منفرد آئیڈیاز رکھنے والی لڑکی کی ضرورت ہے اور اس سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

وہ انہیں اچھی طرح سے جانتی تھی ہوٹل مینجمنٹ کے شعبے کی مشہور ترین شخصیت تھے۔

''آپ نے ہی اس دن مجھے انعام دیا تھا کوکنگ مقابلہ جیتنے پر۔''

''یاد آگیا۔'' وہ یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ انہیں پہچانتی ہے۔

''جی۔ جی بالکل میں وہی ہوں۔'' وہ شہر کا مشہور ترین آدمی اتنی سی پہچان پر بھی خوش ہوگیا تھا۔ اس نے خوشی سے بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جلدی سے کہا۔

''جی میں ابو سے اجازت لے کر آپ کو آگاہ کرتی ہوں۔'' اس نے فون بند کردیا۔

وہ فون ہاتھ میں پکڑے اس حسین لڑکی کو تصور میں دیکھتے ہوئے مسکرادیا۔

''بیٹا لگتا ہے آج بہت بڑی خوشی ملی ہے؟'' بی جان اس گھر کی خاندانی ملازمہ تھیں۔

''بی جان! اب لگتا ہے اپنے سابقہ فیصلے پر نظر ثانی کرنی پڑے گی۔''

وہ شرارت سے بولا تو وہ مسکرادیں۔

''امریکہ والوں کو یہ خبر خوش کردے گی۔'' وہ بھی مسکرادیں۔ ''بیگم صاحبہ تو ناامید ہی ہوگئی تھیں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آپ کی ضد کی وجہ سے۔"

"امی اور آپا کا ہر فون اس بات پر اینڈ ہوتا ہے کہ لڑکی پسند کرو۔ میں نے کہا تھا نا کہ جو پسند آئے گی اسے فوری اپنا لوں گا۔ اب ایسا ہی ہوا ہے وہ پسند تو آگئی ہے۔ اماں اور آپا کو بھی بتا دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ تمہاری پسند ہم سب کو قبول ہے بس جلدی سے بات کراؤ ہماری۔" وہ ساری بات انہیں بتا کر اب سوچ میں گم تھا۔

"تو ٹھیک ہے نا اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہوگی؟ اب کیا مسئلہ ہے؟"

"مسئلہ تو ہے نا۔ ابھی تک میں نے اس سے بات ہی نہیں کی، کیا خبر وہ کہیں انگیجڈ ہو؟" اس کے لہجے کے حدشات اس کی اندرونی کشمکش کے مظہر تھے۔

"تو کسی بہانے یہاں بلا لو۔ باقی کی معلومات میں لے لوں گی اس سے۔" مشورہ تو اچھا تھا وہ اس کے نمبر پر میسج کرنے لگا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا مس سلیقہ سجاد۔" ابراہیم ابدال جیسا بندہ بھی نروس ہو رہا تھا۔

فوری اس کا فون آگیا۔

"جی ابراہیم ابدال صاحب! مجھ سے میسج نہیں لکھے جاتے اس لیے فون کر لیا۔ اصل میں ابو نے تو کوئی پابندی نہیں لگائی لیکن میں کام دیکھ کر کوئی جواب دے سکوں گی۔ میں نے فائن آرٹ پڑھا ہے اور مجھے انٹیریئر ڈیکوریشن کوکنگ و ہینڈی کرافٹس وغیرہ میں بھی دلچسپی ہے۔ اگر کام میری دلچسپی کا ہوا تو اس سے اچھی بات کوئی نہیں ہوگی۔ لیکن اگر مجھے کام پسند نہ آئے تو پھر پیشگی معذرت قبول کرنی ہوگی آپ کو۔" اتنا نخرہ تو بنتا تھا اس کا۔ آخر اتنے بڑے ادارے کے سربراہ نے خود فون کر کے کام کی آفر کی تھی۔

"تو ٹھیک ہے آپ کل چار بجے تشریف لے آئیں۔ انٹرویو دینے نہیں بلکہ لینے۔" وہ خوش گوار انداز میں گویا ہوا تو اس نے فخریہ انداز میں فرضی کالر جھاڑتے ہوئے سوچا۔

"بندہ ٹھیک ٹھاک امپریس ہے میری صلاحیتوں سے۔"

اس کے کانوں میں جگنو کے الفاظ گونجنے لگے۔ "شہریار بھائی کہتے ہیں میں سلیقہ کے سلیقے سے تنگ ہو گیا ہوں۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے اٹھی اور پر انٹرویو کی تیاری کے بارے میں سوچنے لگی۔ ایڈریس شاید اس کے گھر کا تھا کیونکہ بنگلہ نمبر لکھا تھا۔ "شاید آفس گھر میں ہی بنا رکھا ہو۔" اس نے سر جھٹکتے ہوئے سوچا اور گنگناتے ہوئے کل کے لیے مناسب لباس منتخب کرنے لگی۔

☆☆☆

"تو میں اکیلی جاؤں وہاں؟" اس نے جگنو کی منت کی لیکن وہ راضی نہ ہوئی۔

"پورے محلے کو لے جاؤ ساتھ۔ سامنے والی شمیم آنٹی، ان کے ساس سسر، دائیں والے جمشید انکل ان کے تینوں بیٹے بہوؤں اور سولہ بچوں سمیت..... اور..... اور....."

سلیقہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مجھ سے نہیں ہوتے یہ بورنگ کام۔ انٹیریئر ڈیکوریشن اور کوکنگ شوکنگ سے مجھے ذرا دلچسپی نہیں۔" وہ اسے گھورے جا رہی تھی۔

"بد سلیقہ لڑکی۔" سلیقہ نے منہ بنا لیا۔

"واہ بہت پیاری لگ رہی ہے میری بہن۔" سفید نیٹ کی لانگ فراک اور گرین دوپٹے میں بالوں کی لمبی سی چٹیا ایک سائیڈ پر ڈالے مسکارے اور ہلکی سی لپ اسٹک سے سجے چہرے پر پف سے پاؤڈر سیٹ کیا ہوا تھا۔

"ہیں؟ یہ کیا ہے؟" جگنو نے اس کی کلائی پر بندھا کپڑے کا سبز اور سفید بریسلٹ دیکھ کر قدرے حیرانی و پریشانی سے پوچھا تو سلیقہ کا رنگ اڑ گیا۔

"وہ..... وہ....." وہ ہکلائی

"ہاں ہاں کہیں نا زبان کیوں لڑکھڑا رہی ہے۔ بول دیں کہ جگنو بی بی آپ کے نئے سوٹ کے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ساتھ کا گرین دوپٹہ میرے ہتھے چڑھ گیا اور میں نے اسے پھاڑ پھوڑ کر یہ بریسلٹ بنالیا ہے۔" وہ اپنے کاٹن نیٹ کے گرین سوٹ کو تصور ہی تصور میں رو چکی تھی۔

"یہ دیکھو یار! ضائع نہیں ہوا سوٹ۔ اس سفید کپڑے کے ساتھ میچنگ کپڑا چاہیے تھا سو تمہارے لیے اسٹائلش دوپٹہ بھی بنالیا اور میرا کام بھی ہوگیا۔" اس نے الماری کھول کر ہینگر میں لگا دوپٹہ کھول کر اسے دکھایا۔

"واؤ....." دوپٹے کی خوب صورتی اور چمک سے جگنو کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔

"اتنا حسین دوپٹہ؟"

"ہاں میں نے اس میں سفید کپڑے کے ٹکڑے جوڑ کر گوٹا لگالیا اور بچی ہوئی ان کترنوں سے یہ بریسلٹ بن گیا۔" وہ فخریہ بولی تو جگنو دوپٹہ اوڑھتے ہوئے آئینے کے سامنے کھڑی ہوکر اپنا جائزہ لینے لگی۔

"کیا دماغ ہے میری بہن کا۔" وہ اس کی بات سن کر مسکرادی۔

"اب اگلی خبر بھی سن لو پیاری۔ مگر پہلے دل تھامنا پڑے گا۔" اس نے ڈرتے ڈرتے اپنے پاؤں آگے کیے اور جگنو سکتے کی سی کیفیت میں اسے دیکھنے لگی اس کے سرخ نگوں والے قیمتی جھمکے سلیقہ بی بی کے شوز پر سجے تھے۔

"یہ..... یہ کیا ہے؟"

"چلو اچھا ہوا تم نے پہچانے ہی نہیں اپنے جھمکے۔" وہ اطمینان سے کہتے ہوئے پرس جھلاتی باہر نکل گئی اور جگنو صدمے سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

"توبہ کس قدر بری سیٹنگ کی ہوئی ہے گھر کی اتنے قیمتی سامان کو غلط جگہ پر رکھ کر اس کا سارا حسن ہی چھین لیا ہے ظالموں نے۔ یونہی کہتے ہیں کہ خدا جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آ ہی جاتی ہے۔" وہ بڑے سے لاؤنج سے گزر کر ڈرائنگ روم میں بیٹھی بڑبڑا رہی تھی۔

"بیٹھو بیٹی، ابراہیم صاحب آتے ہی ہوں گے۔"

وہ نوکرانی لگ رہی تھیں لیکن نہیں بھی لگ رہی تھیں۔ سلیقہ کو محسوس ہوا کہ وہ سر سے پاؤں تک اسے بغور دیکھ رہی ہیں۔ ان کے جانے کے بعد سلیقہ کے ہاتھوں میں کھجلی ہونے لگی۔ وہ اٹھی اور دو تین چیزوں کی جگہ تبدیل کردی۔

ابھی وہ گلدان میں لگے پھولوں کی ٹہنیاں ٹھیک سے ترتیب دے رہی تھی کہ پیچھے سے کھنکھارنے کی آواز سن کر تیزی سی پلٹی۔

ابراہیم ابدال نے دلچسپی سے دیکھا اس کے دونوں ہاتھوں میں پکڑے پھول اب پاؤں میں گر چکے تھے۔ وہ مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کبھی دزدیدہ نظروں سے پھولوں کی طرف دیکھ رہی تھی اور کبھی ابراہیم ابدال کو "پہلا امپریشن ہی خراب ہوگیا اب چاہے جتنی بھی اسمارٹ بنوں کچھ نہیں بننے والا۔" وہ بے خیالی میں ناک سکوڑتے ہوئے ابراہیم ابدال کے دل میں دوبارہ سے بس گئی۔

وہ حیران تھا نہ اجازت لی نہ ہی کچھ پوچھا اور مالکانہ حقوق حاصل کرلیے۔ وہ آگے بڑھا نیچے جھک کر اس کے پاؤں کے پاس پڑے پھول اٹھائے اور اس کے ہاتھ کو اپنے جوتے سے چ ہوتے دیکھ کر سلیقہ نے تیزی سے پاؤں پیچھے کھینچ لیے۔ بے شک جگنو کے قیمتی جھمکوں سے سجے شوز بہت منفرد اور حسین لگ رہے ہیں لیکن اب اتنے بھی نہیں کہ لوگ جھک جھک کر انہیں چھونے لگیں۔

"سوری سر اصل میں یہ پھولوں کی سیٹنگ کچھ زیادہ اچھی نہیں لگی اس لیے۔" وہ ہولے سے بولی تو وہ مسکراتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی اس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گیا۔

"مجھے آپ کے کام کی انفرادیت پسند آئی۔ مجھے ہوٹل انڈسٹری سے وابستہ ہوئے کئی سال ہوچکے ہیں میرے بڑوں نے بھی یہ کاروبار کامیابی سے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

چلایا۔ لیکن اس وقت ہمیں جن چیلنجز کا سامنا ہے اس میں سے ایک بڑا چیلنج صحت مندانہ اور منفرد کھانا کم کیلوریز کے ساتھ پیش کرنا ہے۔ آپ کا چار مختلف ذائقوں پر مشتمل کیک جس نے آپ کو واضح طور پر برتری دلائی اور آپ پہلا انعام جیت گئیں۔ مجھے اس کیک کی بیکنگ پر حیرانی ہوئی یہ کمال کی بات ہے ویسے۔'' وہ بے یقینی سے سن رہی تھی۔

''کتنا اچھا لگ رہا ہے آپ کی زبان سے اس کیک کی تعریف سننا، جس کی برائی سنی تھی شہریار کے منہ سے۔'' وہ یہ سوچتے ہوئے خوش تھی بہت خوش۔

''مجھے آپ سے انٹرویو کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ آپ کے ہاتھ کا منفرد ذائقہ ہی آپ کا تعارف ہے اور وہ میں اس کمپیٹیشن میں چکھ چکا ہوں۔ ہمارے ہاں نت نئے تجربات کرنے سے لوگ ڈرتے ہیں جبکہ میری یہ شدید خواہش ہے کہ ہم کچھ منفرد اور نئے ذائقوں سے لوگوں کو آشنا کریں۔'' وہ فخر وانبساط کی کیفیات میں سن رہی تھی۔

''لیکن مس سلیقہ! میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ جیسی منفرد آئیڈیاز رکھنے والی لڑکی پہلے کچھ دن میرے گھر کا بگڑا ہوا آوا ٹھیک کر دے پھر اس کے بعد آپ جائیں اور ہوٹل جانے۔ ان شاءاللہ ہر طرح کی سہولیات اچھا ماحول اور پک اینڈ ڈراپ کی سہولت آپ کو میسر ہوگی۔'' وہ گھڑی میں ٹائم دیکھ کر اٹھنے لگا۔

''میں کب سے آؤں؟'' وہ بھی مطلب کا سوال پوچھ کر اٹھنے لگی۔

''ابھی سے۔ گھر آپ کے سامنے ہے۔ میں گھر میں اکیلا ہوتا ہوں، نوکروں کے رحم و کرم پر۔ میری والدہ باہر ہوتی ہیں وہاں میری آپا بھی ہیں ان کا بیٹا ہوا ہے۔ تبھی امی مجھے اکیلا چھوڑ کر وہاں ان کے پاس کچھ عرصہ رہنے گئی ہیں۔'' وہ ساری تفصیل بتا رہا تھا جبکہ سلیقہ ـــــ ہال کی سجاوٹ کو دیکھتے ہوئے آس پاس کی سیٹنگ پر غور کر رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے پر پھیلی عدم دلچسپی دیکھ کر زیر لب مسکرا دیا۔

''آپ پلیز چائے لیں۔ ہماری بی جان بہت اچھی چائے بناتی ہیں۔'' وہ بی جان کو چائے لاتا دیکھ کر اٹھ گیا۔

اس کے جانے کے بعد بی جان کے سوالات شروع ہوئے۔

''بیٹی کہیں منگنی تو نہیں ہوئی؟'' وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

''جی نہیں، مجھے ابھی شادی نہیں کرنی اس لیے منگنی بھی نہیں کی۔'' اس کے جواب پر وہ زیر لب مسکرا دیں۔ جبکہ سلیقہ پہلا گھونٹ لیتے ہی چائے میں نقص نکالنے لگی لیکن بزبان خاموشی۔

☆☆☆

''بی جان! کیسی لگی؟'' اس سوال پر وہ مسکرا دیں

''بیٹا اس سے اچھی لڑکی کوئی اور نہیں مل سکتی آپ کو۔ فوری طور پر رشتے کی بات کریں اور اس سلیقے کی پڑیا کو گھر لائیں۔ چند دن میں ہی اس نے گھر کا حلیہ بدل دیا ہے اور کچن کی تو جیسے حالت ہی بدل دی ہے۔ ہر چیز میں ترتیب اور سلیقہ نظر آ رہا ہے۔ اور میں نے اس سے سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔ منگنی ہوئی تھی کزن کے ساتھ لیکن وہ اس کے قابل نہ تھا اس لیے منگنی توڑ دی۔ جبکہ ماں دمے کی مریضہ تھی بھانجے کے انکار نے اسے گور تک پہنچا دیا۔ اب چھوٹی بہن کی شادی ہے اور گھر میں باپ بیٹی اکیلے رہ جائیں گے۔'' وہ رپورٹ دے رہی تھیں۔ جبکہ ابراہیم ابدال نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا۔

''یہ تو اچھی خبر سنائی آپ نے۔ بس امی اور آپا کو بلاتے ہیں بات کرنے کے لیے۔''

''ٹھیک ہے بیٹا آپ بات کر لیں ان سے کہ وہ کب آ رہی ہیں لڑکی تو ہیرا ہے ہیرا۔'' وہ ان کی خوشی دیکھ رہا تھا۔

''بی جان! یہ آپ کے لیے شوگر فری کیک

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بیک کیا ہے اور ساتھ میں اخروٹ والی چائے۔'' وہ ٹرے ہاتھ میں اٹھائے اندر آئی تو ابراہیم کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

''ہیں؟ ادرک کی چائے شہد اور زعفران کی چائے، سبز چائے، کشمیری چائے وغیرہ تو سن رکھا ہے لیکن یہ اخروٹی چائے؟'' وہ بی جان کے سامنے رکھی ٹرے میں سے چائے کی پیالی اٹھا کر پینے لگا۔

''واہ زبردست اور منفرد ذائقہ ہے۔ ایسی چائے تو ہمیں ہوٹل میں متعارف کرانی چاہیے۔'' اس نے بے اختیار کہا تو وہ مسکرادی۔

''سر! یہ میری اپنی ریسپی ہے اخروٹ شوگر پیشنٹس کے لیے بہت مفید ہوتے ہیں۔ اخروٹ میں گڈ کولیسٹرول اور فائبر وافر مقدار میں موجود ہوتا ہے۔''

''واہ واہ کیا آئیڈیا ہے۔'' ابراہیم ابدال نے پھر سراہا۔

''بیٹا میں اپنے کمرے میں جاتی ہوں وہیں یہ کیک بھی کھالوں گی۔'' وہ ٹرے اٹھا کر اندر چلی گئیں

''کیسا لگ رہا ہے کام؟'' وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''بہت مزہ آرہا ہے ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے میں اپنے ہی گھر میں کام کر رہی ہوں۔'' وہ سچ کہہ رہی تھی۔

ابراہیم ابدال نے اسے بغور دیکھا۔ سادہ سے حلیے میں کھلے بالوں کی سیدھی مانگ نکالے وہ بہت گھریلو سی لڑکی لگ رہی تھی۔

''کیا آپ مجھے..... مجھے..... ایک کپ اخروٹی چائے مل سکتی ہے؟'' وہ کچھ کہتے کہتے بات بدل گیا۔

''جی جی کیوں نہیں۔ میں ابھی بنوا کر لاتی ہوں۔'' وہ کھل گئی۔

''سنیں؟'' وہ ٹھٹکی۔

''جی؟''

''آپ..... آپ..... اس گھر کو اپنا گھر سمجھ سکتی ہیں؟''

وہ حیران ہوئی ''میں سمجھی نہیں سر؟''

''میں آپ کو اس گھر میں ہمیشہ رہنے کا حق دینا چاہتا ہوں۔'' اس کی آنکھوں کی تپش سے سلیقہ کے گال تپ اٹھے۔

''اسے تو شرمانے کا بھی خوب سلیقہ آتا ہے۔'' وہ اس کے گالوں کی لالی دیکھ کر سوچ رہا تھا۔

''میں سمجھی نہیں آپ کا مطلب کیا ہے؟'' اس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''مگر آپ کا چہرہ بتا رہا ہے آپ سمجھ گئی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔''

وہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی' اونچا لمبا قد متناسب جسامت اور چمکتی آنکھوں والا گندمی چہرہ۔

شہریار سے کہیں حسین اور امیر آدمی ہے یہ۔ اور سب سے بڑھ کر قدردان ہے تیرا۔ ہاں کہہ دے پگلی ایسے موقعے زندگی میں بار بار نہیں ملتے۔

اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔

''میں آپ کے ابو سے ملنے کب آؤں؟'' وہ ذرا سا قریب آکر بوجھل لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

وہ چپ تھی عجیب سی کیفیت کا شکار بھی۔ اس وقت کیا کہنا چاہیے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا لیکن چپ تو توڑنی تھی۔ کچھ تو کہنا تھا۔

''جی جب آپ چاہیں۔'' اس نے بمشکل کہا اور باہر نکلنے لگی۔

''سنیں؟ ہمارے گھر آتے ہوئے پھولوں کا بکے نہ لائیے گا وہ تو سب ہی مہمان میزبان کے گھر لاتے ہیں۔'' وہ رک کر پلٹے بغیر بولی تو وہ ہنسنے لگا۔

''یہ تو بتائیں کہ کیا لاؤں؟''

وہ شوخی سے بولا۔

''ایسا کروں گالان سے سرخ اور سفید پھولوں کے دو تین گملے ساتھ لے آؤں گا۔''

''جی بالکل! اس طرح جب تک ان پودوں میں پھول کلیاں کھلتی رہیں گی تب تک آپ کا پہلی بار آنا یاد رہے گا بکے تو دوسرے دن ہی مرجھا جاتا ہے جسے ڈسٹ بن کا حصہ بنانا پڑتا ہے۔'' وہ سمجھنے والے انداز

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

میں سر ہلانے لگا وہ زیر لب مسکراتے ہوئی باہر نکل گئی۔
اس کے جاتے ہی وہ بھی مسکراتے ہوئے ماں کا نمبر ملانے لگا۔

☆☆☆

وہ دونوں بہت دنوں بعد اکٹھی میکے آئی تھیں اور باپ کی خوشی دیدنی تھی۔
"جگنو ایسا لگتا ہے جیسے ہم بہنیں نہیں ہیں بلکہ فقط جاننے والیاں ہیں۔"
"ہاں یار! میں تو ینگ ہوم پروجیکٹ میں مصروف ہوں آج کل اور ساتھ میں یہ گڈا۔ یہ بھی تو کل وقتی نوکری ہے۔" ننھا سعد اس کی گود میں اور دو جڑواں بچے جگنو کی گود میں تھے۔
"اللہ کتنا مہربان ہے نا؟ اس نے اتنے اچھے جیون ساتھی ہماری قسمت میں لکھے ہیں۔" وہ دونوں رب کی شکر گزار تھیں۔
"بس امی کی کمی محسوس ہوتی ہے وہ ہوتیں تو کتنی خوش ہوتیں اور ابو یوں اکیلے بھی نہ ہوتے۔" دونوں کی آنکھیں بھیگی تھیں۔
"ابو خوش ہیں۔ ینگ ہوم میں دوستوں کے ساتھ وقت اچھا گزر رہا ہے ورنہ تو امی کے بعد ان کی حالت ہی بری ہوگئی تھی۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔
"اچھا خالہ کی طرف چلتے ہیں۔ وہ بہت بیمار ہیں، ہمیں ان کی طبیعت کا پوچھنے جانا چاہیے۔ انہیں اللہ صحت اور زندگی عطا فرمائے۔" اس نے دعا کی۔ کچھ دیر بعد وہ خالہ کے سرہانے تھیں۔
"خالہ بولیں نا کچھ تو۔"
وہ نقاہت و کمزوری کی وجہ سے چپ تھیں۔ اندر دھنسی آنکھیں، جھریوں بھرا چہرہ اور آنکھوں میں لکھی ویرانی سفید بال بکھرے ہوئے تھے اور کپڑوں سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ گھر بھی عجیب گندا اور پھیلا ہوا تھا۔ وہ بار بار معافی کے لیے جھریوں بھرے دونوں ہاتھ جوڑ رہی تھیں۔ جنہیں سلیقہ نے ہاتھوں میں تھام کر چوم لیا تھا۔
"دفعہ کریں خالہ پرانی باتیں بھول جائیں۔


بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اُگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت -/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/400 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/600 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1100 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021


Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

یہ بتائیں کہ ہماری بھابھی کہاں ہیں؟'' جگنو کے سوال پر ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''وہ سو رہی ہیں اور ہماری اتنی ہمت نہیں کہ ہم انہیں جا کر یہ کہیں کہ گھر میں مہمان آئے ہیں اور وہ بھی برسوں بعد۔'' یہ شہریار تھا۔ سلیقہ نے مڑ کر دیکھا اور اک عجیب سی اداسی کی لہر رگ و پے میں پھیل گئی۔

بڑھی ہوئی شیو زرد رنگت ملگجے کپڑے اور چہرے پر حزن و ملال کی کیفیت۔

''یقین کرو اک مدت کے بعد صحرا میں بہار آئی ہے۔'' وہ سلیقہ کے خوشبوؤں میں بسے کھلے کھلے وجود سے نظریں چرا رہا تھا۔

''صحرا؟ گھر کو صحرا نہیں کہتے شہریار بھائی۔'' جگنو نے سرزنش کی۔

''بس چھوڑو میری بہن۔ گھر اور صحرا کا فرق بتایا تو تم کہو گی اس جگہ کو صحرا کہنا بھی غلط ہے صحراؤں میں کم سے کم بارش کی امید تو ہوتی ہے۔

دعائیں مانگنے والے ہاتھ تو ہوتے ہیں۔ لیکن خیر..... ناشکرے لوگوں کو سزا ملا کرتی ہے میں بھی جرم کے مطابق سزا کاٹنے پر راضی ہوں، بس ماں کے لیے پریشان رہتا ہوں کہ انہیں میرے کیے کی سزا بھگتنی پڑ رہی ہے۔'' اس کے شکستہ لہجے میں اعتراف کے ساتھ پچھتاوا بھی تھا۔

سلیقہ نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

''میں اپنے شوہر کی مدد سے خدمت خلق کا ایک ادارہ چلا رہی ہوں جو بوڑھوں اور بچوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرتا ہے۔

ہم نے ایک پرسکون گھر بزرگوں کے لیے بنایا ہے جسے اولڈ ہوم نہیں بلکہ ینگ ہوم کہتے ہیں ہمارے جذبے جوان ہیں اور خدمت خلق کا عزم بھی پختہ ہے کیونکہ اپنے لیے تو جانور بھی جیتے ہیں۔ ہمیں اشرف المخلوقات کے اعزاز پر ہی خوش نہیں ہونا چاہیے بلکہ خود کو اس اعزاز کا اہل بھی تو ثابت کرنا ہے۔'' اس کے چہرے کے گرد نور کا ہالہ سا بن گیا تھا جو شہریار کی نظروں کو خیرہ کر رہا تھا۔

''آپ لے جائیں اماں کو آپ سے زیادہ بھروسے کے لائق بھلا کون ہو سکتا ہے؟'' دونوں بہنوں نے دیکھا خالہ کا چہرہ یہ سن کر کھل سا گیا تھا۔

''سنیں!'' وہ خالہ کا سامان لے کر آخر میں نکل رہی تھی جب کہ خالہ اور جگنو دونوں گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔

''جی؟'' اس کے قدم رکے۔

''معاف کر دیں۔ میں نے بہت ظلم کیا آپ کے ساتھ، یہ احساس جرم مجھے سکھی نہیں رہنے دے گا۔''

وہ بڑے اعتماد سے پلٹی اور دھیرے دھیرے چند قدم اٹھاتی ہوئی بالکل اس کے مقابل کھڑی ہو گئی

''مسٹر شہریار! یہ کس نے کہا کہ آپ نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے؟ آپ تو میرے محسن ہیں آپ نے تو مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اگر آپ یہ سب نہ کرتے تو آج میں اس شخص کی بیوی نہ ہوتی جو ڈھیروں پتھروں اور کوئلوں کے شہر میں کوہ نور ہیرا ہے۔ وہ شخص میرا نصیب بنا جس کو اپنا نصیب بنانے کے لیے بے شمار ماؤں اور بیٹیوں نے دعائیں مانگی ہوں گی کیونکہ ایسے لوگ اللہ کی طرف سے انعام میں ملتے ہیں۔ مجھے تو یاد بھی نہیں کہ میں نے کوئی اتنی بڑی نیکی کی ہو گی جس کا انعام مجھے ان کی صورت میں ملا ہے۔ میں تو آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ چلیں آج موقع مل گیا۔'' اس کے پراعتماد لہجے نے شہریار کو نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ وہیں دیوار سے ٹیک لگائے حسرت بھری نظروں سے گاڑی کو باہر نکلتے دیکھنے لگا۔ ماں کی برسوں پہلے والی بات اس کی سماعتوں کو پگھلے ہوئے سیسے کی طرح جلانے لگی تھی۔

''بیٹا اس ہیرے کو کوئی جوہری مل گیا جسے اس کی قدر ہو گی اور اس کی قیمت کا اندازہ بھی۔ تو دیکھ لینا وہ بہت اونچے مقام تک پہنچے گی کیونکہ وہ اس کی اہل ہے اور وہاں پہنچ کر تمہیں پھوٹا ضرور کرے گی تیار رہنا بونا بننے کے لیے۔''

اسے اپنا آپ آج بہت چھوٹا لگ رہا تھا۔

☆☆

زارا سنجرا

# واہ! مزا آگیا

Waqar Azeem
Pakistanipoint

''عید مبارک امی جان۔'' مہوش کی آواز؟ کچن میں کام کرتی اقصیٰ اور نمرہ اپنی نند کی ''متوقع آمد'' پر بھی یوں ٹھٹکی تھیں جیسے کوئی انہونی ہوگئی ہو۔

''کہاں ہیں میری بھابیاں اور بچے بھی نظر نہیں آرہے۔'' ماں اور بھائیوں سے ملنے کے بعد وہ بھابیوں کے لیے مچلنے لگی۔ اوپر سے انداز ایسا ہوتا کہ بھائی اپنی بہن کے خلوص پر نہال ہونے لگتے۔ وہ دونوں فوراً کچن سے باہر آگئیں۔

''ارے بھابی..... میری اچھی بھابی..... عید مبارک۔'' مہوش پہلے اقصیٰ بھابی کی طرف لپکی۔ منہ، ماتھا چوما اور پھر نمرہ کی باری تھی۔

''نمرہ! بہت پیارا ڈریس ہے بھئی تمہارا اور کس قدر جچ رہا ہے تم پہ۔''

خوشامد کرنا تو کوئی آپ سے سیکھے۔ نمرہ نے دل ہی دل میں سوچا۔

''ارے میری جان عروہ! میں سوچ ہی رہی تھی کہ نیا نویلا شادی شدہ جوڑا نجانے کیوں کمرے سے باہر نہیں نکلا ابھی تک۔'' پیار پیار سے ہی شرمندہ بھی کر ڈالا۔

جواد عروہ بھی کمرے سے باہر آگئے تو اب مہوش کی محبتوں کا مرکز عروہ تھی۔ جوتے سے لے کر جیولری تک ہر چیز کی تعریف کھڑے کھڑے کر ڈالی اور پھر بچوں کے آتے ہی ان کی بلائیں لینے لگی۔

''دیکھا عروہ! کتنی بھولی بھالی اور پیار کرنے والی بہن ہے ہماری۔'' جواد نے نئی نویلی دلہن کو بڑے فخر سے بتایا۔

''ہاں بھئی، یہ تینوں تو خوش قسمت ہیں جو انہیں محبت کرنے والی نند ملی ہے ورنہ نندیں تو بھابیوں کو منہ نہیں لگاتیں۔'' بڑے بھیا بہن کی تعریف میں کیوں پیچھے رہتے۔

''فراخ دل اتنی کہ سب کی موجودگی میں بھابیوں کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتی۔ ایسی بہنیں ہی درحقیقت اللہ کی رحمت ہوتی ہیں۔''

لگے ہاتھوں ساجد نے بھی اس کار خیر (بہن کی تعریف) میں حصہ ڈال دیا۔

اقصیٰ، نمرہ تو کچن میں چلی گئیں۔ نند اور اس کے بچوں کی خاطر مدارت کی تیاری کرنے جبکہ عروہ وہیں بیٹھی نند کی تعریفیں سن رہی تھی۔ اللہ جانے لوگ کیسے اس طرح کی ایکٹنگ کرتے ہیں۔ اقصیٰ بھابی نے سلگ کر سوچا اور مہوش اب بھائیوں اور ماں کی تمام تر توجہ اور محبت کا مرکز بنی ہوئی تعریفیں سمیٹ رہی تھی۔

اقصیٰ اور نمرہ دونوں چچا زاد تھیں۔ اقصیٰ اور شاہد کی شادی پر ہی ان کی ساس کو نمرہ پسند آگئی تو انہوں نے جھٹ اس کا رشتہ مانگ لیا۔ دونوں بہت سلجھی ہوئی، کم گو اور ساس کی فرماں بردار تھیں۔ امور خانہ داری بھی بہت خوش اسلوبی سے نبھا رہی تھیں۔ مہوش ان کی اکلوتی نند، ان کی کم گوئی اور جی حضوری کو حماقت سمجھتی تھی یا کمزوری۔ ان کی ہر ہر چیز پر نظر رکھتی مگر بظاہر بے نیاز بنی رہتی۔

''بھئی ہم تو ہنستے کھیلتے آتے ہیں، ہنس بول کے چلے جاتے ہیں۔ نہ کبھی ادھر اُدھر جھانکا، نہ کسی کو روکا ٹوکا۔''

وہ بڑی بے نیازی سے بھائیوں کے سامنے ایسے جملے اچھال کر انہیں جذباتی طور پر بلیک میل کرتی اور امی جان بھی ہر وقت بیٹوں کے سامنے بیٹی کے قصیدے پڑھتیں۔

مہوش اکلوتی تھی، لاڈلی بھی تھی..... تھی بھی بہت باتونی۔ باتوں باتوں میں دل موہ لیتی۔

''ارے بھابی! کتنے پیارے جوڑے لائی ہیں آپ۔ ایمان سے آپ کی پسند کا تو کوئی جواب نہیں۔ ویسے میرے پاس پیسے ہوتے تو آپ کو دے جاتی جب بازار جاتیں تو میرے لیے بھی ایسا ہی جوڑا لے آئیں۔'' اس کا طریقہ واردات ایسا ہی تھا۔

''ارے تم یہی لے لو نا۔'' بھابی مروت میں کہہ دیتیں تو وہ رسماً بھی انکار نہ کرتی۔

''میری پیاری بھابی..... کتنی اچھی ہیں آپ۔'' وہ بھابی کے گلے میں بانہیں ڈال دیتی۔

نمرہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔

ان دونوں کو نند کے آنے جانے اور بھائیوں کے دل کھول کر نوازنے پر بالکل اعتراض نہیں تھا، بس مہوش کا ندیدہ پن اور لالچی طبیعت سے وہ بہت

Waqar Azeem Pakistanipoint

بیزار ہوگئی تھیں۔

☆☆☆

خیر سے قربانی کا مرحلہ بھی طے ہوگیا تھا اور اب گوشت تقسیم کرنے کی باری تھی۔ شاہد بھائی اور ساجد نے گوشت کے برابر تین حصے کیے اور پھر غرباء کے حصے سے الگ الگ پیکٹ بنائے اور جیسے ہی کوئی غریب گیٹ پر آتا پیکٹ تھما دیتے۔

باقی دونوں حصے خواتین کی تحویل میں دیے۔ اقصیٰ اور نمرہ نے کمر کس لی۔ امی جان بھی کچن میں آگئیں جبکہ مہوش، عروہ کے کمرے میں یقیناً کوئی واردات کرنے گئی ہوئی تھی۔

''اپنا حصہ تم دونوں صاف کرو اور یہ اقربا (یعنی مہوش) کا حصہ میں صاف کرتی ہوں۔''

امی جان نے بڑے سبھاؤ سے مداخلت کی اور پھر دونوں بیٹوں کو بھی آواز دے کر ساتھ لگا لیا کیونکہ یہ اکیلی کے بس کی بات نہیں تھی۔ محلے میں جن جن گھروں سے گوشت آتا انہیں پلیٹوں میں گوشت ڈال کر ان کی طرف بھی بھیج دیا جاتا۔

''چلو بھئی لڑکیو! تم دونوں اب کھانا پکانے کی تیاری کرو۔ بچوں کو بھی بھوک لگی ہوگی اور ثاقب بھی آنے والا ہوگا۔''

انہیں نواسوں اور داماد کی فکر ہوئی اور خود انہوں نے سارا گوشت ٹھکانے لگایا۔ ایک فریج مہوش کے لیے بھر دیا اور باقی بریانی کا الگ سے ہڈی والا گوشت، کبابوں کا علیحدہ اس طرح مختلف پیکٹ بنا کر فریج میں رکھ دیے۔

نمرہ نے مسالا بنانا شروع کر دیا اور اقصیٰ نے سنک پر پڑے ڈھیروں ڈھیر برتن دھونا شروع کر دیے۔ گرمی میں وہ دونوں کچن میں کھڑی پسینے سے بے حال ہو رہی تھیں۔

''امی جان! مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے اور بچے بھی بلک رہے ہیں، سچ بات ہے بھئی۔ ہم نے تو صبح صرف جوس پیا تھا اور ادھر آ گئے۔''

خیر سے نند صاحبہ کا مقصد تھا کہ ماں کو بہوؤں کے پیچھے لگاتیں اور جب وہ بھاگ بھاگ کر کام کرتیں تو وہ دل ہی دل میں اپنی قدر و منزلت پر اتراتی۔

''ویسے یہ پکا کیا رہی ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ صرف ایک سالن پر گزارا نہیں ہوگا کیونکہ ثاقب تو مسالے والا گوشت شوق سے کھاتے ہیں جبکہ بچے نمکین گوشت اور میرا آپ کو پتا ہے، بریانی کے بغیر گزارا نہیں۔''

وہ لاؤنج میں ہی اپنی طرف سے مینو ترتیب دیتی اور ان دونوں کو بنانا پڑتا۔

عروہ کی پہلی عید تھی، اس لیے امی جان نے اسے کچن میں گھس کر پسینہ پسینہ ہونے سے منع کیا تھا۔

☆☆☆

''واہ بھئی مزا آ گیا۔'' وہ چٹخارے لے کر کھا رہی تھی۔ ساتھ یہ تکیہ کلام بھی جاری تھا ''واہ بھئی مزا آ گیا''.....

اور بچے بھی بالکل ماں پر گئے تھے، ایک چیز ابھی ختم نہ ہوتی دوسری مانگ لیتے۔ ماموؤں اور نانی نے بھی تو ''یہ کھاؤ، وہ کھاؤ'' کی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے پہلی دفعہ کھا رہے ہو۔

عروہ بھی دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ ان کی حرکتیں ملاحظہ کر رہی تھی۔

''امی! ہم لوگ کھانے کے بعد عروہ کے امی، ابو کے ہاں جائیں گے۔'' جواد نے کھانے کے دوران بتایا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! ضرور جاؤ۔ جانا بھی چاہیے۔ ہر بیٹی کا دل چاہتا ہے عید پر میکے جائے بلکہ نمرہ، اقصیٰ! تم دونوں بھی کل چلی جانا۔ ابھی مہوش ادھر ہے تو تم دونوں بھی اگر چلی گئیں تو یہ بہت اداس ہوگی اکیلی۔''

امی نے گویا بہوؤں پر احسان عظیم کیا تھا اور ادھر بہوؤں کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ یہ سن کہ نند صاحبہ رات بھی ادھر ہی رکیں گی۔

جب رات بھی ـــــ ٹھہرنا تھا تو پھر دوپہر میں ہی اتنے کھانے بنوانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بے چاری محض سوچ کر ہی رہ گئیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''پتا نہیں کون روکھے پھیکے لوگ ہوتے ہیں جو اپنوں سے دور بھاگتے ہیں۔ میں تو ایک ہفتہ نہ گزاروں اپنے بھائی بھابیوں کی صورتیں دیکھے بنا۔''

''اف چھچھورن، وہ بھی نان اسٹاپ.....'' نمرہ سخت کوفت زدہ ہوئی۔

''بھلا ہر وقت ایسی باتیں جتانے کی کیا تک بنتی ہے، مگر نند صاحبہ کے پاس تو بس اک یہی موضوع ہوتا ہے۔'' میرے بھائی میری بھابیاں''۔ اقصیٰ بھی بیزار ہوئی۔

''اب پتا نہیں، بھابیاں کہیں تنگ ہی نہ ہو جاتی ہوں مجھ سے۔'' اس نے شاید بھابیوں کے چہرے دیکھ لیے تھے، تب ہی ہانک لگائی تھی۔

''ارے نہیں مہوش! یہ کیوں تنگ ہوں گی تم سے۔ تم کون سا یہاں آ کے ان کا کھانا پینا بند کرتی ہو۔''

شاہد بھائی کی بات پر سب نے قہقہہ لگایا اور بہوؤں نے بدقت مسکرانے کی کوشش کی۔

''بہنوں کو دینے سے یا ان کی خاطر مدارت کرنے سے کوئی کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے۔ بہن گھر سے خوش خوش جائے تو اللہ اس گھر پر اپنی رحمت کا سایہ کر دیتا ہے۔''

امی کا وعظ شروع ہو گیا اور تینوں بیٹے بھی ان سے متفق تھے۔

''سچی بات ہے۔ میرا تو خود دل چاہتا ہے کہ میری نند بھی ایسے موقعوں پر آئے، میں بھی اس کی خاطر مدارت کروں۔''

''ہائے یہ دوریاں۔'' مہوش نے پہلی بار نند کا ذکر کیا جو اس کی شادی کے اگلے ماہ ہی امریکہ چلی گئی تھی اور محترمہ نند جیسے جھنجٹ سے بالکل آزاد تھی۔

''ثاقب! دیکھیں، عروہ کا بریسلیٹ کتنا پیارا ہے۔ جواد نے پہلی عید کا تحفہ دیا ہے اسے..... بس اب آپ کی کمیٹی نکلے تو مجھے بھی ایسا ہی بریسلیٹ بنوا دیں۔''

عروہ، جواد آنکھوں سے اک دوسرے کو اٹھنے کے اشارے کر رہے تھے مگر مہوش موقع کیسے جانے دیتی۔ پہلے بھابی کے کمرے میں گھسی رہی، وہاں دال نہ گلی تو اب یہ ہتھکنڈا آزما لیا۔

عروہ بس مسکرا کے رہ گئی مگر اقصیٰ نمرہ نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔

''ارے بھئی میری کمیٹی پر نظر مت رکھو۔ گاڑی لیتے وقت جو پیسے ادھار لیے تھے، وہ نہیں چکانے کیا۔'' ثاقب کو بھی موقع سے فائدہ اٹھانا خوب آتا تھا تو جواباً اس نے روہانسی ہو کر ماں کو دیکھا۔

''مہوش! تم پریشان کیوں ہوتی ہو۔ یہی بریسلیٹ لے لو۔ میں عروہ کو اور دلا دوں گا۔'' عروہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا مگر شوہر نامدار کے گھر کنے پر سنبھل گئی تھی۔

''ہاں ناں مہوش آپی! یہ لیں، آپ پہن لیں۔'' اب مہوش عروہ کے صدقے واری جانے لگی۔

''بھئی کون سا پیسہ خرچ ہوتا ہے، اس طریقہ واردات میں نہ کوئی ایف آئی آر ہوتی ہے، بس بیٹھا بیٹھا بولو اور سب کچھ ہتھیاتے جاؤ۔''

☆☆☆

اقصیٰ، نمرہ کل سے گھن چکر بنی ہوئی تھیں۔ مہوش اور اس کے بچوں کی فرمائشیں ہی ختم نہیں ہو رہی تھیں اور پھر بچوں نے وہ اودھم مچایا ہوا تھا کہ اللہ کی امان۔ اب کون روکے اور برا بنے۔ ابھی بھی سب بچے بیٹھ کر تکہ بوٹیاں کھا رہے تھے اور کچپ صوفوں پر لگا رہے تھے۔

''ارے بیٹا! ایسے نہیں کرتے۔ ہاتھ ٹشو سے صاف کرتے ہیں، باقی چیزوں سے نہیں۔'' جواد نے بھانجے کی حرکت نوٹ کی تو ٹوک دیا۔ ابھی تکہ بوٹیاں ختم نہیں ہوئی تھیں کہ نئی فرمائش۔

''شامی کباب اور پلاؤ کا بہت دل ہے آج تو۔''

''اچھا بھئی یہ کون سی بڑی بات ہے۔ دوپہر میں یہی بنا لیتے ہیں۔'' امی جان نے فوراً سر ہلا کر بہوؤں کو نیا حکم دیا۔ صد شکر کہ اسی لمحے ثاقب آ گیا۔ آنا تو اسے رات کو تھا مگر..... اس نے آتے ہی جلدی کی، افراتفری مچا دی کہ قربانی جو کہ مہوش کے گھر ہمیشہ تیسرے دن ہوا کرتی تھی، آج ہی ہو گی کیونکہ تیسرے دن قصائی نہیں مل رہا تھا۔ اب دو دن

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مصروفیت کے بعد تیسرے دن ان (قصائی) بے چاروں کو بھی تو کہیں عید ملنے جانا تھا۔

مہوش کا موڈ تو آف ہوا مگر چاروناچار اٹھنا پڑا۔ فریج سے بڑے بڑے گوشت کے پیکٹ نکالے اور اپنے گھر کو رخصت ہوئیں۔

☆☆☆

"امی جان! کیا بتاؤں مجھ پر کیا افتاد ٹوٹ پڑی ہے۔ میری نند آج صبح پانچ بجے مع بچوں کے آ گئی ہے۔ ہم تو اس سرپرائز حیران تھے کہ اس نے ایک اور سرپرائز دے ڈالا۔ اس کے شوہر نے کہا ہے بچیاں بڑی ہو رہی ہیں تو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے پاکستان سے اچھی کوئی جگہ نہیں اور اب وہ ہمیشہ کے لیے یہاں آ گئی ہے۔ میں تو اسی شاک میں تھی کہ اس نے اک اور شاک دے دیا۔ کہنے لگی۔

فیاض کہتے ہیں بچیوں کے ساتھ اکیلے رہنے کی اجازت تو میں ہرگز نہیں دوں گا۔ اپنے بھائی سے گھر کا ایک پورشن لے کر وہاں رہو۔ بلا جھجک میری ہر چیز اٹھا کر اوپر لے گئی ہے اور ثاقب تو بہن کا منہ دیکھ کر بیوی بچوں کو کوئی لفٹ ہی نہیں کرا رہے۔" وہ بے تکان بول رہی تھی۔

"کچن سے تمام گروسری، فریج سے تمام پھل اور گوشت سب نکال کر لے گئی ہے۔"

میری بچیاں میرے علاوہ کسی کے ہاتھ کا پکا نہیں کھاتیں۔ اس لیے آپ لوگوں کو مہمان نوازی کا تردد بھی نہیں کرنا پڑے گا۔"

امی جان واش روم گئی تھیں، وضو کرنے اور شاید نماز کے لیے کھڑی ہو گئیں تو مسلسل بجتی بیل پر جلدی سے نمرہ نے آ کر فون اٹھایا۔ اس کے ہیلو کہنے سے پہلے ہی مہوش نے روداد سنا ڈالی۔

نمرہ نے بمشکل ہنسی دبائی تھی اور اب فون بند کر کے وہ بڑی عجلت میں اقصیٰ اور عروہ کے پاس گئی تھی کہ یہ خبر انہیں بھی تو سنانی تھی۔ اقصیٰ بھابی نے تو سن کر یقیناً یہ کہنا تھا۔

"واہ بھئی مزا آ گیا۔"

☆☆


ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

دل ایک گلشن

رضیہ جمیل

300

چلمن

نادرہ خاتون

قیمت -/300 روپے

بھرا دیا

نسیم سحر قریشی

قیمت -/400 روپے

دستِ کوزہ گر

فوزیہ یاسمین

قیمت -/750 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361


Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

# دل آباد

مکمل ناول

بے حد دھیمی آواز اور بے ربط ہوتی سانسوں کے ساتھ وہ جو بول رہی تھیں وہ ہرگز بے ربط نہیں تھا۔

یوں لگتا تھا کہ بہت عرصے سے یہ جملے ترتیب دے رکھے ہیں کہ جب کبھی دل کی روداد سنانی تو کس طرح سنانی ہے۔

آغاز سے انجام تک پوری کہانی اور اختتام تو ہو چکا کبھی کا۔

''جب وہ چلا گیا اس دنیا سے تو میری کہانی تب ہی ختم ہو گئی تھی۔ باقی تیس سال تو میں نے بس سانس لی ہے۔ ختم ہی نہیں ہو رہی یہ سانسیں۔''

اس بوڑھے وجود سے اور بولا نہ گیا۔ آج بہت بول لیا تھا ویسے بھی۔ ثانیہ کو ان پر ترس آیا وہ اپنی آنکھیں صاف کر رہی تھی پھر بولی۔ ''آپ کی سانس اس لیے قائم ہے کہ مجھے راستہ دکھا سکیں۔''

وہ بوڑھی آنکھیں پانی ہو گئیں۔

''جو راستہ میں خود نہ دیکھ سکی جھلی! وہ کسی کو کیا دکھاؤں۔ میری کہانی تو اس کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی راستہ تو بعد میں نظر آیا پر اس پہ چل کے جاتی کس کے پاس؟ منزل تو مٹ چکی تھی۔''

ثانیہ نے پھر آنکھیں صاف کیں۔ ''بی بی یہ کہانی ختم ہوئی ہے یا شروع ہوئی ہے؟ آپ کی کہانی ختم میری شروع۔''

''ایک ہی تو کہانی ہے جھلی! وہی ازل وہی ابد وہی آدم اور اس کی پسلی سے بنی حوا وہی محبت وہی نفرت، وہی جیون وہی مرن، سب تو ازل سے ہی ہے ایک جیسا آغاز بھی اختتام بھی۔

کوشش کرنا کہ اس بیچ میں جو کہانی تمہارے حصے کی ہے اس میں سفاکی کے بیج نہ بونا کہ تمہیں ندامت کی فصل کاٹنی پڑے۔''

☆☆☆

''بڑی بی بی کا انتقال ہو گیا ہے۔''

خبر تو دل دہلا دینے والی نہیں تھی کیوں کہ بڑی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

Sabol 001

بی بی کافی دنوں سے نیم بے ہوش تھیں اور سب لوگ اس خبر کے منتظر تھے۔ کچھ لوگ اس لیے کہ کب بی بی کی سانس تھمے اور انہیں وہ زمین کا ٹکڑا مل جائے جس پر بی بی کا قبضہ تھا اور انہوں نے کسی کو بھی اس کا حصہ نہیں دیا تھا اور آج اس زمین کے وارثوں کا انتظار جیسے تمام ہوا۔ گاؤں کے غریب لوگ بھی آس میں تھے کہ بزرگ خاتون کے انتقال پر بہت دیگیں پکنے والی ہیں بہت دنوں تک کھانا نہیں پکانا پڑے گا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ بڑی بی بی اپنے خاندان کی بزرگ ترین خاتون تھیں اور دوسری یہ کہ پہنچی ہوئی خاتون تھیں ان کے بہت سے مرید تھے جو دنوں تک ان کے نام کا لنگر لگاتے۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کو واقعی بی بی کے جانے کا دکھ تھا اور ان میں بی بی کے بڑے بھتیجے اخلاق شاہ بھی تھے۔ وہی ان کے اصلی وارث تھے پر انہیں اس زمین سے کوئی غرض نہیں تھی وہ خود اسی کے پیٹے میں تھے، اس عمر میں زمین جائیداد سے لگاؤ کسے ہوا کرتا ہے بس بندے کو اپنی گزری عمر کی کوتاہیاں یاد رہتی ہیں یا پھر آخرت کی یاد آتی ہے۔ ایسی ہی کسی سوچ نے بی بی نوراں کو لرزنے پر مجبور کر دیا۔ ان کے لرزتے وجود کو ان کی بھتیجیاں تھامے رکھتی تھیں۔

بی بی نوراں کے لرزنے میں تیزی آ گئی کہ اب تو بس کوئی ایسا دم کرے کوئی ایسا تعویذ لکھ دے کہ روح آزادی پا جائے کوئی ایسا حل ہو جو اس آب حیات کا توڑ کر دے جو میں نے پی رکھا ہے۔

بی بی نوراں کی سانس اکھڑنے لگی بھتیجیاں گھبرا گئیں کہ ابھی تو ایک پھپھو کی میت پڑی ہے، وہ اس نحیف و نزار وجود کو کمرے میں لے گئیں اور چارپائی پر لٹایا، کچھ دیر میں ان کی طبیعت سنبھل گئی تو ان کی بھتیجیاں بھی کچھ دور بیٹھے ٹولے میں شامل ہو گئیں۔ وہ ٹولہ جس میں کچھ بی بی نوراں کی بھتیجیاں، جن میں سے کچھ ساٹھ کی عمر کو بھی چھو چکی تھیں اور پھر ان بھتیجیوں کی بھتیجیاں۔

''ہماری وڈی اج چلی گئی ہے تے اسی وی چلے ہی جانا ہے، پر اک گل سن لو سب، اپنی اس وڈی بی بی کی مثال سامنے رکھنا اپنے ایمان ڈولنے نہ دینا وہ سو سال سے اوپر دی عمر سی وڈی بی بی دی پر ایمان دی پکی، کبھی نئیں ڈولیا مر گئی پر پاک ہی گئی اپنے رب دے کول۔ اور اگر کسی دا وی ایمان کمزور ہوتے دیکھو تے ہم وڈیوں کو بتاؤ باقی ہم سنبھال لیں گے۔'' اس ٹولے کی بزرگ پھپھی باقی سب کو ایمان مضبوط رکھنے کے درس دے رہی تھیں اور سب بھتیجیاں سر دھن رہی تھیں۔

بس ایک عنایت بی بی تھیں جو اس ٹولے سے بے نیاز سپارہ پڑھنے میں مشغول تھیں۔ یہی تو بڑی بی بی کے کام آنا تھا آگے اور تو سب بے معنی تھا۔

☆☆☆

ابھی صبح کا ملگجا اندھیرا تھا۔ زمان شاہ کی آنکھ گھر میں ہونے والی چہل پہل سے کھل گئی۔ آنگن میں لائن سے سب کی چارپائیاں بچھی ہوئی تھی۔ آنگن میں لگے درختوں پر پرندے اپنے رب کی ثناء میں مشغول تھے۔ درختوں کے پتے صبح کی ٹھنڈی ہوا سے سرسرا رہے تھے۔ زمان شاہ نے صبح کی ٹھنڈی اور صاف ہوا کو چہرے پر محسوس کیا۔ شہر میں یہ مزے کہاں تھے۔ گاؤں کی ہوا بھی پاکیزہ سی لگتی ہے۔ وہ سوچ کر مسکرا دیا۔ دل خود بخود نماز پڑھنے کو چاہنے لگا۔ کچھ رات بڑی بی بی کی تدفین کا بھی اثر تھا۔ اس نے چادر سے منہ نکال کے دائیں جانب دیکھا۔ بی بی کوثر اور بی بی روشن اس کی سگی پھپھیاں تھیں جو اس وقت چائے بنا چکی تھیں اور کچھ دور چارپائی پر بیٹھی بسکٹ کے ساتھ نوش بھی فرما رہی تھیں اس کے والد اخلاق شاہ بھی بیٹھے تھے بڑی بی بی جوان کی پھپھی تھیں کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے جا رہے تھے۔ زمان کے منہ میں کڑواہٹ گھلنے لگی کچھ دیر تو لیٹے لیٹے ہی سنتا رہا پر قصیدے تھے کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہے تھے۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

"اتنی عمر تھی بی بی کی پر کبھی کسی غیر مرد کی نظر نہ پڑنے دی، اللہ بخشے پاک آتی تھیں دنیا میں پاک چلی گئیں۔" بی بی روشن جھوم رہی تھیں۔

زمان لیٹے سے بیٹھا۔ زمان کے والد اخلاق شاہ بھی بہنوں کے ساتھ چارپائی پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ زمان کے تیور دیکھ رہے تھے انہیں پتا تھا کہ اب زمان کو غصہ آجائے گا۔

"کتنے دن نیم بے ہوش رہیں پر سختی سے حکم تھا ان کا کہ جان نکل جائے پر ڈاکٹر کے پاس نہ لے کے جانا۔" روشن بی بی کے جھومنے میں فرق نہ آیا پر زمان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں کسی ڈاکٹر کو دکھا لیتیں تو اتنے دن جس تکلیف میں رہیں وہ تو نہ ہوتی نہ انہیں نہ ہمیں۔" زمان تڑخ کے بولا۔

یہ اس کا اپنی پھوپھیوں سے ہمیشہ کا اختلاف تھا کہ جہاں مجبوری کی وجہ سے کچھ کام کرنے پڑتے ہیں وہ وہاں بھی اکڑ جاتی تھیں اور خود تو تکلیف اٹھاتی ہی تھیں ساتھ ان لوگوں کو بھی خوار کرتی تھیں اور یہ خواری جیسے ان خاندان کے مردوں کے نصیب میں لکھ دی گئی تھی۔ روشن بی بی نے تلملا کر چائے کا پیالا چارپائی پر رکھا۔

"پردے والی بی بی تھی وہ کوئی عام عورت نہیں تھی۔ شرم کر تیرے ابے کی پھپھی تھی، حیا نہیں آتی تجھے ایسی باتیں کرتے۔" روشن بی بی نے اس کے لتے لینے شروع کیے۔

"نیک بیبیاں ایسی ہی ہوتی ہیں وے جھلیاں نور والی جب تک زندگی لکھی تھی جی لی اور جب فرشتے آئے چل دی اپنے رب کے پاس۔" کلثوم بی بی کہنے لگیں۔

"او جھلیا، کیوں بحث میں پڑتا ہے جا جا کے نماز پڑھ۔" اخلاق شاہ نے اکتاتے ہوئے کہا۔ یہ ہزاروں دفعہ کی کی ہوئی بحث تھی جس کا حاصل کچھ بھی نہ تھا۔ تھوڑی بحث کے بعد زمان غصے میں آجاتا اور پھر وہ جھگڑا ہوتا کہ میت پر آنے والے مہمان کانوں کو ہاتھ لگاتے۔ زمان ابھی بھی جم کر کھڑا ہوا تھا۔

"جا زمان نماز پڑھ، لوگاں کو نا اپنا آپ ویکھا۔ یہ ٹیم نہیں ہے ایسی باتوں کا۔"

زمان چڑ کر گھر کا کھلا ہوا دروازہ پار کر گیا۔

☆☆☆

سوئم ہو چکا تھا۔ کافی لوگ جو شہر سے آئے تھے، وہ جا چکے تھے۔ باقی رشتے داروں کے گھر ساتھ ساتھ تھے اور سب گھروں کی ایک چار دیواری کر کے ایک کالونی سی بنا دی گئی تھی جس کو سب سیدوں کی حویلی کہتے تھے۔ چار دیواری کے اندر سب کے گھر الگ الگ تھے پر عورتیں آرام سے ایک دوسرے کے گھر آتی جاتی تھیں۔ پردے کا مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔ زمان بھی واپس شہر جانے کی سوچ رہا تھا۔ اس کی نوکری تھی وہاں بینک میں اور اس کی چھوٹی بہنیں وہاں پڑھتی تھیں۔ اس کے والدین زیادہ تر گاؤں میں رہتے تھے۔ ایک بھائی شادی شدہ تھا جو دوسرے شہر میں الگ گھر میں رہتا تھا۔

بیگ پیک کر کے اس نے سوچا کہ باہر اوطاق میں جائے وہاں جو مرد رشتے دار اور گاؤں کے لوگ ہیں ان سے مل لے۔ وہ گھر سے نکلا تو اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ زرمینے کی کال تھی۔ زمان نے موبائل کان سے لگایا۔

"کیسی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟" زرمینے کی آواز نے اندر کی بے چینی کو کچھ کم کیا۔

"ٹھیک ہوں، بس یہاں مصروف تھا۔ تمہیں کال نہیں کر سکا۔" وہ بات کرتے ہوئے اوطاق کی طرف جا رہا تھا۔

"ہاں اندازہ ہے مجھے، پر آج تین دن ہو گئے تمہاری آواز نہیں سنی تھی۔ بس کال ملائی اب بند کرتی ہوں۔ تمہیں مسئلہ نہ ہو۔" زرمینے جانتی تھی گاؤں میں بات کرنا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے

اس بات پر زمان کی اداسی ختم ہوتی ہوئی محسوس

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہوئی' اس کے لب مسکرانے لگے۔ وہ اوطاق میں داخل ہوا پر وہاں کوئی نہیں تھا۔

''ہاں تین دن تو ہو گئے یار۔ میں بس کچھ دیر میں نکل رہا ہوں' کل ملاقات ہوگی۔ میں بھی مس کر رہا ہوں تمہیں۔'' زمان کی آواز کچھ بوجھل ہوگئی۔

''گاؤں اتنے دن بعد آتے ہو' ہمیں تو کبھی مس وس نہیں کیا تم نے۔'' زمان اس آواز پر اچھل پڑا۔ کمرے میں رکھی بہت سی الماریوں میں سے ایک الماری کے پاس نور شاہ کھڑا کوئی کتاب ڈھونڈ رہا تھا۔ الماری کونے میں تھی' زمان کا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ اس نے یک دم کال بند کردی۔

نور شاہ ہنستے ہوئے آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کیا ہے بھا! ڈرا دیا۔'' زمان نے ناراضی سے اپنے کزن کو دیکھا۔ وہ اخلاق شاہ کے چچا زاد بھائی کا بیٹا تھا۔

''ہاہاہاہا۔ ڈرنے والے کام کرتے کیوں ہو شہزادے۔'' نور شاہ نے اس کو چڑایا۔

''ویسے آپ کر کیا رہے ہیں یہاں۔ کون سی کتاب ہے یہاں جس کو آپ نے پچاس دفعہ نہ چاٹا ہو۔'' زمان نے چڑ کر کہا۔

نور شاہ نے قہقہہ لگایا۔

''تم بھی کبھی چاٹ لیا کرو ان کو۔''

''ان کتابوں سے مجھے معاف رکھو میرے بھا!'' زمان نے ہاتھ جوڑے۔

نور شاہ کچھ دیر مسکراتے رہے۔

''تم اسی لڑکی سے باتیں کر رہے تھے نا جس کے لیے گھر والوں کو منایا ہے۔'' نور شاہ نے اسے نظروں میں تولا۔

''ہاں جی۔ ایک ہی ہے بس۔'' اس نے نروٹھے پن سے جواب دیا۔

''گھر والوں کو تو تم نے مہینوں پہلے منا لیا تھا پھر بھیجا کیوں نہیں اب تک؟'' نور شاہ کا پورا دھیان اس کی طرف تھا۔ کچھ کھوج تھی ان کے لہجے میں۔

''بھا! آپ کو تو پتا ہے مجھے فکر ہے اپنی بہنوں کی اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اماں بابا کو روحی نے منایا ہے۔'' روحی اس کی سب سے بڑی بہن کا نام تھا۔

''ہمم.....'' نور شاہ نے ہنکارا بھرا۔ ''یہاں کچھ نہیں چبھتا ہے تمہیں۔'' نور شاہ نے اس کے دل کے مقام پر انگلی رکھی۔

''ہاں بھا! میرا دل نہیں مان رہا کہ میں۔۔۔ شادی کر کے اپنی زندگی بنالوں اور میری بہنیں ایسی زندگی گزاریں جس میں بس ایک موت کا انتظار ہو اور کسی چیز کا نہیں۔'' وہ سر جھکا کر کرب سے بولا۔

''ضدی عورتیں ہیں یار!'' نور شاہ نے سر جھٹکا۔ ''ہمارے بڑوں نے کتنی کوشش کی کہ آپس میں شادیاں کرلیں پر ان عورتوں کی ضد کی وجہ سے سب مردوں نے باہر۔۔۔ شادیاں کیں۔ تمہارے ابو نے کتنے رشتے دیکھے کہ ادلے بدلے کا رشتہ کرتے ہیں' اس طرح تمہاری پھپھو کا بھی ہو جاتا پر نہیں مانیں تمہاری دونوں پھپھیاں۔ آخر تمہارے ابو نے چالیس کی عمر میں کرلی شادی۔''

''آپ بھی تو ضدی ہیں بھا!'' وہ مسکرایا۔ ''کی تو آپ نے بھی نہیں شادی۔''

''ہاں ہوں ضدی۔ شادی کروں گا تو اپنے خاندان کی لڑکی سے بس۔'' نور شاہ اٹل تھا۔

''پچاس سال سے اوپر کی عمر میں آپ کو کوئی لڑکی ملے گی بھی نہیں بھا۔'' اس نے بھی چھیڑ کر بدلہ لیا۔

''مجھے ایک لڑکی سے مطلب نہیں ہے' مجھے سب لڑکیوں سے مطلب ہے۔''

''ہیں.....'' زمان کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''خاندان کی سب لڑکیوں' بچیوں' بوڑھیوں سب سے مطلب ہے۔'' نور شاہ کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''کک..... کیا کہہ رہے ہو بھا؟'' وہ دہل گیا۔

نورشاہ چونک گیا۔ جیسے خواب سے جاگا ہو۔

''الٹی نہ سوچ زمی!'' نورشاہ جھینپ گیا۔

''اب ایسی باتیں سن کر الٹی باتیں ہی سوچوں گا۔''

''زمان میں کسی کو بھی نہیں سمجھا سکا۔ وہ چیز جو تمہیں دل میں چبھتی ہے۔ وہ مجھے بھی چبھتی ہے تب ہی بس تمہیں سمجھا سکتا ہوں۔ تم خاندان میں شادی کرلو۔ بدلے میں ایک بہن کی شادی کرو۔'' نورشاہ التجائیہ بولے۔

''جیسے آپ کی ہوگئی ہے نا۔'' وہ تمسخر سے بولا۔

''شادی کا نہ ہونا دکھ کی بات نہیں ہے زمی! دکھ اس بات کا ہے کہ میں کچھ بدل نہ سکا۔ اگر میری شادی ہوجاتی تو اس خاندان کی ایک لڑکی کی شادی ہوجاتی۔''

''آپ کے چچا نے بھی ایسی ہی ضد کرکے خاندان میں شادی کی تھی بی بی نوراں سے۔ کیا انہیں راس آئی؟ کبھی اولاد نہیں ہوئی ان کو۔'' اس نے ایک اور اعتراض اٹھایا۔

''دیکھ زمی! تم سب نہیں جانتے۔ تیسری نسل برباد ہوتے دیکھ رہا ہوں میں اپنی آنکھوں سے۔'' نورشاہ نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

''تصحیح کرلیں تیسری نسل کی عورتیں۔ مرد تو پھر بھی کچھ نہ کچھ بس گئے۔'' زمان نے سر جھٹکا۔

''میرے چچا شاہ جہاں کو تم بسا ہوا مرد سمجھتے ہو۔ اور ان سب کو جن کی بیٹیاں بڑھاپے میں بھی ان کی دہلیز پر بیٹھی ہیں۔ جن ایک دو نے زبردستی اپنی بیٹیاں بیاہ دیں' وہ بھی بس کے نہ دیں۔'' نورشاہ کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔

''یہی سوچ کر تو بھا ہمت نہیں پڑتی ہے کہ میں شادی کر بھی دوں بہنوں کی تو بھی بسیں گی نہیں۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''اور کروں بھی کہاں؟ اپنے رشتہ دار دیکھے ہیں آدھے سے زیادہ ناراض ہیں۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''یہی بات ذرا سوچو۔ میں سب کے پیچھے دوڑتا رہا کہ ذرا سوچو خدا کے لیے' آخر کیوں تمہارے گھر والوں کا ہر اس گھر سے جھگڑا ہے جہاں تم لوگوں کے وٹے سٹے کے رشتے ہوسکتے ہیں یا تمہاری بہنوں کے رشتے ہوسکتے ہیں؟ سوچا کبھی؟'' نورشاہ اب اسے استفہامیہ دیکھ رہے تھے۔

زمان کو کچھ عجیب سا لگا۔ دماغ نے جیسے سوچنا شروع کیا۔ وہ ایسے نورشاہ کو دیکھ رہا تھا کہ اب ذرا پوری کہانی بتائیں۔

☆☆☆

روحی اور سائرہ چائے پی رہی تھیں۔ زمان انہیں تیار ہونے کا کہہ کر گیا تھا۔ ان لوگوں کو واپس شہر جانا تھا۔ ابھی سورج ڈھلنے میں بہت وقت تھا۔ کلثوم بی بی اور روشن بی بی ہمیشہ کی طرح آب دیدہ تھیں۔ وہ کسی بھی طرح اپنی بھتیجیوں کو روک لینا چاہتی تھیں۔ روحی ان کی پہلی بھتیجی تھی' اب چالیس سال کی ہوچکی تھی پر نازک سراپے کی وجہ سے تیس سے اوپر کی نہیں لگتی تھی۔ سائرہ اس سے سال بھر ہی چھوٹی تھی۔ بڑی چاہت سے ان کے ماڈرن سے نام رکھے تھے جو ٹی وی ڈراموں سے پتا چلے تھے اس زمانے میں۔ جب روحی کا تحفہ انہیں بھابھی نے دیا تھا تو کلثوم بی بی پینتیس کی تھیں اور روشن بی بی ان سے سال بھر ہی چھوٹی تھیں۔ بھابھی اوپر تلے کے سات بچوں اور گھر کے کاموں میں مصروف رہتی تھیں اور دونوں پھپھیاں بچوں کے ساتھ خوش رہتی تھیں۔ بچوں کے کافی کام پھپھیاں ہی کرتی تھیں۔ بڑے بچے سوتے بھی ان ہی کے پاس تھے۔ روحی اور سائرہ کے بعد ذوالفقار شاہ اور پھر زمان شاہ اور اس کے بعد تین بہنیں۔ پتا نہیں چلا کب بڑے بھی ہوگئے انہیں تو یہی لگا تھا کہ انہوں نے پالا ہے۔ ساتھ ہی رہیں گے پھر سب پرندے اڑ گئے۔ اپنی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اولاد ہوتی تو ہمیں بھی ساتھ رکھتے' جیسے اپنے ماں باپ کو رکھا ہے۔ کلثوم بی بی کی سوچ آسمان پر اڑتے پرندوں کی طرح سفر کر رہی تھی اور روشن بی بی کی زبان بھی یہی کچھ کہہ رہی تھی جسے سن کر روحی نے سر نفی میں ہلایا۔

''آپ چلیں ہمارے ساتھ رہیں۔ چلتی بھی خود نہیں ہیں اور الزام بھی ہم پر کہ نہیں رکھتے اپنے ساتھ۔''

''یہ تو ہمیشہ کی بحث ہے۔ آپ ہمارے ساتھ نہیں چلیں گی اور ہم یہاں آ کر نہیں رہیں گے۔'' سائرہ نے بڑی بہن کو بحث سے روکا۔

کلثوم بی بی کے آنسو روانی سے بہنے لگے۔ پہلے وہ بہت بحث کرتی تھیں پر اب بس آنسو بہایا کرتی تھیں۔ عمر کے اس حصے میں تھیں جہاں انسان سوچتا ہے کہ پوری عمر رائگاں گئی یا عمر کا صحیح استعمال ہوا اور شاید ان کے پاس خسارے ہی خسارے تھے۔ وہ دھندلی آنکھوں سے اپنی بھتیجیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ تو کیا انہوں نے ان کی قسمت میں بھی اسی طرح کے خسارے لکھ دیے ہیں؟ کیا وہ ان کے سامنے اقرار کر لیں کہ ان کی سوچ اور جینے کا ڈھنگ سب غلط تھا۔ نہیں نہیں کیا کہیں گے سب' بڈھی سٹھیا گئی اس عمر میں اور سب بھی تو میری طرح بڈھیاں ہیں پر ان کا ایمان کتنا مضبوط ہے۔

وہ نفی میں سر ہلاتی اپنے آنسو صاف کر رہی تھیں۔

فوزیہ بی بی نے برآمدے سے اپنی بیٹیوں کو اپنی نندوں کے ساتھ صحن میں درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھے دیکھا۔ کبھی ہوا کا جھونکا آ جاتا تو اچھا لگتا۔ وہ جانتی تھیں کہ ان میں کیا باتیں چل رہی ہیں۔ فوزیہ بھی چائے ہی پی رہی تھیں پر برآمدے میں بیٹھ کر۔ ان کی نندوں کی کبھی نہیں بنی تھی ان کے ساتھ حالانکہ ان کے بچوں کو کلثوم اور روشن نے ہی پالا تھا۔ وہ بچوں کے سب ہی کام کرتی تھیں' اپنے منہ کا نوالہ بھی بچوں کو کھلا دیتی تھیں۔ جب کسی بچے کو کوئی تکلیف یا درد ہوتا تو رات وہ دونوں اس بچے کے ساتھ جاگ کر گزار دیتی تھیں پر بچوں کی ماں اپنی بھابھی سے انہیں بیر تھا۔ ایک وقت تھا جب چودہ سال کی فوزیہ بیالیس سال کے اخلاق شاہ سے بیاہ کر اس گھر میں آئی تھیں۔ ڈبل عمر کی نندوں سے آتے ہی دب گئی تھیں اور شوہر تقریباً تین گنا بڑا تھا۔ کیسے کیسے دن گزارے اس گھر میں فوزیہ نے۔ اب تو لگتا ہے کہ یہیں پیدا ہوئی تھیں۔ اب ان کے بچے جوان تھے' اب ان کا دور تھا۔ پہلے یہ نندیں انہیں پاس بٹھانا نہیں چاہتی تھیں اور اب وہ خود ان کے پاس بیٹھنا نہیں چاہتی تھیں۔ ہاں پر اتنی کٹھور نہیں تھیں کہ اپنی اولاد کو بھی پھوپھیوں کے پاس جانے سے روک لیتیں۔ سات سال ہی ہوئے تھے کہ وہ شہر منتقل ہوئے تھے۔ زمان کی ضد تھی کہ چھوٹی بہنوں کو پڑھائے گا۔ روحی اور سائرہ نے گاؤں کے اسکول سے پانچ جماعتیں پڑھ لی تھیں پھر ذوالفقار اور زمان نے شہر سے اچھی تعلیم حاصل کی تھی۔ زمان سے چھوٹی ثانیہ ماسٹرز کر چکی تھی اور ہانیہ اور دانیہ ماسٹرز کے آخری سال میں تھیں۔ ان سات کے علاوہ اور بھی اولاد تھی جو دنیا میں زیادہ سانسیں نہ لے سکیں۔ فوزیہ نے گہری سانس بھری اور ماضی سے باہر آئیں' ان کے کانوں میں روشن کی آواز آئی تھی۔

☆☆☆

''وہ جو منور شاہ کا رشتہ آیا ہے ثانیہ کے لیے اس کا کیا ہوا۔'' روشن کی آواز اونچی نہیں تھی پر فوزیہ تک پہنچ گئی تھی۔

''ابھی ہوا تو کچھ نہیں ہے پر ہونا وہی ہے جو اب سے پہلے ہوتا آیا ہے۔'' روحی کی مسکراہٹ پراسرار تھی۔

''ہونہہ..... ہماری پھپھو پاک گئیں اس دنیا سے ہم بھی پاک جائیں گے اور ہماری بھتیجیاں بھی۔'' ایک عہد تھا جو سب کے درمیان طے تھا۔

''زمان کو خبر تو نہیں ہوئی؟ بس ایک اس کا ڈر

Waqar Azeem
Pakistanipoint

ہے۔" روشن بی بی کی تشویش بے جا نہیں تھی۔ "پڑھ لکھ کیا گیا لڑکا اسے سب کچھ غلط لگنے لگا ہے۔"

کلثوم بی بی ابھی بھی بس خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں کچھ دور ہی ثانیہ، ہانیہ اور دانیہ آپس میں باتیں کر رہی تھیں اور کھلکھلا رہی تھیں۔ ان کی سوچ پھر پرواز کرنے لگی۔ ہاں یہ عمر تو ہنسنے کی ہے خواب بننے کی پر جو کالک ہم نے روحی اور سائرہ کے نصیب پر مل دی اب وہ وہی کالک ثانیہ کے نصیب پر ملنے والی ہے۔

"آج سے پہلے اتنے لوگ آئے پھپھو کبھی خبر نہیں ہونے دی ہم نے مردوں کو۔" سائرہ نے اطمینان سے کہا۔

☆☆☆

"منور شاہ کا رشتہ ہمارے گھر آیا ہے دو مہینے ہو گئے....." زمان یقین کرنے پر تیار نہیں تھا۔

"ہاں یہی پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں خبر کیوں نہیں ہوتی کبھی؟" نور شاہ تلملایا۔

"بھا کب آئے یہ لوگ؟ مجھے اماں نے بھی نہیں بتایا۔" زمان کی آواز دھیمی ہو گئی۔ "آخر اتنی اہم بات اسے کیوں نہیں بتائی گئی۔

"تم آفس میں تھے اور جب بھی کوئی رشتہ آتا ہے تو تم لوگوں کی غیر موجودگی میں ہی آتا ہے، یہ ہر دفعہ اتفاق تو نہیں ہو سکتا۔" نور نے تاسف سے اس کا بے یقین چہرہ دیکھا پھر مزید گویا ہوا۔

"منور نے ضد سے یہ رشتہ بھیجا ہے حالانکہ یہاں سب ہی جانتے ہیں کہ تمہارے گھر سے انکار ہو جائے گا۔ دو مہینے ہو گئے ہیں کوئی جواب نہیں آیا ـــ منور نے مجھ سے مدد مانگی ہے کہ میں کچھ کروں۔"

"میری تو سمجھ میں ہی نہیں آ رہا کہ اگر ایسی بات ہے تو ہم مردوں کو کیوں نہیں بتایا اماں نے۔" زمان نے سر پکڑ لیا۔

"شادی بیاہ کی باتیں زیادہ تر عورتیں ہی کرتی ہیں۔ اور اپنے خاندان میں تو ویسے بھی وکھرے رولے ہیں۔ ہر بات کو شرم کے نام پر چھپا لینا۔ اب یہ رشتہ کی بات بھی عورتیں کرنے آتی ہیں۔ آج کل تو لوگ کسی کے گھر جانے سے پہلے کال کرتے ہیں کہ جی ہم آ جائیں تو آسان ہے کہ ان کو وہ وقت دیا جائے جب تم گھر پر نہ ہو۔ اور تمہیں خبر نہ ہو مگر لگتا ہے تم خود بھی کچھ خاص دلچسپی نہیں لیتے ہو گھر کے معاملات میں۔"

زمان نے بس افسوس سے سر ہی ہلایا۔

"جب میں چھوٹا تھا تو چاچا احسان نے بھی ضد باندھ لی تھی کہ شادی خاندان میں ہی کریں گے۔ وہ اس زمانے کے بی ایچ ڈی تھے اور خاندان کی لڑکیاں چٹی ان پڑھ، مجھے کہتے تھے نورے جا دیکھ کے آ کہ یہ جو سب لڑکیاں سر جوڑ کے بیٹھی ہیں کیا کر رہی ہیں کس کے خلاف میدان گرم کر رہی ہیں..... اور میں ان کی جاسوسی کیا کرتا تھا کبھی حویلی کے اس گھر کبھی اس گھر۔" نور شاہ کے چہرے پر ایک اداس مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

"آہستہ آہستہ مجھے عادت سی پڑ گئی یار سن گن لینے کی۔ ان دنوں چاچی نوراں سب لڑکیوں سے الگ رہنے لگی، چھپ چھپ کے چاچا کو دیکھنے لگی اور میری نظروں نے چوری پکڑ لی۔ چاچا میری بات سن کر مسکرا دیا۔ وہ مسکراہٹ آج بھی دل پر نقش ہے یار۔ سونے میں تولنے جیسا میرا چاچا تھا مٹی کر دیا۔" نور شاہ نے آہ بھری۔ "خیر چاچا کو چاچی سے لگاؤ تھا یا نہیں پر انہیں ایک راستہ مل گیا۔"

"چاچا نے اپنی کر کے ہی چھوڑی پر خالی رہ گیا۔ چاچی نے ان سے شادی کی کیوں، مجھے کافی وقت تک سمجھ میں ہی نہیں آیا اور اب..... چاچا سے جب میں نے کہا کہ میں بھی ان کی طرح خاندان میں ہی شادی کروں گا تو جانتے ہو زمی کیا کہا انہوں نے۔" نور شاہ کی آواز دکھ سے بوجھل تھی۔ زمی کو کیسے پتا ہوتا بھلا۔

"انہوں نے کہا کہ نہ نورے۔"

میں غلط تھا صرف شادی کر لینا مسئلے کا حل

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نہیں تھا یار۔ مسئلہ تو دماغ ہے۔ ان سب کی تربیت میں ہے۔ مرد گئے باہر کمانے تو بتاؤ کہ عورتیں ہی تربیت کریں گی بچیوں کی۔ کوئی حل نظر نہیں آیا چاچا کو، اپنی سی کوشش بہت کی تھی انہوں نے پھر چپ ہو گئے۔ مجھ سے بھی کچھ کہہ سن لیتے تھے۔ پھر میں نے بہت سوچا یار۔ یہ سب عورتیں کبھی اس حویلی سے باہر جائیں تو انہیں کچھ خبر بھی ہو دنیا کی۔ میری پیڑھی کے جو کچھ لوگ اپنی فیملی لے گئے اس ماحول سے بھاگ گئے تو واپس مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ تو بچ جائیں گے پر باقی لوگ تو ویسی ہی زندگی گزاریں گے۔ اپنی بہنیں بیٹیاں بیٹھی ہوں گی اور بیویاں بہوویں باہر سے لائیں گے۔ میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ اپنے گھر والوں کو شہر لے جاؤ، بہنوں کو پڑھاؤ کہ ان کو کچھ غلط اور صحیح کا پتا چلے۔ پر میرا خیال ہے کہ کوئی فرق نہیں پڑا منور کو بھی انکار ہو جائے گا۔'' نور شاہ نفی میں سر ہلانے لگے۔

''قسم سے بھا مجھے کچھ خبر نہیں ہے۔ میں تو خود چاہتا ہوں کہ یہ سب ختم ہو اب۔ باہر لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی عورتوں کی شادی نہیں کرتے ظلم کرتے ہیں۔'' زمان نے اپنی صفائی دی۔

''کیسے کرو گے تم؟ آنکھیں اور کان بند کر کے؟ گھر میں کوئی آیا گیا، تمہیں پتا نہیں چلا۔'' نور شاہ غصے ہو گئے۔

زمان کا سر جھک گیا پھر دائیں بائیں حرکت کرنے لگا۔ عجیب احساس ہو رہا تھا کہ اتنی اہم بات اسے پتا نہیں چلی۔

''میں نے تمہیں بتایا نا کہ بہت ریسرچ ہے میری ان سب پر۔ تمہیں کہا ہو گا کہ منور کے گھر والے ایسے ہی چکر لگانے آئے تھے۔'' نور شاہ نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''ہاں۔'' زمان نے سر جھکا کر جیسے اعتراف کیا۔

''اور میں نے جو تمہیں سبق پڑھائے تھے ان کا کوئی اثر نہیں ہوا تم پر۔'' نور شاہ تلخ ہو گئے۔

''بھا! ذہن میں یہ بات آئی ہی نہیں اور آپ بھی تو گول گول باتیں گھما کر کرتے ہیں، ایک ہی دفعہ بتا کیوں نہیں دیتے سب۔ جیسے سسپنس والی مووی ہو کوئی سب باتیں ڈھکی چھپی سی۔'' زمان نے ناراض نظروں سے انہیں دیکھا۔

''بھرم رکھنا چاہتا تھا میں ان کا جو گزر گئے جو گزرنے والے ہیں۔ پر میرا خیال ہے اس بھرم سے زیادہ ضروری اب اگلی نسل کی زندگی ہے۔ منور کے بھائی تصور کے بیٹے کی خوشی تھی اس اتوار کو رکھی تھی پر بڑی بی بی کے انتقال کی وجہ سے اب چالیسویں کے بعد ہی ہو گی اور یہ موقع استعمال کریں گے تمہارے گھر والے۔''

''وہ کیسے بھا۔'' زمان جی بھر کے حیران ہوا۔

''بتیس سال کا ہو گیا ہے تو زمی اور گھر والوں کو بھی نہیں سمجھ سکا۔ چہ چہ چہ.....'' نور شاہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔ زمان سخت شرمندہ ہوا۔

''آپ نے مجھے شرمندہ کرنے کے لیے اتنی دیر سے روکا ہوا ہے۔'' وہ ناراض نظر آنے لگا۔

''نہیں تیری نظر اتارنی تھی مجھے، بڑا ذہین ہے نا کہیں نظر ہی نہ لگ جائے۔ اب غور سے بات سن میری اور شہر جا کر ان کو بھولنا مت۔'' نور شاہ نے تنبیہہ کی۔

زمان اثبات میں سر ہلانے لگا۔

☆☆☆

بڑے سے صحن میں شام اترنے لگی تھی۔ ستمبر کا وسط تھا ہوا ابھی بھی گرم تھی۔ شام اتر رہی تھی پر گرمی کا وہی عالم تھا۔ پرندے شور مچا رہے تھے شاید دن بھر کے کام کے بعد اس وقت خدا کو یاد کرتے ہیں پھر سو جاتے ہیں۔ روحی اور سائرہ نے صحن میں زمین کا ٹھنڈا پانی چھڑک کر چارپائیاں بیچ صحن میں بچھا دیں۔ پنکھے دو طرف چلا دیے تھے تاکہ کچھ سکون ہو۔ فوزیہ ایک چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں تھک گئی تھیں زمان کے انتظار میں۔ کلثوم اور روشن کھانے کی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تیاری کرنے لگیں۔ وہ مغرب کے وقت کھانا کھا لیتی تھیں۔

"اب تو پھر سے چائے کی طلب ہونے لگی ہے۔ زمان نے دیر کر دی بہت۔" روحی کلثوم کے پاس چلی آئی جو صحن کے ایک طرف بنے باورچی خانے میں روٹی بنا رہی تھیں۔

"تم لوگوں کی روٹی بنا دوں؟ کیا پتا کہاں نکل گیا ہے زمان۔ پھر لائٹ نے چلے جانا ہے۔ موئے جنریٹر چل گئے تو گیس بھی نہیں آتی۔"

روحی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پر آپ لوگ کھائیں گی دودھ سے روٹی۔ مجھ سے نہیں کھائی جاتی۔"

"ہم بڈھیاں ہیں اب یہ سالن بھی جلن کرتے ہیں اندر۔ بس دودھ ٹھیک ہے۔"

"اچھا آپ روٹی بنا لیں' میں آلو تل لیتی ہوں۔" روحی ایک بڑی ٹوکری میں سے آلو برآمد کرنے لگی۔ مغرب کی اذان کے کچھ دیر بعد زمان آیا۔ سب صحن میں چارپائیوں پر بیٹھے تھے اور کھانا تیار ہی تھا۔

"اتنی دیر کر دی تم نے زمی۔ مجھے پتا ہوتا کہ اتنی دیر کرو گے تو میں حویلی کے گھروں میں چکر لگا آتی۔" فوزیہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

زمان نے خاموش سی نظر ان پر ڈالی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جو کچھ وہ سن کر آیا ہے یقین کرے یا نہیں۔

نہیں مجھے اپنے کان اور آنکھیں کھول کر غلط اور صحیح کا پتا کرنا ہے۔

"کیا ہوا۔" فوزیہ نے اس کا عجیب انداز دیکھا۔

"کچھ نہیں' آپ لوگ تیار ہیں تو نکلیں؟" زمان نے خود کو سنبھال لیا۔

"کچھ کھا لو پھر چلتے ہیں۔" فوزیہ اس کے لیے کھانا نکالنے چل دیں۔ زمان چارپائی پر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

زمان ابھی آفس پہنچا تھا' سب کو سلام کرتا وہ اپنے کیبن کی طرف بڑھا اس بڑے سارے ہال کے کونے میں گلاس وال کا کیبن تھا اس کا' جیسے بینک کی کسی بھی برانچ کا اکثر ہوتا ہے۔ برانچ چھوٹی تھی اسی لیے زمان سات سالوں میں منیجر کی سیٹ تک پہنچ گیا تھا۔ اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے اپنا پورا پورا زور لگایا کہ نظر بھٹک کر گلاس وال کے پار نہ جانے پائے جہاں دیکھ کے اس کی صبح کا آغاز ہوا کرتا تھا۔ ابھی وہ نظروں پر اپنا اختیار آزما رہا تھا کہ موبائل اسکرین روشن ہوئی اور پیغام دشمن جاں کا ہی تھا۔

"اف..... زرمینے!" اس نے آنکھیں ہی میچ لیں۔

گلاس وال کے پار زرمینے سب بڑے غور سے ملاحظہ کر رہی تھی۔ کبھی وہ وقت تھا جب زمان اپنی سیٹ پر بیٹھ کر سب سے پہلے اسے میسج کرتا تھا۔

"بہت اچھا رنگ پہنا ہے۔"

"آج نیند پوری نہیں ہوئی کیا؟"

اور اس کی صبح میں رنگ ہی رنگ بکھر جاتے تھے۔ زرمینے نے آہ سی بھری۔

زمان نے میسج کھولا۔

"مجھے ضروری بات کرنی ہے' تکلیف نہ ہو تو آج لنچ میرے ساتھ کرو۔" زرمینے کے میسج میں طنز تھا ورنہ وہ ناز سے پیغام بھیجتی تھی' کبھی کچھ بنا کر لاتی تھی یا کچھ اسپیشل کھانا ہوتا تو فرمائش کرتی۔

زمان نے کچھ لمحے سوچا پھر جیسے فیصلہ کر لیا اور جواب دیا۔

"اوکے۔"

یک لفظی جواب کو دیکھ کر زرمینے کا دل چاہا موبائل کھینچ کر دے مارے اس گلاس وال پر جس کے پار وہ بیٹھا تھا۔ وہ ہمیشہ ایسے جواب دیتا تھا کہ زرمینے پڑھنے کے بعد دیر تک مسکرائے جاتی۔

"جی جو حکم۔"

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"جی سرکار۔"

پر جب سے زمان اپنے گاؤں سے لوٹا تھا' کچھ غیر معمولی سنجیدہ تھا۔ اس کے والد کی پھپھو کا انتقال ہوا تھا جن سے زمان کی کبھی کوئی دلی وابستگی نہیں رہی تھی پھر آخر ایسا کیا ہو گیا تھا۔ آج چار ہفتے ہو چکے تھے' اسے واپس آئے ہوئے۔ مطلب ایک مہینہ اور اس نے معمول کی آفس کے کام کی گفتگو کے علاوہ اس سے کوئی بات نہیں کی تھی' نہ آفس میں نہ فون پر۔ بہت زیادہ بات تو ان میں پہلے بھی نہیں تھی کیونکہ شام پانچ بجے تک تو وہ لوگ ویسے بھی آفس میں ہوتے تھے پھر گھر پہنچ کر زرمینے گھر کے تھوڑے بہت کام کرتی اس کی والدہ بہت کڑی نگاہ رکھتی تھیں اس پر اور اس کی چھوٹی بہن اور بھائی پر اور یہی وجہ تھی کہ ابھی تک وہ زمان کے معاملے میں ان سے کوئی بات نہیں کر سکی تھی۔

اس کے والدین کو ایک رشتہ اس کے لیے بہت پسند آ گیا تھا اور وہ بات پکی کرنا چاہتے تھے۔ اب زمان کے والدین کو آ جانا چاہیے اس کے گھر تاکہ وہ کچھ تو کہنے کے قابل ہو۔ تین سال سے وہ اس بینک میں نوکری کر رہی تھی' اب اس کے والدین اس کی شادی میں اور دیر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس سے پہلے بھی کئی رشتے آئے زرمینے کے لیے پر بات اتنی آگے نہیں گئی۔

وہ کام نہیں کر پا رہی تھی' بہت کوشش کے باوجود بھی وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ فائل میں کیا لکھا ہے' بالآخر اس نے فائل بند کر دی اور کرسی پر سر ٹکا دیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی جمع ہونے لگی۔ وہ ضبط کرنے لگی۔ ایک ہی ہال میں جہاں آپ کے اور بھی کولیگز بیٹھے ہوں وہاں اپنے انتہائی احساسات کو چھپانا بعض دفعہ مشکل ترین کام ہوتا ہے اور نہ ہی سامنے والے کم ذہن ہوتے ہیں کہ سمجھ نہ سکیں۔ ہاں اتنا احسان ضرور کرتے ہیں کہ بلاوجہ کسی کے معاملے میں مداخلت نہیں کرتے آج کے لوگ۔

زرمینے جب آنسو روکنے میں بے بس ہوئی تو میز پر بازو رکھ کر اس پر سر ٹکا دیا۔ زمان کسی کلائنٹ سے بات کر رہا تھا۔ اس کی نظر بھٹک کر زرمینے تک چلی گئی' اسے اس طرح نڈھال دیکھ کر دل ڈوب سا گیا۔ اداسی اس کے دل سے امڈ امڈ کر اس کے پورے وجود پر پھیلنے لگی۔ نظر کے ساتھ ذہن بھی بھٹک گیا۔

"اف کیا کروں۔ دل کی سن لوں اور آج ہی زرمینے کی جھولی میں ساری خوشیاں ڈال دوں؟"

"زمان! ایک تم اپنی خوشی چھوڑ دو گے تو کافی زندگیاں ویران ہونے سے بچ جائیں گی۔ تمہاری خوشیوں کی یہ قیمت کم نہیں ہوگی۔" نور شاہ چپکے سے اس کے کانوں میں بولنے لگے۔

"زمان صاحب!" کلائنٹ نے اسے متوجہ کیا۔

"جی تو میں کیا کہہ رہا تھا؟" وہ شرمندہ سا پوچھ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ درمیانے درجے کا ریسٹورنٹ تھا جو ان کے آفس کے قریب ہی تھا۔ کبھی کبھی وہ لوگ وہاں لنچ کر لیا کرتے تھے۔ زیادہ تر اور بھی کولیگز ساتھ ہوا کرتے تھے پر آج وہ دونوں ہی تھے۔ زرمینے بہت گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے زمان سے اس کے گریز کی وجہ پوچھی تھی۔ زمان نے دل میں سارے سود و زیاں کر رکھے تھے' اتنے دنوں سے وہ یہی تو کر رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور زرمینے کی آنکھوں میں دیکھا۔

"جو کچھ میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں زری! وہ سب اب ممکن ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے ناممکن لگ رہا تھا۔ اگر میں ابھی خود غرض ہو گیا تو میری بہنوں کا کیا ہوگا۔ میں نے تم سے چھپایا کچھ نہیں' اب بھی نہیں چھپا رہا۔ مجھے راہ نظر آنے لگی ہے۔"

زرمینے کا دل ڈوب گیا۔

"تو کیا یہ ضروری ہے کہ تم اپنی خوشیوں کی بھینٹ چڑھاؤ؟ یہ سب اس کے بنا بھی ہو سکتا ہے۔"

"دیکھو' میں ابھی سوچ رہا ہوں کوئی ایسا حل کر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سب ٹھیک ہو جائے لیکن چانسز کم ہیں۔ میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھ سکتا۔" زمان اس کی آنکھوں میں دیکھ نہیں پا رہا تھا اور وہ آنکھیں بھی نہیں جھپک رہی تھی، وہ آنکھیں جن میں آس تھی اور وہ امید کی کوئی کرن چاہتی تھی۔

"تم نے کہا تھا کہ تمہاری بہنیں شادی نہیں کرنا چاہتی ہیں۔ اتنے سال ہو گئے ہیں، تم نے کتنی کوشش کی ہے کوئی رشتہ نہیں ہو سکا۔ اب تو کافی وقت سے تم نے بھی ان کی شادی کی کوئی بات نہیں کی۔"

"تم نے نوٹس نہیں کیا کہ میں نے اپنی شادی کی بھی کوئی بات نہیں کی۔"

وہ سناٹے میں آ گئی۔

ہاں واقعی اس نے اپنی شادی کی بھی کوئی بات نہیں کی۔ نمی اس کی آنکھوں میں پھر سے جمع ہونے لگی اور زمان سے یہ نمی چھپی تھوڑی تھی۔

وہ سخت ہونا چاہتا تھا پر پگھلنے لگا۔

"دیکھو تم رونا مت۔ میں تمہیں کیسے اپنے آسرے میں بٹھا دوں، اگر ایک سال اور گزر گیا اور پھر میں تم سے کہوں کہ میں نہیں کر سکتا تم سے شادی تو.....؟ اور تمہارے والدین..... ان کا کیا قصور ہے کہ وہ پریشان ہوں۔"

زرمینے نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا، آواز تو گلے میں ہی اٹک گئی تھی کہ کچھ بولتی۔

زمان ان نظروں کی تاب نہ لا سکا۔

"دیکھو زری! تم شروع سے سب کچھ جانتی ہو۔ تم میری جگہ خود کو رکھو اور سوچو۔ تمہیں کوئی بھی اچھا لڑکا مل سکتا ہے۔" زمان نے بہت دل مار کر کہا۔

"کوئی بھی تو نہیں چاہیے تھا مجھے۔" وہ بڑبڑائی۔

زمان اسی لیے اتنے دن سے کترا رہا تھا کہ اس کے سامنے بیٹھ کر اسی کو دور ہو جانے کا کہنا ایک دشوار کام تھا۔ جان لیوا۔

میز پر پہلا قطرہ زری کی آنکھوں سے گرا تو وہ زچ ہوا۔

"یار میں کہہ رہا ہوں کہ رونا نہیں، تم کیوں میرا امتحان لے رہی ہو۔"

"میرے اختیار میں رونا ہی ہے، یہ تو کرنے دو مجھے۔" رونا ضبط کرتے کس مشکل سے یہ الفاظ زرمینے نے کہے، وہی جانتی تھی۔

وہ تماشا بننے کے خیال سے اپنے آپ کو سنبھال رہی تھی۔ سچ یہی تھا کہ زمان نے کبھی بھی براہ راست اس سے شادی کی بات کی ہی نہیں تھی پر کبھی کبھی اسے ایسے اشارے دے دیا کرتا تھا کہ وہ اس راستے پر چلنے لگی۔

زمان کو بھی شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اسے خود کو باز رکھنا تھا پر اب کیا کر سکتا تھا۔

"دیکھو میں کوئی راستہ نکالتا ہوں کہ سب ٹھیک ہو جائے، پر اگر نہ ہو سکا تو تم بھی وعدہ کرو کہ اپنے والدین کی بات مان لو گی۔ سمجھ لینا کہ قسمت میں تھا ہی نہیں ہمارا ساتھ۔" اس کا لہجہ شکستہ ہو گیا۔ اپنے دل کو سمجھانا ہی مشکل تھا اس کو کیا سمجھاتا۔ بہرحال اسے ثابت قدم رہنا تھا، اس نے جلد ہی دل کو سنبھال لیا۔ وہ اسے کوئی آسرا نہیں دینا چاہتا تھا پھر بھی بالکل انکار نہ کر سکا۔

☆☆☆

"اچھا تم کہہ رہی ہو کہ وہ مجبور ہے۔" پریشے نے ہونہہ کے انداز میں سر جھٹکا۔

زری ہونٹ دانتوں سے کاٹنے لگی۔ بس یہی بہن اس کی ہمراز تھی۔

"وہی سو کالڈ مجبوری کی کہانی..... میں نے کتنا سمجھایا تھا نا کہ بھروسا نہ کرو اس پہ۔" پریشے سے زری کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی

"زمان نے کبھی مجھ سے ایسے وعدے کیے ہی نہیں تھے پری کہ میں اسے الزام دوں۔ جب پہلے کچھ دوستی ہوئی تھی تو اس نے تب ہی بتایا تھا کہ وہ شادی نہیں کرے گا کبھی کیونکہ اس کی بہنیں بھی نہیں کریں گی۔" زری نے صفائی دی۔

"میں نے بہت سی کہانیوں میں پڑھا ہے اکثر

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

سید لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے۔ جائداد کا بٹوارہ جو ہو جاتا ہے۔'' پری نے پھر سر جھٹکا' اسے بہت غصہ آ رہا تھا۔

''زمان کے والد کی کوئی زمین جائداد ہے ہی نہیں۔''

''پھر تو اس نے یہ عجیب ہی کہانی گڑھی ہے کہ بہنیں شادی کے لیے نہیں مانتیں اور اب وہ اپنی ایک بہن کی شادی کروائے گا اور ہو سکتا ہے کہ وٹہ سٹہ کرنا پڑے تو وہ قربانی دے گا۔ واہ واہ اور میری بہن یہاں آنسو بہائے گی اور باقی بہنوں کا کیسے کرے گا' رشتہ اور بھائی تو نہیں ہیں اس کے کنوارے کہ وٹہ سٹہ ہو؟'' پری نے طیش میں کہا۔

''وہ کہتا ہے ایک کی ہو جائے پھر باقی کی کرنا آسان ہے۔ پہلا قدم مشکل ہے۔'' زری اس کی باتیں دہرانے لگی اور پری اونہہ کہہ کر چائے بنانے باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ زری نے اپنے آنسو لڑھک جانے دیے' شکر تھا کہ امی پڑوس میں گئی ہوئی تھیں اور ابا بھی باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ آرام سے اپنا غم منا سکتی تھی۔ یہ سچ تھا کہ زمان نے اسے شروع میں ہی بتایا تھا کہ وہ شادی نہیں کرے گا پر جیسے جیسے دوستی بڑھتی گئی اس کے ساتھ ساتھ زمان کے خیالات بھی بدلنے لگے۔ ایک دفعہ اس نے کہا تھا تم سے ملنے کے بعد سوچتا ہوں کہ مجھے اب شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

بہت واضح اقرار تھا یہ پھر زمان کا اس کی طرف جھکاؤ بہت واضح ہو گیا۔ اس دوران وہ اپنی بہنوں کے رشتے کی کوشش کرتا رہا پر ہو نہیں سکا۔ وہ اپنی فیملی کے مسئلے کچھ کچھ بتاتا رہتا تھا پر ایک دن وہ اس طرح راستہ بدل لے گا یہ تو نہیں سوچا تھا اس نے۔

امی کی آواز آ رہی تھی باہر سے' لگتا ہے واپس آ گئی ہیں۔ اس نے سرعت سے آنسو پونچھے اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔

امی حسب توقع ان کے کمرے میں چلی آئیں۔

''ہیں..... یہ سو گئی کیا؟ آج جلدی آ ہی گئی تھی آفس سے تو کچھ کام کر لیتے مل کر۔ پیٹی کھول لیتے مل کے' دیکھیں کیا کیا سامان پڑا ہے جہیز کا۔'' امی اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ ''پورا ہفتہ تو بھاگتے رہتے ہو تم لوگ چھٹی کے دن گھر کے سو کام ہوتے ہیں۔

''لو جی امی! ابھی رشتہ پکا نہیں ہوا ہے اور آپ پیٹی کھولنے لگی ہیں اور وہ کنواں کھل گیا تو صبح ہو جاتی ہے۔'' پری نے چائے سائڈ ٹیبل پر رکھی۔

''بس پکا ہی سمجھو رشتہ بھی اور ستائیس سال تو عمر ہو چکی ہے اب کوئی منگنی تو نہیں کرنی بس شادی کریں گے اپریل چل رہا پھر روزے آ جانے ہیں خریداری کرنے میں وقت لگتا ہے اور درزی کو مہینہ پہلے کپڑے دینے پڑتے ہیں۔'' زری نے بہت مشکل سے ضبط کیا تھا رونا تو پہلے ہی آ رہا تھا۔

''ہائے پہلے تو چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے رشتے ہو جاتے تھے کیا منگنیاں ہوتی تھیں پھر عید پر عیدیاں آتی تھیں اور اب بس بات پکی کروا دو ڈائرکٹ شادی۔'' پری نے ہونٹ لٹکائے۔ ''میری منگنی ایک سال تو رکھنا امی' ایک عیدی تو آئے۔'' اس نے فرمائش کی۔

''تم بھی اتنی کاکی نہیں ہو میں نے جلدی ہی کرنی ہے۔ آج کل پہلے لڑکیاں پڑھتی ہیں پھر معیاری رشتے نہیں ملتے اب اتنی عمر میں کیا منگنی رکھنی ہے بس شادی کریں گے۔ چائے پی لو تو پیٹی کھولیں۔'' امی کی سوئی پھر پیٹی پر آ گئی۔

''امی پہلے رشتہ طے ہو جائے پھر کام بھی کر لیں گے۔ چائے پئیں گی آپ؟'' پری نے پوچھا۔

''نہیں میں پی کر آئی ہوں۔''

''اٹھو زری چائے پی لو پھر کھانا بھی بنانا ہے۔'' پری نے اس کا کندھا ہلایا پر وہ سوتی بنی رہی۔

☆☆☆

زمان آفس سے آنے کے بعد ایسے ہی بستر پر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

پڑا تھا۔ دل طرح طرح کے جواز نکال رہا تھا اور دماغ دلیلیں دے رہا تھا۔ وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا جب اس کا موبائل بجنے لگا۔

''کیا ہے۔'' وہ جھنجھلا گیا پر موبائل پر نظر پڑتے ہی الرٹ ہوا اور لیس کا بٹن دبایا۔

''السلام علیکم..... کیا حال ہیں کیسے یاد کیا۔''

وعلیکم السلام جی، شکر ہے تم سناؤ۔'' منور شاہ نے اس کا حال پوچھا۔

''ٹھیک ٹھاک ہے یار۔ کیا چل رہا ہے آج کل چکر لگاؤ میری طرف۔'' زمان نے لہجے کو خوشگوار بنایا۔

''ہاں اسی لیے کال کی ہے آج ہم لوگ آئیں گے، تم گھر پر ہو گے؟'' منور کو نور شاہ کی خاص ہدایت تھی کہ جب زمان گھر ہو تب جانا۔

''ہاں ہاں میں گھر پر ہوں اور کون آئے گا؟''

''امی ہیں ساتھ۔''

''چلو ٹھیک ہے پھر رات کھانا یہیں کھانا۔'' زمان نے لگے ہاتھوں کھانے کی دعوت دے ڈالی۔

''جی ضرور بس قورمہ بنوانا۔'' منور نے فرمائش کی کیونکہ اسے پتا تھا کہ قورمہ ثانیہ ہی بنائے گی۔

''چلو ڈن ہے۔ پھر ملتے ہیں۔'' زمان نے ایک دو باتیں اور کر کے کال بند کی اور بیزاری کو بھگاتا کمرے سے باہر نکلا۔ لاؤنج میں فوزیہ بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں اور روحی اور سائرہ بھی وہیں بیٹھی تھیں۔ زمان نے مہمانوں کی آمد کا بتایا۔ ثانیہ، ہانیہ اور دانیہ دوسرے کمرے میں بیٹھی تھیں۔

''ثانیہ او ثانیہ.....'' زمان نے ایک طرف رکھی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے آواز لگائی۔

ثانیہ باہر آئی۔ ''جی بھائی.....''

''قورمہ بنانا ہے جو سامان چاہیے لسٹ بنا کے دو۔''

روحی اور سائرہ نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ فوزیہ نے بھی ان نظروں کو نوٹس کیا۔

''کیوں بھئی قورمہ کا خیال کیسے آیا آج؟'' فوزیہ کا لہجہ کچھ سخت ہو گیا جسے زمان نے شدت سے محسوس کیا۔

''کیوں قورمہ بنانے میں کیا ہے؟ کوئی مسئلہ ہے؟'' زمان نے دانستہ لہجہ سخت کر لیا۔

فوزیہ جز بز ہو گئیں۔ ''گاؤں کے لوگ ہیں سارے کہاں کھائیں گے قورمہ۔ میں خود بناتی ہوں شوربے والا سالن وہ شوق سے کھاتے ہیں۔''

''امی وہ قورمہ بھی شوق سے کھائیں گے۔ تم سامان کی لسٹ بنا کے دو ثانیہ۔'' اس کا قطعی انداز دیکھ کر فوزیہ خاموش ہو گئیں۔

''آج قورمے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔'' روحی سے برداشت نہیں ہوا تو بول پڑی۔

''ویسے بھی بنتا ہی ہے تم لوگوں کو کیا ہوا ہے بھئی۔''

''ہاں بنتا تو ہے پر تم کبھی مہمانوں کے لیے نہیں بنواتے نا وہ بھی گاؤں سے آئے مہمان تو کم ہی کھاتے ہیں۔''

''توبہ یار..... منور نے کہا کہ قورمہ کھانا ہے اور وہ بھی کافی سالوں سے یہاں شہر میں ہی رہتے ہیں۔ اور تم یہیں ہو ابھی تک، جلدی سامان لکھ کر دو۔'' اس نے ثانیہ کو ڈپٹ کر کہا تو وہ گڑبڑا کر لسٹ بنانے گئی۔

سب خائف سی ہو گئیں اس لیے چپ ہو گئیں۔ تھوڑی دیر میں ثانیہ نے لسٹ زمان کو دی تو زمان باہر کی طرف چل پڑا۔ روحی کی تیکھی نظریں ثانیہ کے آر پار ہونے لگیں۔

''یہ منور کو کیسے پتا کہ قورمہ تمہیں بنانا آتا ہے۔''

''مجھے کیا پتا۔'' ثانیہ قصور نہ ہوتے بھی چور سی بن گئی۔

''الہام تو نہیں ہوا ہو گا اس کو۔ رشتہ ڈالا ہے تمہارا اس نے۔ اب فرمائشی پروگرام بھی بھیجنے لگا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہے۔'' اس کے اندر آگ جلنے لگی۔

''رشتہ صرف انہوں نے ڈالا ہے، وہ تو کتنوں نے ڈالا ہے کبھی تمہارے لیے کبھی سائرہ کے لیے اب میرے لیے آ گیا تو کون سا کچھ نیا ہوا ہے۔'' ثانیہ نے تپ کر جواب دیا۔

''آج قورمہ میں بناتی ہوں۔'' روحی نے فیصلہ کیا۔

''بنالو اچھا ہے کام سے جان، چھوٹی۔'' ثانیہ کو پرواہ ویسے بھی نہیں تھی۔

''بس اب آج تجربہ نہ کرو تم روحی! خراب ہو جائے گا پھر کسی دن سیکھ لینا اس سے اور جب اس نے پہلی مرتبہ بنایا تھا ترکیب دیکھ کر تو سب کو بتا رہی تھی کہ میں نے قورمہ بنایا ہے وہ الماس تم لوگوں کی دوست ہے اس نے بتا دیا ہوگا۔'' فوزیہ نے روحی کو سمجھایا۔

''پھر بھی منور سوچے گا کہ ہم اس کی فرمائشیں پوری کر رہے ہیں ضرور رشتہ بھی دے دیں گے۔''

''تو کون سا ہم نے دے دینا ہے۔'' فوزیہ نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔

''آپ نے دیکھا نہیں کہ منور اب زمان سے بات کرتا ہے، پہلے تو بلقیس چاچی آپ کو کال کر کے آنے کا بتاتی تھیں اور منور نے رشتے کی بات بھی زمان سے کر لی تو؟ اور زمان تو ہاں کر دے گا۔''

''جھلی! کوئی اپنے رشتے کی بات بھی خود کرتا ہے کیا، وہ بھی لڑکی کے بھائی سے۔ یہ باتیں تو عورتیں ہی کرتی ہیں۔ اب ایسا بے شرم بھی نہیں منور۔'' فوزیہ نے تسلی دی۔

ثانیہ وہاں سے ہٹ کر کمرے میں آ گئی ہانیہ اور دانیہ پڑھ بھی رہی تھیں اور باتیں بھی کر رہی تھیں۔

وہ اندر آئی تو دانیہ نے اسے شرارت سے دیکھا کمرے تک وہ سب آوازیں آئی تھیں جو باہر گفتگو ہو رہی تھی۔

''کیا ہے۔'' ثانیہ نے اپنا غصہ اس پر نکالا۔

''تم چڑ کس بات پر رہی ہو؟ رشتے پر یا ان لوگوں کے آنے پر؟ یا.....'' دانیہ نے آواز کم رکھی کہ باہر نا جائے۔ ''یا کیا؟''

''یا اس لیے کہ وہ بھی انکار ہی سنیں گے۔'' دانیہ اسے جانچ رہی تھی۔

''انکار تو ہوگا ہی، مجھے اس بات کا غصہ ہے کہ میں قورمہ کس خوشی میں پکاؤں۔'' دانیہ نے سر جھٹکا۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ ہم جو زندگی گزار رہے ہیں یہ فطرت کے خلاف جاتی ہے کچھ نیچرل نہیں۔'' دانیہ نے بہت محتاط لفظ چنے تھے۔

''مجھے نہیں لگتا ایسا کچھ بھی۔'' سختی ہر انداز میں تھی۔

''پر مجھے لگتا ہے۔'' دانیہ نے دوٹوک کہا۔

وہ چونکی اور دانیہ پر نظریں جما دیں۔ ''تم کیا کہہ رہی ہو یہ؟ تمہیں سمجھایا تھا کہ یونیورسٹی میں جا کر دماغ خراب نہ کر لینا یہ ضرور تمہاری دوستوں کی پٹیاں پڑھائی ہوئی ہیں۔

''تم نے ماسٹرز کر تو لیا ہے ثانی پر صحیح اور غلط کی پہچان نہیں کر سکی ہو۔''

''کیا پڑھائی یہ عشق اور شادی سکھاتی ہے۔'' وہ آہستہ آواز میں غرائی۔

''نہیں پر میں نے لائبریری جا جا کر سب کتابیں کھنگالی ہیں وہ سب اسلامک کتابیں جو زندگی جینا سکھائیں اور وہ سب بھی جو عورتوں کے احکامات سے متعلق ہے۔ کسی میں بھی یہ نہیں لکھا کہ شادی کرنا جرم ہے۔ کیا تم سے تمہاری دوستیں یہ نہیں پوچھتی تھیں کہ تمہاری منگنی ہوگئی؟ شادی کب ہوگی؟ تمہاری بڑی بہنوں کی شادی کیوں نہیں ہوئی؟

''پوچھتی تھیں پر میں کہہ دیتی تھی کہ ان خرافات کا ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔ یہ واہیات دوستیں چھوڑ دو۔ پڑھنے والی دوستیں بناؤ۔''

دانیہ مسکرائی۔ ''میری دوست پوزیشن ہولڈر ہے کلاس میں اور وہ کوئی عشق نہیں لڑا رہی بلکہ اپنے والدین کی پسند سے شادی کرے گی۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''شادی کوئی میڈل تو نہیں کہ گلے میں سجانا ہے بس۔'' ثانیہ کچھ پست ہوگئی۔

''کوئی جرم بھی نہیں کہ جو کرے وہ سزاوار ہو جائے۔''

''ثانیہ.....'' فوزیہ کی آواز آئی۔ ''تم پیاز وغیرہ لا دو، میں کاٹ دوں اور جلدی کرو اتنا ٹائم نہیں ہے۔''

''تم سے میں پھر بات کرتی ہوں۔'' ثانیہ باہر چلی گئی۔

☆☆☆

کھانے کا دور چل رہا تھا زمان، منور، فوزیہ اور چاچی بلقیس خوشگوار ماحول میں کھانا کھا رہے تھے۔ دستر خوان کمرے میں لگایا تھا۔ منور نے کوئی چوتھی دفعہ قورمہ لیا تھا اور پلاؤ، میٹھے کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ ہلکی پھلکی گفتگو میں کھانا ختم ہوا۔ دوسرے کمرے میں باقی سب لڑکیاں کھانا شروع کر چکی تھیں ثانیہ ہاتھ دھو کر آ رہی تھی اب یہ اتفاق تھا یا منور کی دعا کی قبولیت کہ کمرے کے آگے سے گزری تو فوزیہ نے پانی لانے کا کہا۔ وہ پانی لے کر آئی تو زمان نے کہا کہ برتن اٹھا لو۔ کچھ برتن فوزیہ اٹھا کر کچن کی طرف چلیں تو کچھ بلقیس چاچی نے بھی اس کے منع کرنے کے باوجود اٹھا لیے اور فوزیہ کے پیچھے چل دیں۔

''آؤ منور! ہاتھ دھو لو۔'' زمان بھی اٹھ کے کمرے سے باہر نکلا، اٹھا تو منور بھی تھا پر پشاوری چپل پہننے میں دانستہ دیر کی وہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ ثانیہ برتن اٹھا رہی تھی وہ تھوڑا قریب آیا۔

''قورمہ بہت اچھا تھا۔''

ثانیہ برتن اٹھاتے ہوئے اچھل ہی پڑی ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھنے لگی۔

زیادہ ٹائم نہیں تھا منور کے پاس کہ اس کو دیکھتا۔

''پلیز جیسے آج میری بات مان کر قورمہ بنایا ہے ویسے ہی میری بات مان کر میری زندگی میں آ جاؤ۔ میں نے تمہارے علاوہ کبھی کسی کے ساتھ کھیلا نہیں تو زندگی کیسے گزاروں گا۔''

وہ رکا نہیں تیزی سے باہر نکلا۔ پر وہ رک گئی۔ حادثہ اچانک تھا بہت، اسے سنبھلنے میں ٹائم لگا۔

فوزیہ اور بلقیس باہر لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی تھیں اور زمان منور کو لیے اپنے کمرے میں چلا گیا جو ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

ثانیہ جب تک سب برتن باورچی خانے میں رکھ کر آئی تب تک ٹھنڈے ہاتھ کچھ گرم ہو چکے تھے دل کچھ تھم چکا تھا پر اس کے چہرے کی سرخی روحی کی نظروں سے چھپ نہیں سکی۔

''تمہیں کیا ہوا۔'' اس کے چہرے پر نظریں جمائے روحی نے پوچھا۔

اور اس کی نظریں تو جھکی ہوئی ہی تھیں۔ اس نے بس نفی میں سر ہلایا اور کھانا کھانے لگی۔ مہمان چلے گئے تو وہ تھکن کا بہانا کر کے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کی تو دو اور آنکھیں تصور میں چلی آئیں۔

''میں نے تمہارے علاوہ کبھی کسی کے ساتھ کھیلا نہیں تو زندگی کیسے گزاروں گا۔''

اس کی آواز بھی کانوں میں رس گھولنے لگی۔ واقعی وہ کھیلتا تھا تو بس اس کا ساتھی بنتا تھا۔ بچپن سب کا گاؤں میں ہی ساتھ کھیلتے گزرا تھا اور وہ سب منظر اس کی آنکھوں میں آ گئے جب وہ کھیلا کرتے تھے اور جب جھگڑا ہوتا تھا تو وہ ہمیشہ اس کی سائیڈ ہو جایا کرتا تھا اور خوب جھگڑتا تھا مخالف پارٹی سے۔ اس کے لب آپوں آپ مسکرانے لگے۔

''یہ مجھے کیا ہوا' میں اتنی خراب ہوگئی ہوں کہ ایک جملے سے پگھل گئی۔'' اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

''نہیں۔ میں ایسی تو نہیں ہوں۔ میں پاک لڑکی ہوں۔ مجھے اپنی سوچوں کو پاک رکھنا ہوگا۔'' وہ گھبرا کر اٹھی اور کمرے سے باہر چل دی۔ باہر سب

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

''امی! منور دعوت دے کر گیا ہے۔ تصور بھائی کے بیٹے کی خوشی کرنی ہے۔ آپ کو بھی پتا ہوگا پہلے بھی دے کر گئے تھے پر آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں۔'' زمان کا پورا دھیان فوزیہ پر تھا۔

''جب جانا نہیں تو بتانا کیسا۔'' فوزیہ نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

''کیوں نہیں جانا؟''

''تمہاری پھوپھیوں سے بہت جھگڑا کیا ہے' ان کی پھوپھیوں نے۔ ایسے لوگوں کے گھر کیا جانا۔''

''کیا.....؟ ویسے وہ لوگ کب نہیں لڑتیں آپس میں؟ ان کا تو روز کا کام ہے اور کوئی ٹائم پاس جو نہیں ہے ان کے پاس تو آپس میں لڑ کر وقت گزار لیتی ہیں اور آپ نے کب سے ان کی پروا کرنی شروع کی ہے؟''

(تو نور بھاٹھیک ہی کہہ رہے تھے' اتنا بے ہودہ بہانا بنایا ہے نہ جانے کا)

''ہم اپنی پھوپھیوں کے ساتھ ہیں۔'' روحی چیخ کر بولی۔

''آپ تو ویسے بھی ان کے ساتھ ہی ہیں' جیسی زندگی انہوں نے گزاری ہے ویسی آپ بھی گزارنا۔'' وہ دوبدو بولا۔

''اللہ کے نام پر زندگی گزار رہی ہیں پاک ہیں وہ۔''

''اچھا پھر آرام سے کیوں نہیں رہتیں وہ؟ خود بھی آرام سے رہیں اور دوسروں کو بھی رہنے دیں۔ عبادت کریں دوسروں کی مدد کریں۔ پورا وقت چغلیاں اور جھگڑا کرنے میں گزارنے کو آپ کیا کہتی ہیں؟''

''بات کو کہاں لے کر جا رہے ہو تم لوگ۔'' فوزیہ نے سر پکڑ لیا۔

''بڑی بی بی کے چالیسیوں کے دس دن بعد ہے فنکشن، آپ سب تیاری کریں۔'' زمان نے فیصلہ سنایا۔

''ہم لوگ نہیں جائیں گے' کہہ دیا نا۔'' روحی چلائی۔

''آپ کے کہنے سے اب کچھ نہیں ہوگا۔ آپ تو پھوپھیوں کی طرح لڑ بھڑ کر بیٹھ جانا پر مجھے سب کے ساتھ نبھانی ہے' ان سب کی شادی کرنی ہے۔'' زمان نے چھوٹی بہنوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''فیصلہ مجھے کرنا ہے' آپ کو نہیں جانا تو نہ جانا' باقی سب جائیں گے۔''

سب گنگ رہ گئے۔

''یہ تو کہتا تھا کہ شادی نہیں کروں گا' سب بہنوں کے ساتھ رہوں گا۔ اتنی جلدی بدل گیا۔'' سائرہ نے دکھ سے کہا۔

''اب کیا ہوگا اس طرح تو یہ شادی کر دے گا ان سب کی۔'' سائرہ گھبرا گئی۔ ثانیہ کو لگا کہ اس کو اطمینان ہوا ہے اور وہ اپنے اس اطمینان پر خود ہی شرمندہ ہوگئی۔

''کچھ نہ کچھ کر لیں گے، ہمیشہ کر لیتے ہیں۔'' روحی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور سائرہ مطمئن ہوئی ویسے بھی وہ اپنا دماغ کم استعمال کرتی تھی پر ثانیہ پھر سے مضطرب ہوگئی۔

☆☆☆

زمان کا سر دکھ رہا تھا۔ آج کل کام بہت زیادہ تھا اور گھر کی ٹینشن اس سے بھی زیادہ تھی۔ اس نے سر کرسی کی پشت سے ٹکایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ آفس سے گھر وہ شام میں ہی پہنچتا تھا اور رات کی نیند بے آرام سی تھی۔ کچھ لائٹ تنگ کرتی تھی' کچھ زری کی صورت اس کی آنکھوں میں آ بستی تھی' اپنی بہنوں کے چہرے آنکھوں میں آ جاتے۔ بہت تنگ ہو جاتا تو گھر سے نکل جاتا پر اب وہ جلد سے جلد ان مسئلوں کو حل کرنا چاہتا تھا۔ آفس میں جب بھی زری پر نظر پڑتی' اس کی آنکھوں میں ایک آس ہوتی تھی۔ ان کے درمیان رابطہ کچھ بحال ہوا تھا پر زمان نے اسے ایک حد میں رکھا ہوا تھا۔ وہ اس نازک سی لڑکی کو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اور دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ بس ثانیہ کی بات طے کر کے وہ امی ابو کو بھیجنے کا سوچ رہا تھا زری کے گھر پر۔ ابھی وہ کچھ نہیں بتا رہا تھا زری کو۔

''بہت تھک گئے ہو؟'' زری کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

جو چہرہ بند آنکھوں میں اس وقت تھا۔ آنکھیں کھول کر اس کو دیکھنا کس قدر اچھا لگا۔ زمان نے دل میں اندازہ لگایا' ہر اندازے سے زیادہ اچھا لگا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دیا۔

''ہاں بہت..... بیٹھو۔''

وہ بیٹھ گئی۔ ان دنوں میں اس نے اتنا وزن کم کر لیا تھا کہ بیمار لگنے لگی تھی۔ وہ ہر روز نظر بچا کر اسے دیکھ لیتا تھا' اس کی آنکھیں سوجی لگتی تھیں۔

''تم بہت اسمارٹ نہیں ہوگئی ہو۔'' وہ بس اپنی طرف سے اس کا دھیان ہٹانے لگا۔

''تم ٹینشن میں ہو؟'' اس نے پھر سوال کیا۔

اسے ٹال دینا مشکل تھا۔ وہ چہرے پڑھ لیا کرتے تھے' ایک دوسرے کے۔ پھر کیا چھپانا کیسے چھپانا۔

''ہاں ہوں تو..... بس اس اتوار کو چالیسواں رکھا ہے ابو کی پھپھو کا اس مہینے کے آخر تک میں تمہیں ایک حتمی جواب دے دوں گا۔''

''جواب ہی نہ دینا۔'' زری بے ساختہ بولی۔

زمان کے لبوں پر مسکراہٹ چمکی اس کے انداز پر۔

''اگر واقعی جواب دے دیا تو؟'' اس نے ایک ابرو اٹھا کر پوچھا۔

سیکنڈ میں زری کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''او خدا۔'' زمان کو سر میں پھر دکھن محسوس ہونے لگی۔

''کیا ہے یار! کتنا روتی ہو تم۔ روتی صورت.....'' اس نے ماحول کو ٹھیک کرنا چاہا۔

''سوری زمان! میں تمہیں تنگ نہیں کرنا چاہتی پر میرے پاس بہت زیادہ وقت نہیں ہے۔ میرے والدین بہت سنجیدہ ہیں۔ اس دفعہ اور لڑکا بھی ابو کے دوست کا بیٹا ہے۔ ابو کا دیکھا بھالا ہے' وہ دیر نہیں کرنا چاہتے۔'' زری کا بار بار ہاتھ مسلنا اس کی پریشانی کی گواہی دے رہا تھا۔

''میں کیسے اس رشتے کو بھگاؤں۔''

''نہیں۔ تم بھگاؤ مت۔'' زمان اتنا بے ساختہ بولا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فی الحال وہ اچھا رشتہ ہاتھ سے جائے' جب تک وہ خود زری کو حتمی جواب دے۔ زری نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ اس کا دل چاہا کہ کہیں غائب ہو جائے۔

''تم غلط مت سمجھو پلیز پر میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم میری وجہ سے اپنے والدین کو دکھ دو اور اگر میں یہ سب نہ کر سکا تو پھر تم مجھے کبھی معاف نہیں کرو گی۔'' زمان نے صفائی دی۔

''میرا خیال ہے' میں بہت بڑی بے وقوف ہوں اور تم مجھے جی بھر کر بنا رہے ہو۔'' وہ کرسی سے اٹھی اور گلاس دور رکھ کر چلی گئی۔ وہ اسے روک بھی نہ سکا' اس طرح آفس میں عجیب لگتا اس کے پیچھے جانا اور منانا۔

اس نے موبائل اٹھایا اور میسج لکھا۔

''پلیز یار! میں تمہیں ہر دکھ سے بچانا چاہتا ہوں۔''

پھر ساری احتیاط بلائے طاق رکھتے ہوئے اس نے بہت سے میسج بھیجے پر زری کا کوئی موڈ نہیں تھا کہ وہ میسج دیکھے۔ تھک کر اس نے پھر سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا' آنکھیں موند لیں۔ سر کا درد حد سے سوا ہو گیا۔

☆☆☆

بڑی بی بی کا چالیسواں ہو چکا تھا۔ وہ سب اتوار کی رات کو ہی واپس آ گئے تھے۔ زمان کو آفس بھی جانا تھا اور اخلاق شاہ بھی آ گئے تھے۔ ان کے ساتھ وہ ویسے بھی کچھ دن گاؤں گزارتے تھے' کچھ دن شہر میں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

زمان آفس سے واپس آ کر لاؤنج میں اخلاق شاہ سے گاؤں کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ وہ اب اسّی کے پیٹے میں تھے۔ اونچا سنتے تھے۔ کبھی بات ہی نہیں سمجھتے تھے۔ کبھی سمجھا نہیں پاتے پر زمان کافی ٹائم انہیں دیتا تھا' جب وہ یہاں ہوتے تھے۔

فوزیہ بھی پاس بیٹھی تھیں۔ زمان کے ذہن میں کشمکش چل رہی تھی' جلد ہی اسے منور کے رشتے کی بات نمٹانی تھی۔

''آپ لوگوں نے تیاری کر لی' منور کے بھتیجے کی خوشی میں جانا ہے؟'' زمان نے فوزیہ سے پوچھا۔

''ہاں کپڑے ہیں ہمارے پاس اور کون سا کوئی شادی ہے ایک دن کا فنکشن ہے بس۔''

''میں نے منور سے وعدہ کیا ہے کہ ہم سب جائیں گے۔'' ایک بات تھی جس گھر سے لڑکی کا رشتہ آیا ہو وہاں لڑکی کا جانا کچھ عجیب سمجھا جاتا ہے ہمارے معاشرے میں اور ان کے خاندانوں میں عجیب تر۔

فوزیہ کو جیسے پتنگے لگ گئے۔

''کیوں جائیں گے سب؟''

''میں نے وعدہ کر لیا ہے امی۔'' زمان رسان سے بولا۔

''میں، سائرہ اور دانیہ چلے جائیں گے بس۔''

''امی آپ کو میرے وعدہ کا ذرا بھی پاس نہیں ہے۔'' ان سے ہر صورت رشتے کی بات اگلوانا چاہتا تھا اور اس کے لیے فوزیہ کو غصہ دلانا ضروری تھا۔ غصے میں ہی انسان ہوش کا دامن چھوڑتا ہے۔

''ہم لوگ جا تو رہے ہیں معذرت کر لینا کہ باقی لوگوں کو کام تھا۔''

''میں نے کہہ دیا نا کہ سب جائیں گے تو بس سب تیاری کریں۔'' زمان نے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔

''سب نہیں جا سکتے۔'' فوزیہ اٹل تھیں۔

''آخر مسئلہ کیا ہے' آدھے رشتہ دار ناراض ہیں۔ پہلے ہی جو بچے کھچے ہیں' ان سے بھی ناراض ہو جائیں آخر کوئی وجہ بھی ہو' میری بات نہ ماننے کی۔ خاندان کے فنکشن میں سب ہی جاتے ہیں ہمیشہ۔''

فوزیہ کے پاس جواب نہ تھا۔

''ثانیہ!''

اس نے جان بوجھ کر ثانیہ کو پکارا۔

''جی بھائی۔'' وہ بھی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی۔

''تم سب لوگ تیاری کرو' کچھ کپڑے لینے ہوں تو بتانا۔''

ثانیہ نے ایک نظر فوزیہ اور ان کے ساتھ بیٹھی روحی پر ڈالی۔ روحی نے اشارہ کیا کہ منع کر دے۔

''کیوں اب تمہیں کیا ہوا ہے' میرا دماغ کیوں خراب کر رہے ہو مل کر سب۔'' وہ گرجا اور سب سہم گئے' کیوں کہ وہ غصے میں آتا تھا تو اس کا غصہ کم کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

''ثانیہ نہیں جا سکتی وہاں۔'' فوزیہ ماں ہونے کے ناتے زمان کے غصے سے کم ہی ڈرتی تھیں۔

''کیوں اب یہ کیوں نہیں جا سکتی۔ میرا دماغ پہلے ہی خراب ہے۔ امی سب تیاری کر لیں بس۔''

وہ فیصلہ سناتا اٹھ کھڑا ہوا۔ بہرحال ان کا خاندان ایسا تھا' جہاں مرد فیصلے کیا کرتے تھے۔ اخلاق شاہ کچھ سمجھ رہے تھے' کچھ نہیں۔

''کیا ہوا ہے پتر؟ اتنا غصہ کیوں کر رہا ہے؟''

''بس ابو! ان عورتوں کا دماغ خراب ہے۔ ہم لوگ کمانے میں پورے ہیں اور یہ گھر فارغ بیٹھ کر صرف لڑنے کی باتیں سوچتی ہیں' کس سے کب ناراض ہونا' کب راضی ہونا ہے۔ اب نہیں ہونے دوں گا میں کچھ بھی غلط' اگر مجھے بیچ کی کوئی بات پتا چلی جو مجھ سے چھپائی ہے تو یقین کر لیں کہ میں چلا جاؤں گا یہاں سے۔''

اور وہ ایسا کر بھی جاتا۔ فوزیہ کو شک ہوا کہ وہ باخبر ہے منور کے رشتے سے۔ اگر نہ بتاتیں تو بیٹے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ وہ کشمکش میں تھیں اور ڈر بھی گئی تھیں۔ پہلے ہی ذوالفقار اسی ضد میں بیوی کو لے کر الگ ہو گیا تھا۔

''اب سب تیاری کریں اور کوئی ایک لفظ نہ بولے۔'' وہ دل میں جھنجھلا گیا' ابھی تک رشتے والی بات کھلی نہیں تھی۔

''ثانیہ.....'' اس نے بت بنی ثانیہ کو پکارا۔

''تم لوگ سب تیاری کرلو' پیسے چاہیے ہیں تو بتانا۔''

''جی ٹھیک ہے۔''

''تم نہیں جاؤ گی۔'' فوزیہ کا جلال بھی لوٹ آیا۔

''اب بتائیں کیوں؟ آج میں وجہ جانے بغیر نہیں ہلوں گا۔''

''منور کا رشتہ ڈالا ہے بلقیس نے' اس لیے اب یہ جاتی اچھی لگے گی؟'' فوزیہ نے آخر کہہ ہی دیا جو زمان سننا چاہتا تھا۔ روحی اور سائرہ تلملا گئیں۔ ثانیہ کو کمرے میں جانا مناسب لگا' سو وہ چلی گئی۔

''اچھا کب ڈالا؟'' وہ انجان بنا۔

''بس ایسے ہی اس نے بات کی مجھ سے کہ وہ لوگ رشتہ کرنا چاہتے ہیں۔''

''اور آپ نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔''

''تم تو جانتے ہو زمی! تمہاری بہنیں شادی نہیں کرنا چاہتیں جیسے تمہاری پھوپھیوں نے نہیں کی۔''

''ہاں جی' ان کے دماغ میں خناس ہے، گناہ ہے ان کے نزدیک شادی کرنا۔ امی آپ لوگوں نے پھر کیوں کی شادی؟

''تمہیں شرم نہیں آتی اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے؟'' اب روحی کے لیے اور برداشت کرنا ناممکن تھا۔

''کس طرح کی باتیں؟ شادی کی باتیں؟''

''ہاں ہمارے مرد تو کرتے ہی ہیں اور جو بیویاں باہر سے لے کر آتے ہیں ان کے لیے کچھ گناہ نہیں کیا شادی کرنا؟ جیسے امی باہر کے خاندان سے ہیں۔''

''ان میں اور ہم میں فرق ہے۔''

''یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ آپ کے لیے شادی حرام ہے؟ یہ صرف کچھ بزرگ عورتوں کی اپنی بنائی ہوئی باتیں ہیں اور نسلیں تباہ کردیں انہوں نے ہماری۔''

''تمہیں تو شرم ہے ہی نہیں۔'' روحی کو جواب نہ سوجھا تو اٹھ کر چلی گئی۔

زمان کو ویسے بھی صرف امی کے منہ سے یہ سننا تھا۔ وہ فوزیہ کی طرف پلٹا۔

''تو یہ وجہ تھی آپ لوگوں کے نہ جانے کی۔ جیسے آدھا خاندان ناراض ہے۔ کیا اسی وجہ سے؟'' فوزیہ بدک گئیں۔

''اب سب ایسے تو ناراض نہیں ہوئے ہیں۔''

''کیوں امی! وہی گھر ناراض ہیں جن کے گھر میں لڑکے ہیں اور ان سے ہماری لڑکیوں کے رشتے ہو سکتے تھے۔'' جرح شدید تھی۔

فوزیہ گھبرا گئیں' وہ گھر میں رہنے والی خاتون تھیں۔ لفظوں کو گھمانا پھرانا نہیں جانتی تھیں۔

''مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ میں اتنی کوشش کرتا رہا' اپنی بہنوں کی شادی کے لیے اور آپ سب مل کر میری کوششوں کو ناکام بناتی رہی ہیں۔ کیوں۔''

''ایسا نہیں ہے' تمہیں کسی نے ورغلا دیا ہے۔''

''بس امی! اب مان جائیں کہ ایسا ہی ہے' میری آنکھیں ہی دیر سے کھلی ہیں۔ میں نے آپ لوگوں کو شروع سے ہی کہہ رکھا ہے کہ میں اپنی بہنوں کو بٹھا کر نہیں رکھوں گا۔ میرے سامنے تو آپ نے میری ہاں میں ہاں ملائی تھی۔''

''وہ نہیں کرنا چاہتیں تو میں کیا کروں؟ زبردستی کروگے کیا؟'' فوزیہ جھنجھلا گئیں' کیسے ٹھنڈا کروں اسے۔

''یہ تربیت کی ہے آپ نے؟ آپ کو تو پتا تھا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سب کہ کیا سوچ ہے۔ پھوپھیوں کی آپ کو اپنی بیٹیوں کی تربیت کرنا تھی' انہیں صحیح اور غلط بتانا تھا۔"

اس کا طعنہ فوزیہ کے دل پر لگا۔

"میں تو ابھی خود تربیت کرنے کے لائق تھی' بابا نے پکڑ کر شادی کردی میں تو خود بچی تھی' میری تو اپنی تربیت سسرال میں آکر ہوئی۔ میری کیا مجال تھی کہ میں کچھ کرتی۔" فوزیہ کی آواز دکھ سے بوجھل ہوگئی۔

"ہاں پہلے پھوپھیوں نے تربیت کی اور اب بیٹیاں کررہی ہیں۔ مجھے آپ نے بے خبر ہی رکھا ہر معاملے سے۔ بہرحال آپ لوگ تیاری کریں جانے کی۔ اب اور میں کچھ نہیں سنوں گا۔" زمان رکا نہیں' باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"زری.....!" پریشے نے کمرے میں جھانکا۔ وہ رات کا کھانا کھا کر کچن سمیٹ کر ابھی لیٹی ہی تھی۔

"کیا ہے یار! ابھی تو لیٹی ہوں' تھک گئی ہوں۔"

وہ لیٹے لیٹے بولی۔ پریشے نے اسے ہاتھوں سے پرے کیا اور اس کے پاس بیٹھنے کی جگہ بنالی۔

"ابو نے بلایا تھا تمہیں۔ کیا بات کی؟"

"پتا ہے تمہیں کہ کیا بات کی ہوگی پھر کیوں چسکے لے رہی ہو؟" ساری دنیا کی بے زاری اس وقت اس کے لہجے میں سمٹی۔

"بتاؤ نا۔" پری اس کی منتیں کرنے لگی۔

"ابو پوچھ رہے تھے کہ وقار کا رشتہ مجھے قبول ہے کہ نہیں اور یہ کہ ان کو بہت پسند ہے وہ لڑکا۔ جاب اچھی ہے' مجھے خوش رکھے گا اور کچھ پوچھنا ہے؟" وہ سخت چڑچڑی ہورہی تھی۔

"پھر تم نے ہاں کردی؟" پری نے بے پناہ اشتیاق سے پوچھا۔

اس نے اتنی خالی خالی نظروں سے پری کے اشتیاق کو دیکھا کہ پری گڑگڑا گئی۔

"کیا ہوا تم نے ایسا کوئی ڈائیلاگ نہیں بولا کہ جیسے آپ کی مرضی۔"

"نہیں۔ میں نے ابو سے تھوڑے سے دن مانگے ہیں' سوچنے کے لیے۔" اس نے یہ کہہ کر چادر سر تک اوڑھ لی۔ جس کا مطلب تھا کہ دفع ہوجاؤ اب۔

"کیوں تم ابو کو پریشان کررہی ہو۔ پہلے ہی وہ ہماری وجہ سے پریشان ہیں۔" پری دفع ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔

"میں پریشان نہیں کررہی۔ کچھ دن میں جواب دے دوں گی۔" وہ چادر کے اندر سے بولی۔

"اور اگر زمان کے والدین آگئے تو پھر وقار کی بات تم سے طے کردیں گے۔"

پری اچھل پڑی۔ "کیا کیا..... دادی اماں نہ بنو۔ وہ پسند تمہیں کرے اور رشتہ میرا دو۔ واہ واہ کیا دیالو ہے میری بہن۔"

"کیا یار! رشتہ آیا ہے' کون سا وقار نے خود بھیجا ہے میرا ہو یا تمہارا کیا فرق پڑتا ہے؟" اس کی آواز چادر میں سے ــــ آرہی تھی۔

"تمہیں اپنی مفت کی پریشانی سے فرصت ملے تو کچھ پوچھ لیا کرو ہم سے۔ کچھ پتا چلے تمہیں بھی کہ وقار بھائی نے تمہارے لیے خود رشتہ بھیجا ہے۔ تمہیں اپنی بہن کی شادی میں دیکھا تھا انہوں نے۔"

اس مرتبہ چادر ہٹ گئی۔ وہ اٹھ بیٹھی۔

"رئیلی..... میں نے تو نہیں دیکھا۔ کبھی اسے۔"

"میں تصویر دکھادوں؟" پری نے آفر کی۔

"نہیں' پر تمہیں کس نے بتایا یہ کہ اس نے خود رشتہ بھیجا ہے؟"

"بس تمہاری خاطر میں نے اس کا انٹرویو خود لیا ہے۔" پری نے گردن اکڑا کر کہا۔ "وہ تم آفس میں تھیں' کل وہ لوگ آئے تھے۔ وقار بھائی بھی ساتھ تھے۔ امی نے تمہیں بتایا تھا پر تم نے توجہ سے سنا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں' پر میں نے فی الحال تمہارا نمبر نہیں دیا۔ پہلے تم فیصلہ کرلو' ایسی سڑی ہوئی باتیں کروگی تو وہ خود ہی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

انکار کردیں گے۔'' پری نے ایسا منہ بنایا کہ زری کو ہنسی آ گئی۔

''میں فیصلہ کرلوں گی کچھ دنوں میں' پر میں وقار کو دھوکا نہیں دینا چاہتی۔'' زری پھر سے اداس ہوگئی۔

''کس نے کہا تھا کہ دل لگاؤ' بھئی اپن تو اسی سے دل لگائے گا جس سے ابو باندھ دیں گے۔'' پری مسخرے پن سے بولی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' زری نے تائید کی۔

''اچھا سنو تو' وقار بھائی تمہاری شان میں کیا کیا کہہ رہے تھے۔'' پری اس کا دھیان بٹانے لگی اور اس نے اپنا دھیان بٹنے دیا۔ تھک گئی تھی سوچ سوچ کر' اسی لیے پری کی باتوں میں پناہ لینے لگی۔

☆☆☆

ثانیہ اپنی سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔ دانیہ اپنا اسائنمنٹ بنا رہی تھی اور گاہے بگاہے ثانیہ پر نظر ڈال لیتی تھی۔ بہت دیر گزر گئی تو اس نے ثانیہ کو پکارا۔

''ثانیہ۔''

''ہوں۔'' ثانیہ چونکی۔

''کہاں گم ہو؟'' وہ پین کا ڈھکن بند کرتے ہوئے بولی۔

''کہیں نہیں بس سوچ رہی ہوں کہ ہم لوگوں کی زندگی عجیب کیوں ہے۔'' یاسیت ٹپک رہی تھی اس کے ہر انداز سے۔

''ہم چاہیں تو یہ ٹھیک بھی ہوسکتی ہے۔'' وہ اسے جانچ رہی تھی۔

''تم اس دن بھی ایسی باتیں کررہی تھیں۔ تم ایسا چاہتی ہو کہ ہم شادی کرلیں؟''

''ہاں۔'' دانیہ نے قطعی لہجے میں کہا۔ ''میں تمہیں اس دن یہی کہہ رہی تھی کہ کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ ہم لوگ شادی نہیں کرسکتے۔''

''آپا کہتی ہیں کہ کتابیں غلط ہیں۔ ایسی باتیں غلط قسم کے ملاؤں نے لکھی ہیں۔'' ثانیہ نے روحی کا قول دہرایا۔

''تف ہے تم پر ثانیہ اور تمہاری پڑھائی پر بھی۔ آپا نے کون سی کتابیں پڑھی ہیں؟ کون سی فقہ کی کتابیں پڑھی ہیں؟ ہماری نسلوں میں عورتوں کو تعلیم دی ہی نہیں گئی۔ ہماری دادی پردادی نے کچھ نہیں پڑھا۔ بس گھر گرہستی کی۔ جو سن سنا لیا' وہی تعلیم تھی۔ کیا صحیح کیا غلط..... بس جو بڑی نے چھوٹیوں کو بتادیا وہی سن کر مان لیا۔ کیا ازدواج مطہرات نے شادی نہیں کی تھی۔ کیا ہمارے نبیؐ کی بیٹیوں نے شادی نہیں کی تھی؟ کیا ہم ان سے زیادہ پاک ہیں؟''

''استغفر اللہ!'' یک دم روحی کمرے میں داخل ہوئی۔ ثانیہ گھبرا گئی۔ دانیہ البتہ سر جھکا کر لکھنے لگی۔

''یہ کیا اول فول بول رہی تھی؟'' روحی کی مخاطب ثانیہ تھی۔

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ بی بی فاطمہؓ نے بھی تو شادی کی تھی۔ کیا ہم لوگ زیادہ پاک ہیں؟'' دانیہ نے سوال کیا۔

''توبہ کرو' کیسی ہستی ہیں وہ۔ ہمارا ان سے کیا مقابلہ۔'' روحی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''تو پھر بتائیں نا ہم لوگوں کے لیے جرم کیوں ہے شادی؟''

''ان کے ہم سفر بھی تو حضرت علیؓ تھے۔ ہے کوئی ان جیسا ابھی۔'' روحی نے عجیب منطق پیش کی۔

''تو حضرت علیؓ بھی حضرت فاطمہؓ کے لیے تھے اور حضرت فاطمہؓ جیسا بھی کوئی نہیں ہے۔ ہمارے لیے کوئی ہمارے جیسا ہی آئے گا' آپ ایسی باتیں کیوں کرتی ہیں؟''

ثانیہ تو دانیہ کی بات پر اش اش کررہی تھی اور دل سے قائل بھی تھی۔

روحی نے آنکھیں سکیڑ کر دانیہ کو دیکھا۔

''تم کیوں اتنی بھڑک رہی ہو؟ ہاں.....''

''میں نے ایک سیدھی بات کی ہے۔'' دانیہ پر اعتماد تھی۔

اسی وقت باہر سے گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''بھائی آئے ہوں گے۔'' ثانیہ باہر نکل گئی۔
زمان گھر پہنچا تو تھکا ہوا تھا اور بائیک کے سفر نے اسے مٹی مٹی کر دیا تھا۔ کچھ دیر اخلاق شاہ کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد نہانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔
''ثانیہ!'' زمان نے پکارا۔
''جی بھائی۔'' وہ جلدی سے باہر آئی۔
''میں تھک گیا ہوں بہت۔ جب تک نہالوں' تم اچھی سی چائے بنا کر لاؤ میرے کمرے میں۔ کچھ دیر لیٹوں گا۔''
''جی بھائی۔'' وہ کچن کی طرف بڑھی۔

☆☆☆

جب ثانیہ چائے لے کر آئی تو زمان نہا چکا تھا اور بیڈ پر نیم دراز موبائل چیک کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر موبائل رکھ دیا۔ اس کے ہاتھ سے کپ لیا۔
''بیٹھو' مجھے بات کرنی ہے تم سے۔''
ثانیہ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔
''تمہیں پتا ہے' میں تم لوگوں کو شہر کیوں لے کر آیا اور کیوں تمہیں پڑھایا؟'' اس نے تمہید باندھی۔
ثانیہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔
''تاکہ تم لوگ باہر نکلو' کچھ تمہیں پتا چلے دنیا کا لوگوں کا۔ کچھ تمہاری سوچ بدلے۔ جو کچھ بڑی بوڑھیوں نے تم لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا ہے' تم لوگ خود پرکھو کہ کیا وہ صحیح ہے؟''
ثانیہ کی سمجھ میں بات آنے لگی کہ اب زمان کیا کہنے والا ہے اس کا سر جھک گیا۔
''لیکن مجھے لگتا ہے کہ میری محنت رائگاں گئی تم لوگوں کو بدل نہیں سکا میں۔ پڑھ کر بھی تم صحیح اور غلط میں فرق نہیں کر سکی ہو۔''
''ایسا نہیں ہے بھائی۔'' ثانیہ بے ساختہ بولی۔ کچھ دانیہ کی باتوں کا اثر بھی تھا' کچھ اپنا دل بھی بے ایمان ہوا تھا۔
''پھر کیسا ہے۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ ہماری پھوپھیاں اور یہ روحی' سائرہ سب ٹھیک ہیں۔'' وہ سوچ سمجھ کر اسے گھیر رہا تھا۔
''نہیں بھائی! وہ غلط ہیں اور ان کی سوچ بھی۔ پر ہم ان کو سمجھا نہیں سکتے۔'' بے چارگی ہر انداز میں نمایاں تھی۔
''ان کو سمجھانے کی بات کون کر رہا ہے' تم سمجھ گئی ہو نا کہ وہ غلط ہیں؟''
''جی بھائی۔'' اس نے زور و شور سے گردن ہلائی تو زمان نے مسکراہٹ کو ہونٹوں میں قابو کیا۔ اس کے سامنے وہ سخت رہنا چاہتا تھا۔
''پھر میں منور کو ہاں کر دوں؟'' حملہ اچانک تھا' وہ ہکلا ہی گئی۔
''بھائی.....''
''دیکھو' کیوں تم اپنی زندگی برباد کر رہی ہو۔ کیا تم چاہتی ہو کہ اپنی پھوپھیوں جیسی زندگی گزارو؟''
ثانیہ کا سر اپنے آپ نفی میں ہلا۔
''تو پھر ہاں کر دوں؟''
''بھائی بچپن سے ہماری تربیت ہی یہ ہوئی کہ ہم لوگوں کو آپ کے ساتھ رہنا ہے۔ آپ بھی تو ہمارے ساتھ مل کر پلاننگ کرتے تھے کہ بوڑھے ہو جائیں گے تو آپس میں جھگڑا نہیں کریں گے۔ جیسے پھوپھو روشن اور کلثوم کرتی ہیں۔''
''جیسی زندگی پھوپھو روشن اور کلثوم گزار رہی ہیں' ہم بھی گزاریں گے تو ان ہی کی طرح لڑتے جھگڑتے رہیں گے۔ اللہ نے انسان کی طبیعت ایسی بنائی ہے اور نکاح کا حکم دیا ہے تو اس کی بھی وجوہات ہیں۔ ہم فطرت کے خلاف چلیں گے تو آپوں آپ نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جائیں گے اور ہاں میری بھی تربیت یہی ہوئی تھی کہ میں شادی کروں گا' پر تم لوگ میرے ساتھ رہو گی۔ میرے بچے پالو گی پر جب میں گھر سے نکلا، دنیا دیکھی تو احساس ہوا کہ کچھ غلط ہے۔ مجھ سے پہلے یہ احساس ذوالفقار بھائی کو ہوا تھا پھر امی نے ان کی شادی کر دی۔ کتنا جھگڑا کیا تھا انہوں نے سب سے کہ بہنوں کی شادی کرنی ہے پر امی، روحی اور سائرہ نے انہیں الگ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کر کے ہی دم لیا۔ پر میں تم لوگوں کو ایسے چھوڑ نہیں سکتا۔ تم ہاں کرو تو میں امی سے بات کروں۔"

"بھائی۔" ثانیہ ہچکچائی۔ حیا بھی بولنے میں رکاوٹ بنی۔

"تم اپنی بات کھل کر کرو، میں سب سنوں گا زبردستی کا قائل نہیں ہوں میں۔"

"بھائی ہماری تربیت ہمارے اندر رچ بس گئی ہے اب شادی کے بارے میں سوچنا عجیب سا لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی گناہ ہو۔" وہ ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتی مضطرب دکھائی دے رہی تھی۔

"گناہ بنا کر تمہارے سامنے پیش کیا گیا ہے اگر سچ میں ایسا ہوتا تو کیا ہماری بزرگ ہستیاں شادی کرتیں؟" وہ آج ہر صورت ثانیہ سے ہاں کہلوانا چاہتا تھا۔

"اسلام میں تو نکاح کی بہت اہمیت ہے سنت رسول ہے۔ تم نے تو اسلامیات میں ماسٹرز کیا ہے۔"

"بھائی وہ تو ٹھیک ہے پر روحی میری جان نکال لے گی۔" وہ خوف زدہ ہوئی۔

"روحی گھر کے فیصلے نہیں کرے گی، میں کروں گا مجھے تمہاری رضامندی چاہیے بس، باقی تم مجھ پر چھوڑ دو تم یوں ظاہر کرنا کہ یہ میرا فیصلہ ہے اور تم بے بس ہو۔ اوکے؟"

ثانیہ نے اقرار میں گردن ہلائی۔ زمان کے کاندھوں سے جیسے کوئی بوجھ سرکا۔ وہ کھل کر مسکرایا۔

"ٹھیک ہے تو پھر میں امی سے بات کروں گا تب تک تم بھی ذہن بنالو میں منور کو ہاں کردوں گا۔"

ثانیہ کا سر مزید جھک گیا۔ دل اس کے کانوں میں آکر دھڑکنے لگا۔

"تم جاؤ بھلے اب....." زمان نے اسے جانے کا عندیہ دیا وہ اٹھ کر جیسے بھاگی۔

کمرے سے باہر آکر اس نے اپنا آپ نارمل کرنے کے لیے کچھ گہرے سانس لیے۔ زمان کا کمرا صحن کے آخر میں گیٹ کے ساتھ تھا ایک دروازہ باہر بھی کھلتا تھا تاکہ اس کے دوست آجاسکیں اور باقی گھر سے تھوڑا ہٹ کر تھا۔ اسی وقت دانیہ باہر کپڑے اتارنے آئی تو اسے دیکھا۔

"کیا ہوا اتنی لال کیوں ہو رہی ہو؟" وہ کپڑے اتارنے لگی۔

"اچھا پتا نہیں۔" ثانیہ نے منہ پر ہاتھ پھیرا جیسے لالی ختم کرنے کی کوشش کی۔

"کردی بھائی کو ہاں؟"

وہ اچھل پڑی تو دانیہ ہنسنے لگی۔

"تمہیں کیسے پتا؟" وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا۔

"بھائی سے بات کی تھی میں نے کہ اس شہزادی کے دل میں کچھ کچھ چل رہا ہے۔ ہی ہی ہی" ایک دھپ اس کی پشت پر لگی تو ہنسی کو بریک لگی۔

"تم نے بھائی کو یہ کہا ہے؟" اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

"اوہو نہیں بھئی۔ بس بھائی سے کچھ بات چیت کی اور بتایا تھا کہ ہماری سوچ ہماری بڑی بہنوں سے مختلف ہے اور بھائی نے کہا تھا کہ وہ تم سے خود بات کریں گے۔" دانیہ آہستہ آواز میں بتا رہی تھی۔

"اچھا پر آپی اور باجی کیا حشر کریں گی۔" وہ اب بھی پریشان تھی۔

"بھائی خود دیکھ لیں گے سب تم اب آرام سے منور بھائی کو سوچ سکتی ہو۔" دانیہ شرارتی ہوئی تو اس نے ایک دفعہ پھر اس کی کمر سینکی۔

"اوئی چلو اندر یہ کپڑے پکڑو نیکی کا زمانہ تو ہے ہی نہیں۔" دانیہ نے اسے کپڑے دیے تو وہ اندر چل دی۔

☆☆☆

نومبر کے دن کچھ بہتر تھے گرمی بھی نہیں تھی راتیں البتہ ٹھنڈی ہوگئی تھیں۔ طویل گرمی کے بعد اب موسم خوش گوار تھا پر فوزیہ اور روحی کے لیے تو بیزاری تھی اور دانیہ بہت خوش تھی اور پرجوش بھی،

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اسے منور بھائی کو دیکھنا تھا۔ خیر دیکھ تو پہلے بھی رکھا تھا پر ہونے والے بہنوئی کی نظر سے اب دیکھنا تھا۔ یہ تینوں زمان کے ساتھ گاؤں گئے تھے اور منور کے بھتیجے کی خوشی میں شریک ہوئے تھے۔ روحی پورے ماحول کا جائزہ لے کر آئی تھی۔ چاچی بلقیس کا انہیں آنکھوں پر بٹھانا ایک آنکھ نہ بھایا فوزیہ بھی سوچ رہی تھیں کہ اتنی عزت اس لیے دی جارہی تھی کہ انہیں آسرا ہوگیا تھا کہ یہ اب ثانیہ کا رشتہ دے دیں گے ورنہ اس فنکشن میں شریک نہ ہوتے۔ پوری زندگی کا ساتھ تھا سب ایک دوسرے کے انداز پہچانتے تھے۔ دانیہ البتہ منور شاہ کا جائزہ لے کر آئی تھی اور ثانیہ کے کانوں میں سرگوشیاں کررہی تھی۔

''مجھے پتا ہے سب ایک ساتھ کھیل کر بڑے ہوئے ہیں۔'' ثانیہ اس کا منہ بند کرنے کے لیے کہتی۔

''اب تو کافی سال سے الگ الگ ہی ہیں۔ عید بقرعید پر ہی دیکھنا ہوتا ہے۔ اوہ میں بھی سمجھی نہیں منور بھائی ہر موقع پر حاضری دینے کیوں آتے تھے گاؤں والے گھر میں۔'' دانیہ نے منہ بند نہیں کرنا تھا۔

''سمجھی تو میں بھی نہیں تھی دراصل دماغ اس طرف گیا ہی نہیں۔''

''تو اب لے جاؤ دماغ کو اس طرف بلکہ دل کو بھی۔'' دانیہ کی بات نے اسے گدگدایا۔

''یہ تم دونوں کیا آج کل راز داری کی باتیں کرتی کمرے میں پڑی رہتی ہو۔'' ردی نے پھر چھاپا مارا۔

ثانیہ کا لال انار ہوتا رنگ دیکھا۔ یہ عمر وہ گزار کر آئی تھی۔ اسے پتا تھا کہ کب کب چہرہ رنگ بدلتا ہے اور یہ بھی یاد تھا کہ جب اس کا چہرہ لال انار ہوتا تھا تو کلثوم پھپھو کس طرح اسے پیلا کردیتی تھیں۔ وہ سب حربے اسے یاد تھے۔ بس وقت نہیں آیا تھا ابھی اور جب آئے گا تو وہ بھی ثانیہ کے چہرے پر زردی کھنڈ دے گی۔ وہ مطمئن تھی۔

''بس ایسے ہی آپی میں اپنا کام کررہی ہوتی ہوں۔ آپ کو پتا ہے کہ کتنا کام ملتا ہے مجھے۔'' وہ بھی زمان کی طرح ایم بی اے کررہی تھی۔ ''اور یہ ثانیہ کڑھائی کررہی ہے اپنی قمیص پر۔''

''ہاں پتا ہے مجھے زیادہ باتیں مت بناؤ ویسے بھی تم زمان کے ساتھ زیادہ ٹائم گزارتی ہو پڑھنے کے بہانے۔''

''یہ بہانا ہے۔ دانیہ نے آنکھیں پھیلائیں۔

''میں بحث نہیں کرنا چاہتی یہ بتاؤ کہ اس کا ارادہ کیا ہے منور کے رشتہ کے لیے؟''

''لو مجھے بتاتے ہیں کیا وہ؟'' دانیہ نے ہری جھنڈی دکھائی۔ ''ویسے بھی میٹنگ چل تو رہی ہے امی، بابا اور بھائی کی۔ بتا دیں گی امی آپ کو آتے ہی۔''

''پھر بھی تم سے بہت باتیں کرتا ہے زمان۔'' روحی نے کریدا۔

''مجھ سے تو پڑھائی کی باتیں کرتے ہیں بس۔'' دانیہ کا انداز ٹالنے والا تھا۔

''خیر ہوگا وہی جو پہلے ہوتا آیا ہے ہم کسی کو بھی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ہماری دنیا اور آخرت خراب کرے۔'' روحی نے شاید ثانیہ کو جتایا۔ ثانیہ کا گلابی چہرا پیلا پڑنے لگا اور روحی کے اندر کوئی جلتا الاؤ ٹھنڈا ہونے لگا۔ دانیہ نے سر جھٹک کر کچھ کہنا ہی چاہا کہ فوزیہ آگئیں۔

''کیا کہا زمان نے؟'' روحی نے بے تابی سے پوچھا۔

ثانیہ مزید پیلی پڑ گئی۔

فوزیہ بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ ''کہتا ہے کہ وہ منور کو ہاں کہنے لگا ہے۔ اور وہ سب کی شادیاں ضرور کرے گا۔''

''ایسے کیسے کرے گا۔ لڑکی کی مرضی کے خلاف نکاح نہیں پڑھایا جاسکتا۔'' روحی بھڑک اٹھی۔

''وہ کہتا ہے ثانیہ سے وہ پوچھ چکا ہے اور وہ اپنی مرضی زمان کو سونپ چکی ہے کہ جیسا زمان چاہے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

گا کرے۔" دانیہ پرسکون ہوئی پر ثانیہ، روحی کے متوقع ردعمل سے خوف زدہ ہوگئی۔

"کیا تم سے کب بات کی اس نے اور تم نے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔" وہ اتنا تیز ہوئی کہ ثانیہ کے ساتھ دانیہ کے اوسان بھی خطا ہوگئے۔

"وہ..... وہ آپی آپ ناراض ہوجاتیں اسی لیے نہیں بتایا تھا۔" ثانیہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"تم نے کیوں اسے بولا کہ جیسی اس کی مرضی ہو وہ کرے۔ بولو کیوں بولا تمہیں پتا ہے نا کہ ہمیں شادی نہیں کرنی۔" روحی نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

"آپی یہ گناہ نہیں ہے کہ ہم نہیں کرسکتے۔" ثانیہ کی زبان سے یہ لفظ ادا ہوئے کہ روحی کا زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر پڑا۔ اس کے لیے کوئی تیار نہ تھا اس لیے حیران رہ گئے پر ابھی بہت کچھ باقی تھا حیران کرنے والا۔

"بے شرم بے حیا۔ اسی لیے تجھے پڑھایا تھا کہ ایمان خراب کرلے۔ قبر تنگ ہوجائے گی تیری ساتھ میں ہماری بھی۔"

کوئی جنون سوار ہوگیا تھا روحی پر اس نے ثانیہ کو تھپڑوں اور مکوں پر رکھ لیا۔ ثانیہ کی چیخیں نکل گئیں۔ سب بہنیں بھاگتی آئیں۔ زمان بابا کے ساتھ باہر کا چکر لگانے جاچکا تھا۔ یہ بھی شکر ہی کیا فوزیہ نے۔ پھر دانیہ ہی آگے بڑھی اور ثانیہ کو بچانے لگی۔

"تم بھی ساتھ ہو نا اس کے تبھی ادھر اندر پڑی رہتی ہو دونوں راز و نیاز چلتے رہتے ہیں تم میں۔ بتا تو بھی بتا تیرا کس کے ساتھ چکر چل رہا ہے۔" اب تھپڑ اور مکے دانیہ پر برسنے لگے۔ دانیہ نے اسے پوری قوت سے پیچھے دھکیلا تو وہ بیڈ پر گر سی گئی۔

"جن آگیا ہے کیا آپ کے اندر، بھائی شادی ہی کرنا چاہتا ہے نا سب کی جیسے باقی سب کی ہوتی ہے تو پھر کیا مسئلہ ہے آپ کو۔ آپ کی تو نہیں کررہے نا قبر تنگ ہوگی تو ثانیہ کی ہی ہوگی۔ آپ سکون سے بیٹھیں۔"

دانیہ پھٹ پڑی بہت وقت کا لاوا جمع تھا۔

"سیدھا بولو تمہیں بھی کرنی ہے۔ تبھی اس کے لیے تڑپ رہی ہو کہ اس کی ہو تو تمہیں بھی آسرا ہو۔" سائرہ پھنکاری۔

"آپ کو جو سمجھنا ہے سمجھیں اور امی آپ ایسے بیٹھی ہیں جیسے ڈرامہ دیکھ رہی ہیں ٹی وی پر، روک نہیں سکتیں۔ ان کو۔" دانیہ نے افسوس سے فوزیہ کو دیکھا جو ان سب کو دیکھ رہی تھیں ایسے جیسے کبھی اپنی نندوں کو دیکھا کرتی تھیں۔ کیا تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے؟

"میں کیا سمجھاؤں کسی کو، ایسے تماشے میں نے بہت دیکھے ہیں گاؤں کی حویلی میں۔"

فوزیہ نے عجیب بے حسی سے کہا۔

"تماشا نہیں ہیں ہم، بیٹیاں ہیں آپ کی۔" دانیہ کے دل کے ساتھ لہجہ بھی ٹوٹ گیا۔

"میں نے کیا پالیا شادی کرکے جو تم نے پالینا ہے۔ اب بند کرو یہ جھگڑا زمان آگیا تو اچھا نہیں ہوگا۔" فوزیہ یہ کہتی باہر چل دیں۔

ثانیہ آنسو صاف کرتی ماں کو جاتا دیکھ رہی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ امی کی سوچ بھی پھوپھو کی طرح ہوچکی ہے۔

"زمان کو تم انکار کروگی کہ تم نہیں چاہتی ہو ایسا۔" روحی نے ثانیہ کو آنکھیں دکھائیں۔

"میں اب کس منہ سے بولوں جب پہلے میں ان کے ہاتھ میں اپنا فیصلہ دے چکی ہوں۔" ثانیہ کی آواز آنسوؤں میں گھلی تھی۔ دانیہ کا دل بھی گھلنے لگا۔

سیدھا کہو ناں کہ شادی کرنا چاہتی ہو تم۔"

لفظ نہیں تھے تلوار تھی جس نے ثانیہ کی عزت نفس کے ٹکڑے کردیے۔ وار اتنا کاری تھا کہ آنسو ثانیہ کی آنکھوں میں منجمد ہوگئے تھے۔ دانیہ بھی لب وا کیے بس روحی کو دیکھے جارہی تھی۔

اور روحی جانتی تھی کہ اس کا یہ وار خالی نہیں جائے گا۔

وہ فاتحانہ انداز میں باہر چل دی۔ اس کے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

پیچھے سائرہ نے بھی قدم بڑھائے۔
ہانیہ اور دانیہ البتہ ساکت ثانیہ کو دیکھ رہی تھیں جو شاید سانس بھی نہیں لے رہی تھی۔

☆☆☆

زمان بابا کو لے کر باہر ایک ہوٹل پر بیٹھا تھا چائے کا آرڈر دیا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ گھر میں اب کیا ہونے والا ہے۔ اور بابا کی عمر اب اتنا نہیں سہہ سکتی تھی۔ ایک وقت میں اخلاق شاہ نے بھی بڑی کوشش کی تھی کہ وہ اپنی بہنوں کی شادی کر دیں اور وہ زمان کی بات کو سمجھ سکتے تھے۔ اسی لیے اس نے بابا کو بہت طریقے سے سمجھا لیا تھا۔
''پھر زری بیٹی کے گھر کب جانا ہے۔'' چائے پیتے ہوئے اخلاق شاہ کو یاد آیا تو پوچھا۔
زمان نے گہری سانس لی۔ کچھ کچھ حالات ٹھیک ہوتے دکھائی دینے لگے تھے اسے اندازہ نہیں تھا کہ ثانیہ جلدی مان جائے گی۔
''بس بابا پہلے ثانیہ کی بات پکی کر لیں پھر چلیں گے زری کے گھر بھی۔'' مسکراہٹ آپوں آپ لبوں پر ٹھہر گئی۔
''ہاں ٹھیک ہے پر یار میں نے بھی بہت کوشش کی تھی پھر ذوالفقار نے بھی پر یہ عورتیں نہیں ماننے والی۔'' اخلاق شاہ اداس ہو گئے۔
''بابا آپ دعا کریں، میں بھی کوشش کر تو رہا ہوں بس اوپر والا مدد کرے گا۔''
ایک گھنٹے سے اوپر کچھ وقت گزار کر وہ گھر آ گئے تھے۔ گھر میں موت کا سا سناٹا تھا۔ ٹی وی بھی بند تھا لاؤنج بھی خالی تھا۔ وہ سمجھ گیا طوفان آ کر گزر گیا ہے پر جس پر سے گزرا ہے اس کا حال دیکھنا ضروری تھا۔
''ثانیہ.....'' اس نے آواز لگائی۔
''بھائی وہ سو گئی ہے۔'' دانیہ نے کمرے میں سے ہی جواب دیا۔ وہ اس وقت زمان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔
''اچھا ٹھیک ہے۔'' وہ سمجھ تو گیا تھا پر ابھی سب کو ٹائم دینا چاہتا تھا وقت لگتا اس کے فیصلے کو ماننے میں۔ وہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔ آج بہت دن کے بعد اس نے زری کو خود سے میسج کیا کہ کیسی ہو؟ اور انتظار کرنے لگا کہ وہ جواب دے۔ کافی دیر وہ بیڈ پر نیم دراز موبائل سے ٹائم پاس کرتا رہا پر زری نے جواب نہیں دیا پھر تھک کر سو گیا۔

☆☆☆

صبح معمول کے مطابق تھی۔ زمان تیار ہو کر لاؤنج میں آیا تو فوزیہ نے اسے ناشتہ دیا۔ سب اپنے روز مرہ کے کاموں میں مشغول تھے۔ بابا ناشتا کر چکے تھے اور اس وقت وہ زمان سے تھوڑی بہت باتیں کیا کرتے تھے۔ روحی، سائرہ اور ثانیہ صفائی میں مصروف ہوتی تھیں اور ہانیہ اور دانیہ یونیورسٹی کے لیے نکل چکی ہوتی تھیں۔ سب ویسا ہی تھا پر ایک سناٹا سا تھا گھر میں اور ثانیہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ فی الحال آفس سے دیر ہو رہی تھی اس لیے وہ چپ چاپ ناشتا کر کے گھر سے نکل آیا۔ آفس پہنچا تو بائیک پارک کرتے ہوئے اس کی نظر زری پر پڑی۔ وہ بھی ابھی پہنچی تھی اسے لگا سورج آگ کے بجائے برف اگل رہا ہے۔ اس کی آنکھوں کے ساتھ جیسے روح بھی ٹھنڈی ہونے لگی۔ وہ دانستہ اس کے قریب چلا آیا آج بہت وقت کے بعد نظر بھر کر اسے دیکھا تھا۔ زری کے قدم بھی سست ہو گئے۔
''السلام علیکم۔'' پہل زمان نے کی۔ اتنے عرصے اس نے زری کو اگنور کیا تھا اب پہل تو اسے ہی کرنی تھی۔
''وعلیکم السلام۔'' شاید کوئی خاص بات ہے زری کا دل خوش گوار ہوا۔ رات تک وہ بہت پریشان تھی۔ امی نے کہا تھا کہ وہ جلد اپنا فیصلہ دے بلکہ ہاں کرے تاکہ آگے کے معاملات طے ہو جائیں۔ اس نے بہت دل سے دعا مانگی تھی کہ زمان جلدی سے اپنا فیصلہ سنا دے۔ اسیری یا رہائی۔ اور وہ اس رہائی کے بعد بھی اسیر ہی رہتی۔ جو بھی چیز ہم سے چھن جاتی ہے ہم اس کے اسیر کیوں ہو جاتے ہیں اور جو ہمیں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مل جاتی ہے پھر اس کی قدر نہیں کرتے اور دل کو رہا کر دیتے ہیں۔

''تم نے رات جواب نہیں دیا میسج کا؟'' اس کا انداز سادہ سا تھا۔

''آپ نے عادت ہی نہیں رہنے دی موبائل چیک کرنے کی۔ میں نے چیک ہی نہیں کیا رات صبح دیکھا میسج پر لیٹ ہو رہی تھی آفس سے تو جواب نہیں دیا۔'' اس نے شکوہ بھی کر دیا اور وضاحت بھی دے دی۔

زمان نے سانس بھری جیسے اس کا شکوہ ہضم کیا ہو۔

''انکل آنٹی کیسے ہیں اور مجھے پتا ہے تم پریشان ہو بس میں معاملات نبٹا رہا ہوں۔ سوری زری! میں نے تمہیں بہت پریشان رکھا ہے۔'' وہ حساس تھا اس کے لیے گھر والوں کے لیے بھی اور زری نے آنکھوں میں نمی نہیں آنے دی آج اس نے خود آ کر اس سے بات کی تھی آج تو خوشی کا دن تھا۔

''امی نے کہا ہے کہ کل ابو مجھ سے آخری فیصلہ لیں گے اور پرسوں وہ لوگ آئیں گے تو ابو کو ان کو بتانا ہے اور پرسوں وہ لوگ آ گئے تو بات پکی کر کے جائیں گے۔'' زری نے ٹھہر ٹھہر کر بات پوری کی۔

کچھ دیر تو اس سے بولا نہ گیا۔ زری نے اس خاموشی پر نظریں اٹھا کر دیکھا اس کا چہرہ دھواں دھواں تھا تو کیا وہ کچھ نہیں کرے گا۔ زری کا دل کانپ گیا۔ وہ خاموش کیوں ہے۔ وہ دل میں حساب کر رہا تھا آج جا کر منور شاہ سے بات کر لے گا اور کل اپنے والدین کو لے کر زری کے گھر پہنچ جائے گا پر وہ اسے یہ خوشی کل سنائے گا۔

''ٹھیک ہے۔ زری کل میں تمہیں کنفرم بتا دوں گا۔ میں تمہیں اور پریشان نہیں کر سکتا' بس دعا کرنا کہ سب ہمارے حق میں ہو۔'' اور زری کا دل چاہا یہیں سجدے میں گر جائے اور تب تک دعا مانگے جب تک وہ اسے خوش خبری سنا نہ دے۔

''تم مانگو گی نا دعا۔'' اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

زری کے پاس الفاظ نہیں تھے کہ وہ اسے اپنی دعائیں بتاتی بس سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

''دیکھو رونا مت۔ میرا دن خراب گزرے گا۔ میری ہمت بنو کمزوری نہیں۔'' آج وہ بے اختیار ہو کر بول ہی گیا۔ زری کے لیے ہواؤں میں اڑنے کا مقام تھا۔ وہ پورا دن مسکراتی رہی۔ آج بہت دن بعد اس اس نے محسوس کیا کہ زمان کی نظریں گاہے بگاہے اس پر پڑ رہی ہیں۔ وہ دعا کرتی رہی کہ سب ٹھیک ہو جائے۔

☆☆☆

زمان گھر پہنچ کر عجلت میں نہا دھو کر فریش ہوا آج اسے منور شاہ سے بھی بات کرنی تھی اور بابا امی سے بھی کہ وہ کل زری کے گھر جائیں۔ وہ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ ثانیہ اندر آئی اس کے ہاتھ میں چائے تھی۔ اسے دیکھ کر وہ کھل کر مسکرایا اور چائے اس کے ہاتھ سے لی۔

ثانیہ اسی طرح کھڑی رہی وہ بہت پریشان لگ رہی تھی اپنے ہاتھوں کی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ لب کھل رہے تھے جیسے وہ کہنا چاہتی ہے کچھ پر کہہ نہیں پا رہی ہے۔

''کیا ہوا ثانیہ؟ روحی وغیرہ نے کچھ کہا ہے تمہیں؟'' وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا اسے پتا تھا وہ ایسے ہی پریشان ہو گی۔

''نہیں بھائی! ایسا نہیں ہے پر مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' وہ بمشکل بول پائی۔

''تمہیں جو کہنا ہے کھل کر کہو اور کچھ با اعتماد بنو اگلے گھر جا کر کیا کرو گی لگتا ہی نہیں کہ ماسٹرز ہو۔'' زمان کا موڈ بہت اچھا تھا۔

''بھائی مجھے نہیں جانا کسی اگلے گھر پلیز اب اس بات کو ختم کر دیں۔'' وہ رو پڑی۔

''کیا ہوا ہے؟ مجھے بتاؤ تمہیں روحی نے کچھ کہا ہے نا۔'' وہ اس سب کے لیے کافی پہلے سے تیار تھا پھر بھی کچھ پریشان ہو گیا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''بھائی! کسی نے کچھ نہیں کہا ہے۔ مجھے شادی نہیں کرنی' آپ منع کردیں۔'' ثانیہ اٹل لہجے میں بولی۔

''ایسا کیوں کررہی ہو تم۔'' وہ سنجیدہ ہوا۔

''اس دن بھی میں نے آپ کو کہا تھا کہ ہم لوگوں کی تربیت ایسی نہیں ہوئی ہے مشکل ہے اب اس طرح سے اپنی سوچ کو بدل لینا۔'' وہ ضدی ہوگئی تھی۔

''کوئی مشکل نہیں ہے شادی تو اب ہوگی تمہاری۔ میں نے تم سے پہلے رضامندی لی تھی' اب پیچھے ہٹنا مشکل ہے اور میں منور کو زبان دے چکا ہوں یہ عزت کا معاملہ ہے۔'' اس نے اندھیرے میں تیر چلایا کہ اس طرح ثانیہ چپ ہوجائے گی ورنہ ابھی تک اس نے منور سے بات نہیں کی تھی۔

''بھائی آپ کا آخری فیصلہ ہے؟'' وہ بھی آج طے کرکے آئی تھی کہ اسے اپنی بہنوں کے آگے سرخرو ہونا ہے۔

''ہاں.....'' وہ قطعی بولا۔

''ٹھیک ہے بھائی میں آپ کی عزت کی خاطر ہاں کروں گی پر آپ کو میری خاطر ایک فیصلہ کرنا پڑے گا۔''

''کیسا فیصلہ بھئی۔ میں تم لوگوں کو نارمل زندگی دینے کے لیے مر بھی سکتا ہوں بولو کیا کرنا پڑے گا مجھے۔'' وہ جذباتی ہوگیا۔

آپ الماس کا رشتہ لیں یہی میرا گھر بسانے کی ضمانت بنے گا۔ منور کی بہن ہمارے گھر ہوگی تو ہم بھی مضبوط ہوں گے اور.....'' بولتے بولتے اس نے زمان کو دیکھا تو چپ ہوگئی وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہا تھا اسے لگا کہ وہ اسے ہاتھ لگائے گی تو وہ بھربھری مٹی کی طرح بکھر جائے گا۔ اسے بہت دکھ ہوا پر روحی نے کہا تھا کہ یہ بات زمان نہیں مانے گا' وہ زری سے ہی شادی کرے گا اور منور کو انکار کردے گا۔

کچھ سیکنڈ لگے تھے زمان کو ہوش میں آنے میں اور بولا۔

''یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟''

''جی.....'' وہ دکھ سے بولی۔

''جاؤ'' وہ سختی سے بولا۔

وہ جلدی کمرے سے نکل آئی۔ دروازے سے کان لگا کر روحی کھڑی تھی ثانیہ کے نکلتے ہی وہ مسکرائی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازہ بند کرکے صحن سے ہوتے ہوئے لاؤنج کی طرف بڑھی۔

''دیکھا' میں نے کہا تھا کہ یہ بات سنتے ہی زمان خود ہی انکار کردے گا منور کو۔'' روحی کے انداز میں فخر تھا اس نے خالی نظروں سے اسے دیکھا دماغ ماؤف تھا اس کا بس خود کو گھسیٹتی ہوئی روحی کے ساتھ چلنے کی کوشش کررہی تھی۔ صبح جب دانیہ' ہانیہ' یونیورسٹی چلی گئی تھیں اور زمان آفس تب روحی اور سائرہ نے اپنے مشن کا آغاز کیا اور اسے ایسی ایسی مثالیں دے کر سمجھایا کہ اگر وہ شادی کرلے گی تو اس کی اپنی قبر تو کالی ہوگی ہی ساتھ اپنی اوپر نیچے کی سات نسلوں کو دوزخ میں لے جائے گی۔ زمان پر تو اس پگھل پیری زری کا اثر ہے' وہ ہی چاہتی ہوگی کہ ہم سب کو نکال دے ورنہ زمان تو خود کہتا تھا کہ شادی نہیں کرے گا ہمارے ساتھ رہی گا۔

یہ باتیں ثانیہ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں پورے دن کی برین واشنگ کے بعد ثانیہ پر اللہ کے خوف سے لرزہ ہی طاری ہوگیا تھا۔ اب وہ کیا کرے کیسے بھائی کو بولے کہ اپنی زبان سے پھر گئی ہے۔

اور اس کا حل بھی روحی اور سائرہ نے سوچ رکھا تھا کہ وہ زمان کو کہہ دے کہ منور کی بہن کا رشتہ زمان کو دیں۔ زمان کبھی زری کو چھوڑ کر الماس کو نہیں اپنائے گا۔ جو تذلیل روحی اور سائرہ کے ہاتھوں ہوئی تھی اس الزام کو خود پر سے دھونے کے لیے کہ اسے کسی مرد کے ساتھ کی تمنا ہے اور خدا کے خوف سے جو وہ صبح سے اسے دلا رہی تھیں وہ زمان سے یہ سب کہنے پر راضی ہوگئی۔

کمرے میں آکر ثانیہ نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

وہ کہہ تو آئی تھی زمان کو پر اب اسے اپنا دل خالی لگ رہا تھا۔ دانیہ کچھ اور کہتی ہے اور روحی کچھ اور۔ دل بھی دانیہ کی باتوں پر ایمان لے آتا کبھی روحی کی۔ وہ سب ہی بہنیں پہلے پھپھو کے ہاتھوں پلی ان کی باتیں سن سن کر بڑی ہوئیں اور اب بڑی بہنیں تھیں اپنا دماغ کم کم ہی استعمال کیا تھا یہ دانیہ پتا نہیں کیسے باغی ہوگئی تھی۔ کہتی تو ٹھیک تھی کہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ ہم نارمل لڑکیوں کی طرح گھر نہیں بسا سکتی ہیں۔ اس نے اپنے بازو گھٹنوں پر رکھ کر سر اس پر ٹکا لیا۔ اب اسے اپنا دل ٹوٹنے کا احساس ہو رہا تھا وہ کتنی ہی دیر آنسو بہاتی رہی کیونکہ اسے پتا تھا کہ اب زمان منور کو انکار کر دے گا۔

☆☆☆

زمان اپنے کمرے میں ہی لیٹا رہا۔ اسے تو جلدی تھی کہ منور سے بات کرے پھر بابا اور امی سے کہ زری کے گھر جائیں پر اب اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اسی کمرے میں پڑا رہے اور زندگی بتا دے۔ رہ رہ کر اسے زری کا مسکراتا چہرہ یاد آ رہا تھا جو آج صبح کھلا ہوا تھا۔ پتا نہیں کتنا وقت گزرا تھا اسے اس طرح پڑے ہوئے وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا اپنا دل آباد کرے یا ثانیہ کا گھر۔ اگر زری کے والدین کو جلدی نہ ہوتی تو کچھ نہ کچھ کر ہی لیتا سمجھا لیتا ثانیہ کو بھی۔

''یہ اتنا آسان نہیں ہوگا زمی! یہ عورتیں کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ پیدا کر دیتی ہیں کہ سب الٹا ہو جاتا ہے۔'' نور شاہ اس کے کان میں بولے۔

وہ اپنا سر سہلا رہا تھا بہت درد تھا کہ اس کا موبائل بولنے لگا۔ اس نے بے دلی سے اٹھایا زری کی کال تھی وہ حیران ہوا اس نے آج تک اسے کال نہیں کی تھی وہ بھی گھر کی ٹائمنگ میں۔ اس نے ریسیو کر لی۔

''ہیلو۔''

''السلام علیکم۔'' دوسری طرف کی آواز شناسا نہیں تھی۔ اس نے موبائل کان سے ہٹایا اور غور سے نمبر دیکھا۔ لگتا ہے میرا دماغ چل گیا ہے ہر نام زری کا نام لگ رہا ہے۔ پر نام واقعی زری کا تھا۔ اس نے پھر موبائل کان سے لگایا۔

''وعلیکم السلام، جی آپ کون؟''

''میں پریشے ہوں۔''

''اوہ..... ہاں..... اچھا۔'' وہ اتنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا اس وقت کہ اسے سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا کہے۔

''آپ نے مجھے پہچان لیا؟ اس کے برعکس پری با اعتماد تھی۔'' کیسے ہیں آپ؟''

''میں..... ہاں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟'' اس کے دماغ نے کچھ کام کرنا شروع کیا۔

''میرے پاس ٹائم کم ہے زمان بھائی زری ابھی امی کے ساتھ کام میں بزی ہے تو میں نے آپ کو کال کی ہے آپ کو پتا ہی ہوگا کہ زری کے لیے ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہوا ہے۔ ابو کے دوست کے بیٹے ہیں وقار بھائی اور زری کو بہت پسند بھی کرتے ہیں اور زری آپ کی وجہ سے کب سے ٹال مٹول سے کام لے رہی ہے۔''

زمان نے اسے ہی بولنے دیا وہ کچھ بولنے جیسا تھا بھی نہیں۔

''زری آپ کی بہت تعریفیں کرتی ہے میں دیکھے بغیر جان گئی ہوں کہ آپ اچھے ہیں بہت پر اب میرے والدین بہت پریشان ہیں۔ زری نے مجھے بتایا کہ کل آپ اسے حتمی جواب دیں گے۔''

زمان اب بھی چپ ہی تھا۔

''دیکھیں زمان بھائی اگر تو آپ سنجیدہ ہیں تو پلیز کل اپنے والدین کو بھیج دیں اور اگر آپ نہیں بھیج سکتے تو پلیز زری کو مزید انتظار کرنے کا مت کہیں۔ پرسوں وقار بھائی کے گھر والے آئیں گے بات پکی کرنے' وہ بہت اچھے ہیں زری کو خوش رکھیں گے۔ امی ابو بہت پریشان ہیں' آپ بھی پریشان ہیں اپنی بہنوں کی وجہ سے تو پھر میرے والدین کی پریشانی کا بھی خیال کریں۔ مہربانی ہوگی۔'' وہ جلدی جلدی بول رہی تھی کہ زری آ ہی نہ جائے۔ اسے احساس ہو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اکہ سامنے والا تو خاموش ہی ہے۔

''ہیلو.....''

''ہاں گڑیا میں سن رہا ہوں تم پریشان مت ہو۔ کل سب اچھا ہی ہوگا۔'' وہ اس سے زیادہ بول نہ سکا کال کاٹ دی۔ شاید اللہ کی طرف سے کوئی مدد تھی وہ فیصلے تک پہنچ گیا تھا۔

☆☆☆

فوزیہ آٹے کا پیڑا بنا کر بیٹھی ہوئی تھیں، آملیٹ کا آمیزہ بھی بنا رکھا تھا بس جیسے ہی زمان آتا تیار ہو کر وہ گرم گرم ناشتا اسے بنا کر دیتیں۔

آج کچھ دیر ہوگئی تھی رات بھی زمان کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا، کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ دانیہ بلانے بھی گئی تھی پر زمان نے کہا اسے سونے دے۔ ابھی بھی فوزیہ خود اسے دیکھ کر آئیں تو وہ باتھ روم میں تھا۔

آخر زمان ساڑھے نو بجے تیار ہو کر نکلا۔ فوزیہ جلدی سے ناشتا بنا کر لائیں۔ وہ چپ چاپ ناشتا کرنے لگا ثانیہ کمرے میں بیٹھی اس کی چپ کو محسوس کر رہی تھی جبکہ روحی اور سائرہ ادھر ادھر صفائی کا کام کرتے ہوئے اسے غور سے دیکھ رہی تھیں۔ بابا ہمیشہ کی طرح چارپائی پر نیم دراز تھے۔ زمان نے ناشتا ختم کیا اور فوزیہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''امی میں آج آفس سے آؤں گا تو تیار رہیے گا۔ منور کے گھر جانا ہے، آپ اور بابا نے اس کے گھر جا کر الماس کے لیے میرا رشتہ مانگنا ہے اور اگر وہ ہاں کر دیں تو آج ہی بات پکی کر لیجیے گا پھر وہ آ کر منور کی رسم کر لیں گے۔''

جو جہاں تھا وہیں سناٹے میں رہ گیا۔ کیوں کیسے جیسے الفاظ بھی نہ بول سکا کوئی۔ بابا کو تو بات سمجھ میں ہی نہیں آئی تھی۔

زمان رکا نہیں آفس کے لیے نکل گیا اور سب کے لیے اسٹاپ کا بٹن دبا دیا گیا۔

''یہ کیا ہوگیا۔'' ثانیہ کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ خوش ہو یا روئے۔ وہ سکتے میں بیٹھی تھی۔ سب پر ایک جامد خاموشی تھی سب جانتے تھے کہ زمان نے اپنی خوشی قربان کر دی اور اب وہ پیچھے نہیں ہٹے گا اپنے فیصلے سے۔

☆☆☆

پری نے گھڑی پر نظر ڈالی زری کے آنے کا وقت تھا۔ وہ آج شدت سے اس کا انتظار کر رہی تھی دل بھی گھبرا رہا تھا کہیں زمان بھائی زری کو بتا ہی نہیں دیں کہ میں نے انہیں کال کر کے کیا کہا ہے۔ وہ بس اسے اس منجدھار سے نکالنا چاہتی تھی۔ وہ ایک فیصلہ کر کے آزاد ہو جائے۔ اس نے تو کھانا پینا چھوڑ دیا تھا زرد رنگ ہو رہا تھا۔ ابو امی بھی نوٹس کر رہے تھے پر اس کے فیصلے کے انتظار میں تھے۔

''چائے کا پانی رکھ دوں۔'' وہ سوچتی ہوئی کچن میں آئی۔ امی کو یقین تھا کہ کل زری کی بات پکی ہو جائے گی۔ کل کی تقریب کے لیے جو کھانا بنانا تھا اس کا سامان بھی آ چکا تھا۔ وہ دل میں کوئی ہزار دفعہ دعا مانگ چکی تھی کہ امی کا یقین نہ ٹوٹے۔ اس نے چولہا جلایا ہی تھا کہ دروازہ کھولنے کی آواز آئی اس نے پلٹ کر کچن کی کھڑکی سے باہر دیکھا زری آ گئی تھی۔ اور سست قدموں سے چلتی ہوئی آ کر تخت پر بیٹھ گئی۔

امی دھنیا صاف کر رہی تھیں سارا چھوٹا چھوٹا کام آج نبٹانا تھا۔ وہ پلٹ کر چائے رکھنے لگی۔ امی نے دھنیا صاف کرتے کرتے نظر اٹھا کر زری کو دیکھا وہ نظریں جھکا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا لگا۔ ان کے دل کو کچھ ہوا۔

''کیا ہوا زری؟'' امی نے اسے پچکارا پری فوراً مڑ کر کھڑکی سے اسے دیکھنے لگی۔

''امی وہ.....'' زری نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کیا۔

''آپ.....'' زبان نے اس کا ساتھ ہی نہ دیا۔ کبھی وہ سوچا کرتی تھی کہ کیسے امی کو زمان کے بارے میں بتائے گی۔

تو کیا امی کا یقین ٹوٹنے والا ہے۔ پری نے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بے بسی سی محسوس کی۔ کاش وہ اس لمحے کو روک دیتی امی صبح سے تیاری کر رہی تھیں۔ اب تو تھک گئی تھیں صبح سے کام کر کر کے پر ان کے اندر جوش سا بھرا ہوا تھا۔ پورا گھر دھو ڈالا تھا۔

''بولو بیٹا کیا ہوا۔'' امی کو پتا تھا کہ زری اس وقت شش و پنج میں ہے شاید فیصلہ کرنا مشکل لگ رہا ہے۔ اپنا گھر چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔

''امی! ابو کو میری طرف سے ہاں بول دیں۔''

اس نے تیزی سے جملہ مکمل کیا کہ اٹک نہ جائے۔

پری نے رکی ہوئی سانس باہر نکالی۔ امی کی جیسے ساری تھکن ہی دور ہوگئی۔ وہ مسکرائیں اور اپنی دونوں بانہیں وا کیں زری ان میں سما گئی۔

''پروردگار تمہیں ساری خوشیاں دے ہمیشہ خوش رکھے۔''

''آمین۔'' پری خوشی سے چہکی، پھر زری کو دیکھا جس کا سر امی کے کاندھے پر تھا وہ اس کا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر امی کے دوپٹے میں جذب ہو رہے تھے۔ اس کا دکھی چہرہ اسے بتا رہا تھا کہ زمان نے اس کے والدین کی پریشانی سمیٹ لی پر محبت کی نہیں سمیٹ سکا۔ یا تو وہ زری کو خوشی دے دیتا یا اس کے والدین کو سکون۔ زری ٹھیک ہی کہتی تھی زمان بھائی بہت اچھے ہیں۔ وہ یک دم اداس ہوگئی۔

امی کو بھی احساس ہوا کہ زری رو رہی ہے ان کی اپنی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ انہوں نے اسے خود سے الگ کیا اس کے آنسو صاف کیے۔

''نہ رونا نہیں بیٹا! یہ خوشی کا موقع ہے اتنا اچھا لڑکا ملا ہے میں نے تو ایسا خواب ہی دیکھا تھا بس۔'' امی کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''بس بس اب یہ رونا بند کرو، نہیں تو میں بھی رو دوں گی پھر ہمیں چپ کون کروائے گا۔'' دل تو پری کا بہت اداس ہوگیا تھا پر وہ ان دونوں کو چپ کرانے کے لیے مزاحیہ انداز میں بولی۔

''میں کپڑے بدل لوں۔'' زری آنسو صاف کرتے ہوئے کمرے کی طرف چل دی۔ کپڑے بدل کر وہ بیڈ پر ہی لیٹ گئی۔ وہ دل بھر کر رو لینا چاہتی تھیں اور زمان کی محبت کو آنسوؤں میں بہا دینا چاہتی تھی۔ کل تک وہ کتنی خوش گمان تھی اور آج.....''

کاش وہ یہ کہہ دیتا کہ آج اس کے والدین آئیں گے۔ پر وہ بولا بھی تو کیا۔ اس کے ذہن میں آج سچ ٹائم میں اس کے ساتھ بتائے وہ منظر فلم کی طرح چلنے لگے۔

زمان اس کے سامنے بیٹھا تھا اور وہ خوش تھی کیونکہ کل تو زمان کے انداز نے اسے خوابوں کے آسمان پر پھر سے اڑایا تھا۔ اسے آج زمان کا بجھا ہوا چہرہ نظر ہی نہیں آرہا تھا۔ زمان نے کھانے کے بجائے چائے آرڈر کی تو اس نے کہا کہ بھوک لگی ہے کھانا کھاتے ہیں۔

''تم کیا کھاؤ گی۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔''

تب اس نے غور سے اسے دیکھا اور اس کی سانس رک سی گئی کیا وہ اسے جدائی کی کہانی سنانے والا ہے۔

''کیا ہوا؟'' وہ یہی پوچھ سکی۔

''کچھ بھی نہیں ہوا۔ کچھ ہو نہیں سکا۔ میں کچھ کر نہیں سکا۔ میں مجرم ہوں تمہارا زری پر مجھے معاف کردو۔'' اس کی آنکھوں میں سمندر اترنے لگے زمان دھندلا دکھائی دینے لگا۔

آج زمان کی آنکھوں کا فرش بھی گیلا ہونے لگا۔ پر ضبط ضروری تھا ـــــ خاموشی سے دونوں خود کو جوڑتے رہے۔

''پہلے میں نے سوچا تھا تمہیں فون پر بتا دوں سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی زری پر اس طرح تمہیں لگتا کہ تم ٹھکرا دی گئی ہو۔ میں نے جان چھڑالی۔ تم اذیت میں آجاتیں۔ میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ تم ایسی ہو کہ تمہیں کھو کر اب پوری عمر میں اس مقام پر کسی کو نہیں رکھ سکوں گا۔ کوئی اور تمہارے جیسا ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

''ان سب باتوں کا اب کیا فائدہ؟'' وہ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

پھنکاری تھی۔

''ہاں پہلے کبھی یوں نہیں بتایا مجھے ڈر تھا کہ میرے پیر بندھے ہوئے ہیں۔ پر سوچو میں تمہیں کہہ دوں کہ ابھی دو تین سال رک جاؤ تو؟ آج گھر جا کر انکل کو کیا جواب دو گی؟ وہ کتنے پریشان ہیں تمہارے لیے پھر پری کی بھی ابھی شادی کرنی ہے۔ اگر دو تین سال میں تمہیں انتظار کرواؤں تو تمہارے والدین کتنی مصیبت میں آجائیں گے۔ اور میں بھی تو اپنے والدین کی خوشی کا سامان ہی تو کر رہا ہوں۔''

''اور ہماری خوشی؟ خوشی کو تو چلو رہنے ہی دو ہمارے دل کو سکون آئے گا؟ میں کیسے گزاروں گی زندگی تمہارے بغیر؟ دل برباد کر کے؟'' اس کی آواز بھرا گئی روکتے روکتے بھی ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکل آیا۔

''ہم اب بھی ایک دوسرے کے بغیر ہی زندگی گزار رہے ہیں اور جن کے ساتھ گزار رہے ہیں ان کی خوشی کے بارے میں سوچیں گے تو دل کو سکون ملے گا۔ میری بہنیں اپنے گھروں میں بسیں گی تو مجھے سکون ملے گا۔ تمہارے والدین خوش ہوں گے تمہیں سکون ملے گا۔ خوشی دل کے سکون کا نام ہے اور دل کا سکون اس کی رضا مندی کا دوسرا نام ہے۔ میرے ساتھ زندگی گزارنے پر تمہارا دل راضی تھا سو تم خوش تھیں پر اگر میں نہ ہوتا تمہاری زندگی میں تو تم والدین کے فیصلے پر راضی ہوتیں اور اس کا مطلب ہے کہ خوش ہوتیں۔ دل کو راضی کر لو سکون خود بخود دل میں اتر آئے گا۔ اور دل آباد تو سکون سے ہی ہوتا ہے۔ تم اپنے پیاروں کی خوشی سے دل کو آباد کر لینا پھر کبھی برباد نہیں ہوگا۔ تمہارا دل۔'' زمان اسے یک ٹک دیکھتے ہوئے بول رہا تھا اسے پتا تھا آج کے بعد وہ اسے نظر بھر کر دیکھے گا نہیں' وہ حفظ کر رہا تھا اسے۔

''تو آپ نے دل کو راضی کر لیا تو خوش بھی ہو گئے ہیں نا.....؟'' وہ طنزیہ بولی۔ سب ختم ہو چکا تھا۔ اس کی باتیں دل میں بھی اتر رہی تھیں پر اتنا آسان کب تھا یہ سب آخر دل تو ٹوٹا تھا کرچیاں تو چبھنی تھیں۔

زمان مسکرایا۔ زخمی مسکراہٹ۔ اس سے تو اچھا تھا کہ رو دیتا۔ اس نے دل میں سوچا۔ وہ اپنے چائے کے کپ میں دیکھنے لگا۔ زری کے پاس یہی وقت تھا اس نے بھی اس چہرے کو حفظ کر لینا چاہا۔

''میں..... اور میرے دل کا سکون.....'' وہ پھر مسکرایا۔ زری کے دل کو کچھ ہوا۔

''تمہیں تو دل کو راضی کرنے کے لیے یہ سوچ لینا کافی ہے زری کہ میں نے ہی قدم پیچھے کر لیے میں نے ہی تمہیں واپس جانے کو کہہ دیا۔ پر میرے دل میں تو یہ کسک ہمیشہ رہے گی کہ کاش میں تمہارا ہاتھ تھام لیتا۔'' زمان نے حسرت سے اس کے ہاتھوں کو دیکھا۔ یہ حسرت اب دل میں ہی رہے گی۔ ایک اور آنسو زری سے بغاوت کر گیا۔ اس نے سرعت سے صاف کیا۔

''ہم مرد ہیں نا ہمیں تو کوئی تکلیف ہوتی ہی نہیں۔ پر اگر ہم سخت فیصلے نہ کریں تو بتاؤ پھر سب کو خوشی کیسے دیں گے۔ میں ہمیشہ یہی سوچا کروں گا کہ میں تمہیں پا سکتا تھا اگر باقی سب کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا۔ کیا ہو جائے گا اگر میری بہنیں بھی گھر بیٹھی رہیں گی میری پھوپھیوں کی طرح' میرا دل تو آباد رہے گا۔ پر تمہیں پا کر اگر دل کا سکون کھو گیا تو؟ ہم پھر بھی خوش نہ رہے تو؟ میرے سامنے میری بہنیں بوڑھی ہوں گی اور میرا ضمیر مجھے جینے نہیں دے گا۔ میں ایک کا گھر بسا دوں تو پھر آسانی ہو جائے گی پہلا قدم مشکل ہے بس۔ کیونکہ یہ پہلا قدم قربانی مانگ رہا ہے۔'' زمان تھک گیا بول بول کر۔ اس نے نظریں نہیں اٹھائی تھیں وہ بے خبر نہیں تھا کہ وہ بھی اسے حفظ کرنا چاہتی ہے۔ پتا نہیں وہ سن بھی رہی تھی کہ نہیں۔ وہ خاموش ہی رہی شاید قائل ہو گئی تھی۔

''تمہاری جگہ دل میں ایسے ہی رہے گی زری۔''

''جب زندگی میں جگہ نہیں تو دل میں جگہ لے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کر کیا کرنا ہے مجھے۔'' وہ قائل تو ہوگئی تھی پر گھائل بھی تھی۔

''آپ کو جب دل میں میری جگہ بتانی تھی تب بتانی نہیں اور جب سب ختم کر رہے ہیں تو بتا رہے ہیں۔'' وہ دکھی تھی اور یہ بات بھی مان رہی تھی کہ زمان نے اسے کبھی خواب نہیں دکھائے تھے۔

''ہاں یہ بتانے کے لیے کہ تم بہت اسپیشل ہو تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا میرا خواب تھا۔ پر بس ہماری قسمت میں نہیں۔'' اس کا سر جھک گیا آج ایک آنسو اس کی آنکھ سے بھی گر گیا۔

زری آگہی کے عمل سے گزری واقعی اگر زمان موبائل آف کر دیتا اس کو جواب ہی نہ دیتا تو اسے لگتا کہ وہ ٹھکرا دی گئی ہے یا پھر اس نے وقتی دل بہلایا اور اب پیچھا چھڑا لیا۔ وہ اسے بتا رہا تھا کہ اس کے جذبات سستے نہیں ہیں اور نہ وہ کوئی گئی گزری ہے۔ اس نے اسے چاہا تھا باعزت اپنی زندگی میں بھی شامل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا ایک آنسو اس کی سچائی کی گواہی دے رہا تھا اس کی ضبط سے لال ہوتی آنکھیں سچی تھیں۔

بس جب بات پوری ہوگئی وہ سمجھ بھی گئی تو یہاں بیٹھ کر آنسو ضبط کرنے کا فائدہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی ایک نگاہ زمان پر ڈالی وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ زخمی نگاہوں کا تصادم جان لیوا تھا۔ ایک کی آنکھوں میں معذرت تھی دوسرے کی آنکھوں میں شکوہ، زمان وہ شکوہ برداشت نہیں کر پایا اور نگاہ چائے کی پیالی پر جما دی وہ سے روک بھی نہ پایا بھلا کس حق سے روکتا۔ اس کا چلے جانا ہی بہتر تھا۔

وہ اپنے آنسو روکتی آفس کی طرف چل دی۔ کمال کا ضبط تھا۔ آفس ٹائم پورا کیا اس نے یہ بھی شکر تھا کہ مان واپس آفس نہیں آیا تھا۔ وہ جانتی نہیں تھی پر وہ گھر جا کر اپنے کمرے میں اپنے ہاتھوں اپنی محبت دور کرنے کا ماتم منا رہا تھا وہ اس سے بھی پہلے جی بھر کر رو لیا تھا۔

ایک باب زندگی کا ختم ہو گیا تھا اور ان دونوں کو نئی زندگی شروع کرنی تھی۔

☆☆☆

دسمبر شروع ہوا چاہتا تھا پر سندھ کے گرم علاقوں میں اتنی سردی نہیں اتری تھی ابھی۔ خوش گوار موسم طبیعت پر اچھا اثر ڈال رہا تھا۔

''شکر ہے موسم بدلا جل ہی گئے تھے گرمی میں۔'' ہانیہ خوش ہوتے ہوئے پورے صحن کا چکر لگا رہی تھی۔ وہ سب گاؤں آئے تھے اور گاؤں میں نسبتاً ٹھنڈک تھی۔ زمان اور ثانیہ کی منگنی کی رسم تھی۔ منور کے گھر والے بھی گاؤں آئے تھے۔ سب اپنی خوشیاں اور غم گاؤں میں آ کر مناتے تھے۔

کچھ موسم اندر سے جلا دیتے ہیں۔ ثانیہ نے حسرت سے ہانیہ کے خوش چہرے کو دیکھا۔

موسم خوش گوار تھا پر اس کے اندر حبس تھا اس نے اپنی الٹے ہاتھ کی چوتھی انگلی میں منور کے نام کی انگوٹھی دیکھی۔ دل خوش ہونا چاہتا تھا پر تھا نہیں سب سے زیادہ اسے زمان کے دل اجڑنے کا دکھ تھا۔

جس دن زمان نے اماں سے کہا تھا کہ وہ آج شام منور کے گھر رشتہ لے کر جائیں گے اس دن وہ جلدی گھر آ گیا تھا۔ پوری دوپہر وہ کمرے میں بند رہا تھا۔ پھر شام میں دیر سے وہ جب کمرے سے نکلا تو تیار تھا بس آنکھیں اس کی حالت کی چغلی کھا رہی تھیں۔ وہ لاؤنج میں آیا تو امی بابا بھی تیار بیٹھے تھے۔

''آپ لوگ تیار ہیں نا؟'' اس نے زبردستی لہجے میں بشاشت پیدا کی۔

''ہوں..... پر سوچ لے پتر پتا نہیں وہ رشتہ دیں نہ دیں میں تو کہتی ہوں چھوڑ پرے ہم زری کے گھر چلتے ہیں۔'' فوزیہ نے کہا تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

''اماں میری منور سے بات ہو چکی ہے، رات یہ آپ کے کرنے کے کام بھی میں کر رہا ہوں۔''

''ہاں تو کیوں کر رہے ہو۔'' روحی پھر میدان میں اتر آئی۔ زمان کا دماغ ویسے ہی ماؤف تھا اس نے زوردار ٹھاہ کی آواز کے ساتھ روحی کے آگے ہاتھ جوڑے۔ سب ہی اپنی جگہ اچھل پڑے۔

''دیکھو مجھے غصہ مت دلاؤ، تم نے اپنی زندگی

Waqar Azeem
Pakistanipoint

کا فیصلہ کیا کہ تم کبھی شادی نہیں کرو گی میں نے احترام کیا تمہارے فیصلے کا اب خاموش رہو یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔ جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔"

اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ روحی سچ مچ ڈر گئی بڑبڑاتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ زمان نے ـــ کار منگوائی اور فوزیہ اور اخلاق شاہ کو لے کر منور کے گھر چلا گیا۔ رات اس کی بات نور شاہ اور منور سے ہو چکی تھی۔ پہلے اس نے سارا معاملہ نور شاہ کے گوش گزار کیا۔ پھر نور شاہ نے بات منور تک پہنچائی کچھ وقت کے بعد منور کی کال آئی۔ اس نے یقین دلایا کہ بدلے کا رشتہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں وہ ثانیہ کو خوش رکھے گا۔

"یہ ثانیہ کی خواہش ہے۔" وہ ڈیمانڈ نہیں کہہ سکا۔ منور خاموش ہو گیا۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ الماس کی مرضی پوچھے بغیر کچھ مت کرنا۔"

"ہاں زمی تم فکر نہ کرو ابو نے آپا کی بھی شادی ان کی مرضی پوچھ کر کی تھی اور الماس نے اپنی مرضی ابو کی مرضی پر چھوڑ دی ـــ ہے" منور دل میں خوش بھی تھا کہ زمان جیسا مرد اس کی بہن کا نصیب بنے گا۔

پھر سب کچھ اتنے منظم طریقے سے ہوا کہ کوئی گنجائش ہی نہیں رہی کہ کوئی بات بگاڑے۔ فوزیہ اور اخلاق شاہ نے جب رشتہ دیا تو اسی وقت منور کے والد نے ہاں کر دی کیونکہ منور انہیں بتا چکا تھا سب کچھ فوزیہ ہکا بکا ہی رہ گئیں چار و ناچار انہوں نے رسم کرنے کے لیے الماس کے ہاتھ میں پیسے رکھے اور مٹھائی کھلائی جو زمان نے راستے سے پیک کروائی تھی۔ اگلے دن منور کے والدین آئے اور ثانیہ کی رسم کر دی گئی۔ منگنی کا فنکشن کچھ دن بعد رکھا گیا۔

دنوں میں کیا سے کیا ہو گیا۔ روحی غصے سے بل کھا رہی تھی اور غصہ سائرہ کو بھی کم نہیں تھا اور اسی طرح کی بہت ساری یکی عمر کی خواتین تھیں جن کے خیال میں ثانیہ ان کی قبر بھی تنگ کر چکی ہے۔

زمان اوطاق میں نور شاہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ نور شاہ آج خود ہی اپنے چاچا کا قصہ کھولے بیٹھے تھے۔

"احسان چاچا نے اپنے والد سے بات کی یعنی میرے دادا سے کہ نوراں چاچی کے لیے رشتہ بھیج دیں اور بدلے میں پھوپھی سلطانہ کا رشتہ کر دیا۔ بات بڑوں میں طے ہو گئی تو چاچا نے مجھے اس کام پر لگایا کہ جب چاچی کہیں اکیلی ہو تو بتاؤں۔ ہماری عورتیں باہر تو نہیں نکلتی تھیں اس حویلی کی چار دیواری سے سب گھر اپنے چار دیواری کے اندر ہی ہیں پر یہ بھی کافی بڑی جگہ ہے چھوٹی سی کالونی جیسی تب تو گھر اور بھی کھلے اور بڑے تھے۔ بھینسوں کے باڑے بھی اندر ہوتے تھے ہر گھر کے ساتھ بڑی جگہ تھی جہاں مال مویشی ہوتے تھے۔" نور شاہ کی آنکھوں میں یادیں جھلملائیں۔

"ایک دوپہر چاچی مجھے اپنے باڑے میں اکیلی کام کرتی نظر آ گئی۔ میں فٹافٹ چاچا کو خبر کرنے بھاگا۔ چاچا بھی فٹ پہنچ گیا اور مجھے بھگا دیا۔ وہاں سے۔" وہ کچھ سوچ کر مسکرائے۔ "پر میں نے چھپ کر کچھ نہ کچھ سن لیا تھا۔"

انہوں نے چاچی سے وعدہ لیا تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں شادی سے انکار نہیں کریں گی اور کچھ نہ کچھ اپنی محبت کا یقین دلا دیا تھا میں اس عمر میں اتنا ہی سمجھ سکا۔ پر میری پھوپھی نے پہلے تو شور شرابا کیا کہ وہ شادی نہیں کرے گی پر دادا نے کہا کہ وہ زبان دے چکے ہیں تو پھوپھی نے زہر کھا لیا۔

"اوہ....." زمان نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"وہ خودکشی نہیں تھی بس پلاننگ تھی ان سب لڑکیوں کی، پھوپھی نے زہر کھایا سب نے شور مچا دیا کہ سلطانہ نے زہر کھا لیا اس کو بروقت بچا لیا گیا پر پھر کس میں ہمت تھی کہ ان کی شادی کرتے۔ چاچا احسان نے اسی دن دادا اور چاچی کے والد سے میٹنگ کی اور رات مولوی صاحب کو بلا لیا گیا اور چاچی چاچے کا نکاح پڑھا دیا گیا۔ سب سمجھ رہے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

تھے کہ پھوپھی کے زہر کھانے کی وجہ سے دونوں رشتے ختم ہو جائیں گے پر چاچے نے تیزی دکھائی اور نکاح کر لیا۔"

"واہ بازی تو مار لی نا پھر۔" زمان مسکرایا۔

"نہیں زمی وہ بازی ہار گیا اور اس بری طرح ہارا کہ بس۔" نور شاہ کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔

"وہ کیسے؟" زمان حیرت میں تھا۔

یک دم اوطاق کے کھلے دروازے سے ایک دس گیارہ سال کا بچہ بھاگتا ہوا آیا اور نورہ شاہ کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ ایک منٹ کی دھیمی گفتگو کے بعد بچہ بھاگ گیا۔

"چل آ تجھے اب بتا دوں کہ چاچا بازی کیسے ہارا۔" نور شاہ جلدی سے اٹھے اور اوطاق سے باہر نکلے زمان ان کے پیچھے تھا وہ حویلی کے گھروں کے پچھلے حصے میں چل رہے تھے جہاں زیادہ تر کمروں کی کھڑکیاں تھیں اور ایک کھڑکی کے پاس وہ پہنچ کر رک گئے زمان جانتا تھا کہ یہ کس کا کمرہ ہے۔

☆☆☆

سب لڑکیاں بی بی نوراں کے کمرے میں جمع تھیں سب جو روحی کی ہم خیال تھیں اور اکثریت چالیس پچاس کے پیٹے میں تھیں ان کو لڑکیاں کہنا زیادتی تھا۔ بستر پر بی بی نوراں کا بے جان سا وجود پڑا ہوا تھا۔ دن میں ایک دفعہ انہیں چمچ سے دودھ پلایا جاتا تھا۔ کبھی وہ ہوش میں ہوتیں کبھی نہیں۔

روحی تقریباً گھسیٹتے ہوئے ثانیہ کو وہاں لے کر آئی تھی اور اسے نوراں بی بی کے بستر کے پاس کھڑا کیا۔

"دیکھو اس عورت کو غور سے دیکھو۔ ایسی ہوتی ہیں پاک عورتیں۔" ثانیہ نے بی بی نوراں کا زرد چہرہ دیکھا پھر کمرے میں موجود سب لڑکیوں پر نظر ڈالی پھر اپنا حلق تر کیا وہ جان گئی تھی کہ یہ سب اس کی برین واشنگ کرنے کے لیے آئی ہیں۔

"ہماری بڑی بیبیوں کی قربانیاں دیکھو اور سبق حاصل کرو ان سے۔" ان کی ایک رشتے دار لڑکی بولی۔

"شہر جا کر کالج یونیورسٹی میں کیا گئی اپنے سبق بھول گئی بے حیا ہو گئی۔" دوسری نے بھی اپنا حصہ ڈالا اس کی تذلیل میں۔

وہ سب ثانیہ کو کافی دیر سبق دیتی رہیں۔ وہ چپ تھی۔ پہلے ہی وہ روحی کی باتوں میں آ کر زمان کا دل برباد کر چکی تھی جب اس کا کارنامہ دانیہ کو پتا چلا تو اس نے ثانیہ کی ایسی کلاس لی تھی ایسا جھنجوڑا تھا کہ اس کے دماغ کے سارے حصے جاگ گئے تھے سب تار جھنجھنا اٹھے تھے۔ ابھی بھی اس کا کوئی موڈ نہیں تھا ان سب بوڑھی ہوتی لڑکیوں کی باتوں پر کان دھرنے کا۔

"اب کچھ بولو بھی یا ہم بس سر پھوڑ رہے ہیں۔" رشیدہ نے اسے جھنجوڑ ہی ڈالا۔

"میری منگنی ہو گئی ہے اب یہ بھا کی عزت کا سوال ہے میں انکار نہیں کروں گی۔" وہ وحشت زدہ ہو گئی۔

"ان کی بھی تو شادی کر دی گئی تھی۔" سائرہ نے نوراں بی بی کی طرف اشارہ کیا۔

"تو" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کبھی چھو بھی نہیں سکے تھے بڑے چاچا ان کو۔" سائرہ فخر سے بولی۔ "اپنے آپ کو پاک رکھا انہوں نے۔"

"کیا....." اس کے اعصاب ہی سنسنا گئے۔

"ہاں بڑی ہی کوششیں کی تھیں بڑے چاچا نے ان کا رستہ خراب کرنے کی پر یہ بڑی ہی ثابت قدم تھیں۔" بہت ہی عقیدت تھی بولنے والی کے لہجے میں۔

"اپنی آخرت کھوٹی نہیں کر لی انہوں نے۔ میں نے تو پڑھا ہے کہ فرشتے اس عورت کو لعنتیں دیتے ہیں جو شوہر کو اس کا حق نہیں دیتی۔" اس نے بے اختیار صحیح کی۔

"بے غیرت، بے حیا، بے شرم۔" لعن طعن کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جو اسے روندتا گیا وہ سب

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کمرے سے نکلتی گئیں آخر میں اس کی ماں جائیاں بچ گئیں جو تنفر سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''یوں کہو ناں کہ تمہیں شوق ہو گیا ہے مرد کو اپنا لباس بنانے کا۔'' سائرہ کی آواز کی طرح اس کا تنفس بھی تیز تھا۔

وہ تو پہلے ہی تذلیل کے شدید احساس سے دوچار تھی اور یہ آخری حد تھی یا اس سے بھی آگے۔ کاش جیسے اس کی ذات کے پرخچے اڑ گئے ہیں ویسے ہی اس کے وجود کے بھی اڑ جاتے وہ کسی کا بھی سامنا کرنے سے بچ جاتی۔ آج اسے پتا چلا کہ لوگ کب خواہش کرتے ہیں کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں۔ اس نے زمین میں نظریں گاڑ دیں یہ پھٹ کیوں نہیں رہی۔ پھر اسے روحی اور سائرہ کے جاتے قدم نظر آئے پتا نہیں کیا کیا بولا تھا انہوں نے۔

اور پرخچے باہر کھڑکی کے ساتھ لگے زمان کے بھی اڑ گئے تھے اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا وہ واپس اوطاق کی طرف چلا گیا۔ پیچھے پیچھے نور شاہ بھی چلے آئے۔

اس نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''کیا ضروری تھا مجھے یہ سب کچھ سنانے۔''

☆☆☆

وہ پتا نہیں کتنی دیر سے وہاں ہی بیٹھی تھی شائد اپنی ذات سمیٹ رہی تھی زمین کو دیکھ رہی تھی کاش پھٹ ہی جاتی۔ وہاں اسے اپنے پاس پڑے وجود میں ہلچل سی محسوس ہوئی پتا نہیں کب سے ہو رہی تھی اس کی حسیں ابھی بیدار ہوئی تھیں۔ اس نے پلٹ کر بی بی نوراں کو دیکھا ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور جسم ہچکولے لے رہا تھا۔ وہ کچھ دیر غائب دماغی سے دیکھتی رہی۔

''میری دھی،'' بہت ہلکی آواز سنی اس نے۔

یک دم دماغ حاضر ہوا۔

''کیا ہوا چاچی۔'' وہ آنسو صاف کرتی جھک گئی ان پر تاکہ ان کو سن سکے۔

''مر گئی نا تیرے بھی دل کی ساری خوشی۔'' وہ بہت آہستہ بولیں اس کے آنسو پھر سے بہنے لگے' وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔ چاچی اور بھی کچھ بولنا چاہتی تھیں پر ان کو نقاہت تھی وہ جلدی سے ان کے لیے دودھ لے کر آئی اور چمچ سے پلانے لگی کچھ دیر میں وہ بہتر محسوس کرنے لگیں۔ وہ اٹھنے لگی تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے روکا وہ واپس بیٹھ گئی۔

''جب میں منگ بنی تھی احسان شاہ کی تب ساری کی ساری مجھے کمرے میں لے گئی تھیں آج میرے کانوں نے وہی آوازیں وہی جملے سنے جو سالوں پہلے سنے تھے۔'' ان کی آنکھیں یادوں میں کھو گئیں جب وہ احسان شاہ کے نکاح میں اچانک ہی بندھ گئی تھیں۔ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ سب ہی حیران رہ گئے تھے۔

سلطانہ کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی سب لڑکیاں اس کو خراج پیش کر رہی تھیں کہ اپنی جان پر کھیل کر اس نے اپنا رشتہ ہی ختم کر دیا البتہ نوراں سے ابھی کسی نے بات نہ کی تھی۔ پر اس کی رنگت میں گھلتا سندور دنوں میں اس کے دل کے خوش ہونے کی گواہی دینے لگا اس کی مسکراہٹ حویلی کی سب لڑکیوں کو چبھنے لگی۔ اور احسان نکاح کے بعد کھلم کھلا ان کے گھر کے چکر لگانے لگا۔ انسانی فطرت ہے چاہے جانا سب کو پسند ہوتا ہے اور حسد بھی انسانی فطرت ہے۔ اس زمانے میں حویلی کی پہلی لڑکی کا نکاح ہوا تھا پر باقی سب لڑکیوں کے لیے یہ ناقابل برداشت تھا کیونکہ ان کی ڈکشنری میں شادی کا لفظ گناہ کے معنی رکھتا تھا پر دل میں حسد بھی چھپا ہوا تھا اور چاہے جانے کی خواہش بھی۔ انسان اپنی فطرت سے ہٹ کر نہیں کر سکتا بھلے وہ اپنے کتنے ہی اصول بنا لے۔ جب احسان کے والد نے جلدی رخصتی کی تاریخ لے لی تو سب لڑکیوں کو اکٹھا کیا گیا سب پھوپھی بھتیجیاں ایک کمرے میں اکٹھی ہوئیں اور نوراں کی ذات کے ایسے پرخچے اڑائے گئے کہ وہ اپنی ہی نظروں میں گر گئی۔

وہ اس حویلی میں رہی تھی تعلیم کے نام پر وہی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کچھ تھا اس کے پاس جو بڑوں سے ملا تھا۔ وہ ڈر گئی کہ اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کردی۔

دنوں وہ بخار میں پھنکتی رہی۔ دوا نے بھی کوئی اثر نہ کیا اس کی رنگت میں سندور کی جگہ ہلدی نے لے لی۔ اور وہ اسی بیماری میں احسان کے سنگ رخصت ہو کر اس کے گھر آ گئی۔

احسان کو اندازہ نہ تھا کہ اس کا ذہن کہاں الجھا ہوا ہے وہ اسی بات پر خوش تھا کہ آخر اس نے حویلی کی ایک لڑکی کا نکاح کروا ہی دیا اب باقی بھی اپنی قسم توڑ ہی دیں گی۔ وہ شرسار سا نوراں کے پاس چلا آیا۔ وہ اس کے پاس بیٹھا تھا کہ وہ چھلانگ لگا کر کھڑی ہوگئی۔

''مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی ہے میں نے نافرمانی کردی ہے میں بھول کیسے گئی کہ ہم پاک ہیں اور .....''

''یہ کیا بکواس ہے۔'' احسان کو لگا اس کا دماغ چل گیا ہے۔ وہ اٹھ کر اس کی طرف بڑھا وہ دو قدم اور پیچھے ہوگئی۔ ''آپ ادھر مت آئیں دیکھیں میں لوگوں کو تعویذ لکھ کر دیتی ہوں اور ان کو شفا ملتی ہے اگر میں اپنے نفس کے کہے میں آ گئی تو مجھ سے یہ خاصیت چھن جائے گی خدا مجھے معاف نہیں کرے گا۔'' اس کے آنسو بہنے لگے۔

احسان کو اس دفعہ ہنسی آ گئی وہ پی ایچ ڈی تھا یونیورسٹی میں پڑھاتا تھا اس کی بے تکی باتیں سن کر ہنسی آ گئی۔

''یہ انمول اقوال کس نے تمہیں سنائے ہیں۔ اچھا رومت ادھر آ کر بیٹھو۔'' اسے رحم بھی آیا اس پر۔ ان عورتوں نے حویلی کے باہر کی دنیا دیکھی کب تھی۔ وہ کچھ دیر اس سے باتیں کرتا رہا پر وہ پاس نہ آئی۔ آخر احسان نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور سو گیا۔

کچھ دنوں میں احسان کو احساس ہو گیا کہ نوراں کے دماغ میں جو باتیں بیٹھی ہوئی ہیں وہ اتنی آسانی سے نہیں نکلیں گی۔ وہ اس کے لیے عورتوں کے حقوق، فرائض اور مسائل کی اچھی کتابیں ڈھونڈ کر لے آیا۔ اردو پڑھنا لکھنا وہ جانتی تھی۔

''یہ واہیات کتابیں نہیں پڑھنی مجھے۔ آپ کو شرم نہیں آئی یہ کتابیں گھر لاتے ہوئے۔'' وہ تنک کر بولی۔

''کیا.....'' احسان کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''بہت اچھے اور مانے ہوئے مفتی صاحب کی کتابیں ہیں پڑھو تمہارا دماغ کھلے۔''

''یہ دو نمبر مولوی اس طرح کی کتابیں لکھتے ہیں۔ میں تو ہاتھ بھی نہ لگاؤں۔'' وہ ہاتھ صاف کرتی باہر نکل گئی اور احسان نے سر پکڑ لیا۔

پھر احسان نے ہر کوشش کر لی نوراں کو سمجھانے کی پر وہ پتھر ثابت ہوئی وہ لمبی لمبی نمازیں پڑھتی گھنٹوں قرآن پڑھتی۔ اس کی مریدنی وہ ان کو تعویذ لکھ کر دیتی۔ روز اس کی بہنیں اور کزنز اس کو سلامی پیش کرتیں کہ وہ ثابت قدم ہے۔ احسان جب شدید غصے میں آ جاتا تو وہ کہہ دیتی کہ وہ دوسری شادی کر لے اسے اجازت ہے۔ پر وہ تو سب کی سوچ بدلنے نکلا تھا وہ اگر دوسری شادی کر لیتا تو سب یہی سمجھتے کہ واقعی اس کے خاندان کی عورتوں کا نکاح کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

تھک ہار کر احسان نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ وہ اب مضمحل رہنے لگا۔ بات سب کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ سب لڑکیاں جب احسان کو کبھی طنزیہ اور کبھی جتاتی نظروں سے دیکھتیں تو اس کا دل جھلس جاتا تھا۔

بی بی نوراں کی آنکھیں برس رہی تھیں اور ثانیہ کی بھی۔

''مجھے آج بھی یاد ہے وہ میری منتیں کرتا تھا کہ چلو شہر میں گھر ہے میرا وہاں چل کر رہو میں تمہیں دنیا گھماؤں گا پر جب میں نے اپنی ہم جولیوں کو بتایا تو وہ مجھے سمجھانے لگیں کہ کبھی نہ جانا وہ تمہیں وہاں اکیلا دیکھ کر زور زبردستی کرے گا اس کا مقصد ہی یہی ہے۔ میں نے احسان کو کہہ دیا کہ اس حویلی سے میرا جنازہ ہی نکلے گا۔ وہ کچھ بھی نہ بولا کیسی بے چارگی تھی اس کی آنکھوں میں آج بھی یاد کرتی ہوں تو سکون ہی نہیں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آتا۔

بس خود کو ثابت کرنے کے لیے میں نے اس کی روح کا ہی خون کر دیا۔ پھر اس نے کچھ کہنا چھوڑ دیا بس چپ سادھ لی۔ اٹھارہ سال وہ اپنے آپ کو گھسیٹتا رہا اس زندگی کے ساتھ اور پھر چپ چاپ چلا گیا اس دنیا سے۔"

وہ پھر سے تیس سال پیچھے چلی گئی۔ جب احسان دنیا سے جا چکا تھا پر اس کو ہر جگہ نظر آنے لگا۔ اس کی باتیں اس کی آنکھیں ہر جگہ اس کا پیچھا کرنے لگیں۔ وہ اپنے آپ کو عبادت میں گم کرنے کی کوشش کرتی تو اس کا دل اچاٹ ہو جاتا بس وہ اور اس کی بے چارگی سے بھری آنکھیں ایک دن وہ گھبرا کر اس کی کتابیں دیکھنے لگی ان میں وہ کتابیں بھی تھیں جو وہ اس کے لیے لے کر آیا تھا ابھی تک سنبھال کر رکھی تھیں۔ اس نے ایک کتاب اٹھا کر پہلا ورق کھولا تو اس پر لکھا تھا میری بیوی کے لیے۔

دعا ہے کہ وہ اچھی تعلیم حاصل کرے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ پھر وہ ان کتابوں کو چھپ چھپ کر پڑھنے لگی۔ اس کے دماغ کے الجھے دھاگے سلجھنے لگے پر اب اس سب کا فائدہ نہ تھا۔ وہ جتنا پچھتاتی اب کم لگتی۔ اس کی مرید کہنے لگیں کہ اس کے دم اور تعویذ اب شفا نہیں دیتے پھر اس نے اپنی مریدنیوں سے ملنا چھوڑ دیا۔ وہ بس اپنے کمرے تک محدود ہو گئی اس کی عبادت استغفار پر محیط ہونے لگی۔ پہلے پہل سب نے اس کا دل بہلانے کی کوشش کی پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

"بتا دیجیے تو تو پڑھی لکھی ہے نا۔" ثانیہ بھی چونکی جیسے وہ بھی ان کے ساتھ سالوں کا سفر کر کے آئی تھی۔ اس نے آنسو صاف کر کے اثبات میں سر ہلایا۔

"بتا میری مغفرت ہو جائے گی؟ دیکھ میں مرتی ہوں نہ جیتی ہوں۔ سب کہتے ہیں کہ میری عمر کی عورتیں ہٹی کٹی گھوم پھر رہی ہیں' میں بستر پر پڑی ہوں۔ ان کو کیا پتا میں جینا نہیں چاہتی پر موت مجھے لے کر نہیں جاتی۔ پہلی دفعہ جب میں بے ہوش ہوئی تو کمزوری سے ہوئی تھی' کھانا پینا چھوڑ دیا تھا میں نے پر مجھے اچھا لگا بے ہوشی میں وہ یاد نہیں آتا نہ ضمیر کوڑے مارتا ہے پھر میں نے کھانا پینا ہی چھوڑ دیا میں بے ہوش رہنا چاہتی ہوں یا مرنا چاہتی ہوں پر تیس سال ہو گئے ہیں مجھے جیتے ہوئے۔"

ثانیہ ان کی بے ربط باتیں سن رہی تھی۔

"تو ایسا کچھ نہ کرنا کہ اللہ کو منہ نہ دکھا سکے۔ دیکھ میں نے تجھے سب کھل کر بتا دیا وہ سب جو آج تک کسی کو نہیں بتایا۔ اب تو اپنا دل صاف کر لے اور ان بدبختوں کی باتوں کو نہ سننا۔

جب وہ چلا گیا اس دنیا سے تو میری کہانی تبھی ختم ہو گئی تھی باقی تیس سال تو میں نے بس سانس لی ہے۔ ختم ہی نہیں ہو رہی ہیں۔ یہ سانسیں۔"

اس بوڑھے وجود سے اور بولا نہ گیا آج بہت بول لیا تھا ویسے بھی۔ ثانیہ کو ترس آیا ان پر وہ اپنی آنکھیں صاف کر رہی تھی پھر بولی۔ "آپ کی سانسیں اسی لیے قائم ہیں کہ مجھے راستہ دکھا سکیں۔" وہ بوڑھی آنکھیں پانی ہو گئیں۔

"جو راستہ میں خود نہ دیکھ سکی جھلی وہ کسی کو کیا دکھاؤں گی۔ میری کہانی تو اس کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی راستہ تو بعد میں نظر آیا پر اس پر چل کر جاتی کس کے پاس؟ منزل تو مٹ چکی تھی۔" وہ بے ربط بول رہی تھیں اور ثانیہ سنتی رہی۔ ابھی کچھ دیر اور ان کے پاس بیٹھنا چاہتی تھی۔ اسے لگا ان کی سانسیں اکھڑ رہی ہیں وہ کچھ پریشان سی اپنی جگہ سے اٹھی اسی لمحے بی بی عنایت اندر داخل ہوئیں۔

☆☆☆

"اپنے خاندان کے اکثر مرد اس زمانے میں بھی پڑھے لکھے تھے پر غلطی یہ ہوئی کہ عورتیں بالکل ان پڑھ تھیں۔ چاچا احسان سمجھ گیا کہ مسئلے کا حل تعلیم ہے جو ان کو شعور دے اور اس میں سب سے بڑی رکاوٹ پردے کا مسئلہ تھا عورتیں حویلی سے نکلنے کو تیار نہیں تھیں پردے میں باہر جایا جا سکتا تھا تعلیم حاصل کی جا سکتی تھی جو لوگ چاچا کی بات سمجھ گئے وہ

WaqarAzeem
Pakistanipoint

اپنی فیملی کو لے کر شفٹ ہو گئے تھے۔ دوسرے شہروں میں کچھ دوسرے ملکوں میں پر ان لوگوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا اور زیادہ لوگ یہیں رہے کچھ روزگار کا مسئلہ کچھ بہنوں کا مسئلہ کہ وہ کہیں جانے کو تیار نہیں پر اکیلے یہاں کیسے چھوڑتے۔" نور شاہ نے تفصیل سے زمان کو سمجھایا آج اس کے سامنے تصویر مکمل کی۔

"ہم م م م....." وہ ابھی تک شاک میں تھا اسے کچھ کچھ اندازہ تھا کہ اس کے خاندان کی عورتوں میں کچھ سوچیں نسل در نسل چلتی آ رہی ہیں پر ان کی شدت اتنی ہو گی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"اوہ خدایا....." اگر الماس بھی ایسی سوچ لے کر آئی تو۔" وہ لرز اٹھا۔

"نہیں ان کی والدہ نے کافی الگ تربیت کی ہے ان کی اور وہ لوگ تم لوگوں سے بھی پہلے شہر شفٹ ہو گئے تھے اور ان کی پھوپھیاں بھی یہاں گاؤں ہیں تمہاری پھوپھیوں کو طرح ہاہاہاہا۔" نور شاہ نے خود ہی مزہ لیا اپنی بات کا۔

"پھر کیا کریں بھا؟ وہ شہر جانے پر تیار نہیں اور حویلی محفوظ ہے ان کی مریدان کو سب کچھ لا دیتی ہیں باہر سے اور یہ بھی آپس میں لڑ بھڑ کر ٹائم پاس کر لیتی ہیں۔ ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں آج سب پوچھ لے۔" نور شاہ آج فراخ دل بنے ہوئے تھے۔

"آپ نے کیوں شادی نہیں کی آج تو بتا دیں کہ کوئی دل کا معاملہ تھا؟" زمان نے چوٹ کی۔

"ہاں تھا دل کا معاملہ میرا دل میرے چاچا سے لگا ہوا تھا جب ان کا انتقال ہوا تھا تو میں شادی کے لائق تھا ان کی بنجر زندگی کا گواہ بھی تھا۔ پہلے مجھے نوراں چاچی پسند تھی پھر مجھے اس سے نفرت ہو گئی اور ضد بھی کہ میں شادی اپنے خاندان میں ہی کروں گا پر چاچے کی طرح نہیں ایسی لڑکی ہو جو پڑھی لکھی ہو اور باشعور ہو۔ اور ایسی لڑکی میرے جوڑ کی نہیں ملی۔ اب جب تم اور منور شادی کرو گے خاندان میں تو میں بہت خوش ہوں گا اور میرے چاچا کی روح بھی۔"

"بڑی لمبی پلاننگ کی ہے پہلے ہم لوگوں کو تیار کیا کہ شہر جاؤ بہنوں کو پڑھاؤ پھر اب شادی کروا رہے ہیں۔"

"ہاں میری اتنی عمر کی کمائی یہ ہی ہے زمان اور اس کا فائدہ تمہاری آنے والی نسلوں کو ہو گا۔"

وہ بچہ پھر سے بھاگتا آیا۔

"یہ میرا بچپن ہے جیسے چاچا مجھ سے جاسوسی کرواتے تھے ویسے میں کرواتا ہوں۔" وہ ہنسے۔ "وہ بی بی نوراں کا انتقال ہو گیا چاچا۔"

"اوہ....." زمان ساکت ہوا۔

"شاید سہہ نہیں پائی وہ ایک اور نوراں کی تذلیل۔"

"لو آج یہ باب ختم ہوا۔" نور شاہ نے گہری سانس لی۔

☆☆☆

عورتوں کے بیچ چادر پر گٹھلیاں پڑی ہوئی تھیں اور زیادہ تر عورتیں سپارے پڑھنے کے بجائے آپس میں گفتگو کرنے میں دلچسپی رکھتی تھیں۔ بی بی نوراں کی زندگی پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد اب گاؤں کے حالات حاضرہ پر روشنی ڈالی جا رہی تھیں۔

ثانیہ خاموشی سے ایک کونے میں بیٹھی تھی اسے عجیب وحشت نے گھیرا ہوا تھا۔ بی بی نوراں بھی آخری آرام گاہ میں پہنچ چکی تھیں۔ جب وہ اس کے ہاتھوں میں دم دے رہی تھیں تو وہ روئے جا رہی تھی جب کہ بی بی عنایت، بی بی نوراں کو کلمہ پڑھانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں اور جب کلمہ پڑھ لیا تو بی بی عنایت یوں تھک کر بیٹھی جیسے جنگ ختم کی ہو۔ پھر اس کے بعد سے اب تک وہ کچھ نہ کچھ پڑھ کر بخش رہی تھیں گزرے تین دنوں میں انسیت ہو گئی تھی ان سے۔

انہوں نے سپارہ ختم کر کے رکھا تو ثانیہ نے اپنی الجھن مٹانے کی ٹھانی۔

"بی بی....."

"ہوں....." ہلکی سی ہوں کر کے وہ دیوار سے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔

''بی بی نوراں نے ۔۔۔ مجھے اپنی ساری کہانی سنائی تھی۔'' وہ سر جھٹک کر آہستہ سے بولی وہ سب سے دور ایک کونے میں بیٹھی تھیں۔

''ہاں میں ادھر آس پاس ہی تھی کچھ تو کہہ رہی تھیں میں سن تو نہیں سکی پر وہ سب کانوں میں پہنچ گیا تھا جو اس سے پہلے یہ سب بیبیاں تمہیں کہہ رہی تھیں۔''

ذلت کے احساس سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

بے سمجھ لوگوں کی باتوں کو دل پر نہیں لیتے پاگل۔''

''یہ اتنی بڑی عمر کی عورتوں کو آپ ناسمجھ کہہ رہی ہیں؟'' اس کی آواز میں آنسو گھل گئے۔

''سمجھ کا تعلق عمر سے اتنا ہی ہوتا ہے بس کہ جو دیکھا اس سے کچھ نہ کچھ سمجھ لیا اور ان سب نے ایک محدود دنیا دیکھی ہے اور چند لوگوں کو سنا ہے اور ان ہی چند لوگوں کی آنکھوں سے دنیا دیکھی ہے۔'' وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھیں۔

''آپ کی سوچ اتنی الگ کیسے ہوگئی۔'' ثانیہ ان کو بچپن سے جانتی تھیں۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والی تھیں۔ وہ اپنے دن اور رات کا زیادہ حصہ عبادت میں گزارتی تھیں اور باقی کا وقت اپنے گھر کے کاموں میں اور گھر والوں کے ساتھ گزارتی تھیں۔

''کتابوں نے سنوارا ہے مجھے۔ پانچویں تک تو گاؤں کے اسکول سے پڑھ لیا تھا۔ پھر اس کے بعد بھانے کچھ کتابیں لا کر دیں تو بس پھر ایسی عادت پڑی مطالعے کی کہ اب تو سکون نہیں آتا کچھ پڑھو نہ تو۔'' وہ مسکرائیں۔ ''یہ نور بھا کی پوری لائبریری میں نے پڑھ رکھی ہے۔ اور اس کے علاوہ وہ مجھے لائبریری سے کتابیں لا کر دیتے ہیں جو پڑھ کر واپس کرتی ہوں۔ سب مشہور رائٹرز کو پڑھ رکھا ہے مستنصر حسین کے سفرنامے پڑھ کر دنیا گھوم لی ہے اور اب تو بھانے مجھے ٹیبلیٹ میں کتابیں ڈھونڈنا اور پڑھنا سکھا دیا ہے اب اس عمر میں اور تو کوئی شوق نہیں پر اچھے۔ اسلامک لیکچرس لیتی ہوں کوئی کتابیں پڑھ لیتی ہوں پر مشکل ہوتی ہے استعمال کرنے میں۔'' ثانیہ حیران ہونے کے ساتھ مسکرا دی۔

''بڑی ترقی ہوگئی ہے۔''

''ہاں تو بس پڑھ کر پتا چلا کہ زندگی گزارنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں اگر ان پر نہ چلا جائے تو انسان خود ہی الجھ جاتا ہے سکون نہیں پاتا۔ مجھے پتا ہے کہ تمہاری منگنی ہونے پر یہ سب تمہیں پریشان کر رہی ہیں۔ پر تم کچھ غلط نہیں کر رہی ہو۔''

''آپ نے بھی تو شادی نہیں کی ہے اگر آپ کی سوچ ان سے الگ تھی تو آپ نے کیوں نہیں کی؟'' وہ اپنے دل کی بات زبان پر لے آئی۔

''ہاں اس ماحول میں ہو نہیں سکی اب دل عبادت میں لگتا ہے۔ اب خواہش نہیں ہے۔ پر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب میں کسی اور کو بھی نہ کرنے دوں زندگی گزارنے کے اصولوں میں بہت سے ہیں جیسے سچ بولو، کسی کا دل نہ دکھاؤ اور شادی ہر کسی کا انفرادی فیصلہ ہے آپ کو حق ہے کہ کر دیا نہیں۔ زیادہ بڑی بات ہے کہ آپ کسی اور کی زندگی خراب نہ کرو۔ ہمارے یہاں بڑا مسئلہ یہی ہوا کہ ایک نے نہیں کی تو دوسری کو بھی نہیں کرنے دی۔ کبھی سمجھا بجھا کر کبھی بہلا پھسلا کر کبھی تذلیل کر کے۔ ایسی ایسی تاویلیں گڑھیں کہ عقل ماننے سے انکار کر دے اور اس کے پیچھے کافی حد تک حسد کا جذبہ بھی تھا کیونکہ انسان کی فطرت میں چاہے جانے کی خواہش ہے وہ اس سے دامن بچا لے یہ ناممکن بات ہے۔ آسان سی بات ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کا فیصلہ کیا دوسروں کی زندگی کا نہ کرو ان کو خود کرنے دو۔ زندگی کے اصول جو ہمارے مذہب نے بتائے وہ یہی ہیں کہ دین اور دنیا کے ساتھ ساتھ چلو۔ میں ان سب کو بھی کہتی ہوں کہ دنیا سے نہیں چلنا تو پھر دین کی راہ چلو۔'' ثانیہ سنتی رہی ابھی بھی ایک بات دل میں تھی وہ سوچ میں تھی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کہ پوچھے کہ نہیں۔

"کیا ہوا کچھ پوچھنا ہے؟" وہ بھی جان گئیں۔

"جی..... وہ آپی — کہتی ہیں کہ حضرت رابعہ بصری نے بھی تو شادی نہیں کی تھی۔" وہ ہچکچا کر بولی۔

"ہاں بالکل نہیں کی تھی تو میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں کہ پھر دین کی راہ پر لگ جاؤ جیسے انہوں نے عشق الٰہی میں زندگی گزاری۔ پر یہاں تو نہ دین ہے نہ دنیا۔ کیسی بے مقصد سی زندگی ہے بورا دن ٹی وی دیکھ لینا (گاؤں میں اور کوئی ترقی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو کیبل، ٹی وی اور ڈش ضرور آ گئے ہیں) دوسروں کی غیبت کر لینا۔ لڑائی جھگڑا کر لینا۔ یہ کوئی زندگی ہے؟ اور ہمارے مذہب کی ایسی بھی مثالیں ہیں کہ جو عشق الٰہی میں بھی بہت بلند مقام پر تھیں اور گھر بھی بسائے تھے انہوں نے۔"

ثانیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ویسے تم تو یونیورسٹی میں پڑھی ہو وہاں تو کتابوں کا جہان آباد ہوتا ہے۔ انٹرنیٹ نے تمہاری انگلیوں کی پوروں پر سب معلومات رکھ دی ہیں اور تم یہ سب جان نہیں سکیں۔ اس کا مطلب ہے کہ تم نے وسائل کا استعمال ہی نہیں کیا تم نے جاننا ہی نہیں چاہا۔" وہ افسوس کر رہی تھیں۔

اس کا سر شرمندگی سے جھک گیا۔

"دانیہ نے مجھے بتایا تھا اس نے کافی کتابوں سے پڑھا ہے کہ....." وہ اپنی خفت مٹانے کے لیے بولی۔

"تم نے خود کتنی ریسرچ کی اس پر؟" انہوں نے بات کاٹ دی۔

"ٹھیک کہا آپ نے وسائل میری دسترس میں تھے میں نے ناول پڑھ لیے ڈرامے دیکھ لیے پر جو معلوم کرنا تھا اس کے لیے سوچتی رہی کہ مفتی سے فتویٰ لوں۔" اس نے خود پر ہی طنز کیا۔

"شیطان سارے وسائل استعمال کرتا ہے ہمیں راہ سے ہٹانے کے اس نے یہ کہا اس نے وہ کہا اور ہم سنی سنائی باتوں پر ایمان رکھ کے چلتے جا رہے ہیں چاہے صحیح ہوں یا غلط بس ریسرچ نہیں کریں گے۔" وہ اسے شرمندہ دیکھ کر چپ ہوئیں پھر گہری سانس لے کر بولیں۔

"عجیب بات نہیں ہے کہ تم یونیورسٹی سے ماسٹرز کر کے مجھ سے بات کر کے اپنی ذہنی کشمکش سلجھا رہی ہو۔ میں نے تو اسی حویلی میں زندگی گزار دی ہے۔ تم چاہتیں تو وہیں یہ گتھیاں سلجھا لیتیں۔ بس ضرورت اس بات کی تھی کہ تم چاہتیں۔"

وہ مزید شرمندہ ہوئی۔

"تمہیں اور کچھ پوچھنا ہے؟ میں نماز پڑھ لوں۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا وہ از حد شرمندہ تھی دانیہ ٹھیک ہی کہتی ہے تف ہے میرے پڑھے لکھے ہونے پر۔

☆☆☆

زمان نے اپنی ٹیبل پر زری کا استعفیٰ دیکھا تو لب بھینچ لیے۔ انٹرکام اٹھا کر اس کا نمبر ملایا۔

زری نے ریسیور اٹھایا تو اسے اپنے روم میں آنے کا کہا۔ وہ مارے باندھے گلاس ڈور کھول کر اندر آئی۔

"تم نے استعفیٰ کیوں دیا ہے تمہیں شوق تھا نا جاب کرنے کا۔" زمان نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔

"تھا تو اور بھی بہت کچھ پر اب نہیں ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ طنزیہ بول گئی۔

زمان نے سانس بھر کے سر کو جھٹکا۔

"دیکھو ہم اس سب پر بحث نہیں کریں گے۔ ورنہ زندگی مشکل ہو جائے گی۔ تمہیں کیریئر ویمن بننا تھا پھر یہ استعفیٰ کیوں؟ کیا تمہارا منگیتر نہیں چاہتا ایسا؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ "میں نے آپ کی بات مان لی۔ اپنے دل کو راضی بھی کر لیا پر روز روز آپ کو دیکھ کر——

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

میرا دل مطمئن نہیں ہوگا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

اس کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے اس نے خود کو پتھر کرلیا تھا پھر بھی نظروں کی چوری ہو ہی جاتی تھی اچھا ہے وہ نظروں کے سامنے ہو ہی نہ۔

وہ سر جھکائے بیٹھی تھی اسے اس پر ترس آیا۔

"او کے جاؤ۔"

پھر اس نے اپنے سارے کانٹیکٹ استعمال کیے اور کچھ دنوں میں ایک پرائیویٹ بینک میں زری کے لیے جاب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ واحد خوشی تھی جو وہ اسے دینا چاہتا تھا۔

"یہ تمہارا اپائنٹمنٹ لیٹر ہے۔" اس نے زری کو کال کرکے بلایا تھا۔ "یہ بینک تمہاری سسرال کے پاس بھی ہے۔"

وہ واقعی خوش ہوئی تھی اور وہ اداس ہوا تھا۔ اب وہ اس چہرے کو دیکھ بھی نہیں سکے گا۔ دماغ صحیح فیصلے کرتا ہے پر دل کے اپنے رونے بھی تو ہوتے ہیں۔

وہ لیٹر کھول کر پڑھنے لگی اور وہ اس کے چہرے کو ازبر کرنے لگا۔ بس آخری دفعہ.....

"او کے، پھر میں کل سے وہاں جوائن کرلوں گی جو بھی فارملیٹیز ہیں۔ وہ آج پوری کرلیں، میں واپس نہیں آنا چاہتی یہاں۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"شیور! جمیل صاحب کے پاس چلی جاؤ۔ وہ سب کام کردیں گے۔" زمان نے اسے جیسے اجازت دی۔

وہ گلاس ڈور کھول کر جانے لگی پھر پلٹ کر اس کی میز تک آئی۔

"زمان!" شاید وہ آخری دفعہ اس کے منہ سے اپنا نام سن رہا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں اپنے رب کی رضا میں راضی ہوگئی۔ اپنے والدین کی رضا میں اور آپ کی رضا میں۔"

اس دفعہ زمان کی آنکھوں میں دھند بھرنے لگی۔ اس نے آنکھیں جھپکیں، وہ اس کے چہرے کو دیکھنا چاہتا تھا۔ جب تک وہ وہاں کھڑی تھی تب تک.....

"میرا دل کچھ کچھ سکون پانے لگا ہے۔ میں نے اپنا دل آپ کی طرف سے صاف کرلیا ہے، خدا آپ کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ میں دعا کروں گی، اللہ حافظ۔"

وہ چلی گئی اور جاتے جاتے اس کے ضمیر کو ہلکا کرگئی اور وہ اللہ حافظ بھی نہ بول سکا۔ جب تک وہ اپنے کاغذات مکمل کرتی رہی، وہ اسے گلاس وال سے دیکھتا رہا اور اس کے جانے کے بعد وہ اٹھ کر گھر آ گیا۔ آج پھر اسے اپنے کمرے میں غم منانا تھا۔

☆☆☆

جنوری کی وہ یخ رات تھی۔ سرسر چلتی ہوا اس رات کو مزید سرد بنا رہی تھی۔ جب سب لڑکے اور مرد جیکٹ سویٹر، مفلر پہن کر گھوم رہے تھے تب سب لڑکیاں اپنے جھلمل کرتے لباس پہن کر ادھر ادھر اٹھلا رہی تھیں۔ سویٹر پہن لیا تو کپڑوں کی شو خراب نہیں ہوجائے گی۔

پری نے بلال کو گانا بدلنے کو کہا اور وہ چھوٹا اس سے کافی لمبا تھا اور اپنی بہن کو دیکھ کر اسے سردی لگ رہی تھی۔

"کوئی سویٹر پہن لو۔ اس فیشن کے پیچھے تم میں سے کسی کو کچھ ہوگیا تو میں ڈاکٹر کے پاس نہیں لے کر جاؤں گا، سو کام پڑے ہیں میرے۔"

پیچھے کھڑا لڑکیوں کا ٹولہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"کچھ نہیں ہوتا، اب زری کی مہندی کی رسم کرنے لگے ہیں۔ تصویریں بنالیں پھر پہن لیں گے۔ تم جاؤ، گانا لگاؤ۔"

وہ واپس زری کے پاس آئی جو پھولوں سے سجے صوفے پر بیٹھی تھی، اس کے چہرے پر پیلا گھونگھٹ تھا۔ اس کی ہونے والی ساس اسے مہندی لگانے لگیں۔

احسن گانا بدل چکا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

جانے کیوں لگتا ہے یوں
کوئی ہے میرے روبرو

وہ جتنا اپنے دل کو قابو کرتی تھی، وہ یاد آ ہی جاتا تھا۔

دیکھوں جہاں نظر نہ آئے
تو ہے کہاں کوئی بتائے

اس کی آنکھوں سے آنسو اس کے حنائی ہاتھ پر گرنے لگے۔

کیسا دل پہ وار کیا رے
چھینا مجھ سے مورا جیا رے
جیتے جیتے مار دیا رے

اس نے آنکھیں میچ لیں، پتا نہیں کس نے اسے روتے دیکھا۔

''اے لو، دلہن رو رہی ہے۔''

''ارے لڑکیاں ایسے ہی روتی ہیں، سب اپنی شادی پر۔'' کسی نے لقمہ دیا۔

''آج کل ذرا کم ہی روتی ہیں۔'' کوئی اور بولا۔ پری نے لب بھینچ کر ڈیک کا بٹن ہی آف کر دیا۔

پھر زری کو پانی پلایا اور پھر پری نے ڈھولکی بجانی شروع کی۔ وہ زری کا دل بہلانا چاہتی تھی۔ سب ڈھولکی پر لڑکیاں گانے گانے لگیں۔

کیا وہ بھی مجھے یاد کرتا ہوگا، آج کے بعد میں اس کے لیے نہیں روؤں گی۔ اس نے صحیح کہا تھا، دل کو راضی کر لو، سکون خود بخود آ جائے گا۔ اس نے آنسو پونچھ لیے، اسے کل نئی زندگی شروع کرنی تھی۔ پوری ایمان داری کے ساتھ اسے اپنے دل کو آباد کرنا تھا۔

☆☆☆

ان ہی سرد دنوں میں سے ایک دن ثانیہ بھی دلہن بن کر بیٹھی تھی۔ اس کے دل کی دنیا آباد ہونے جا رہی تھی پر وہ بہت مضطرب تھی۔ نوراں بی بی نے اس کا فیصلہ تو آسان کر دیا تھا پر وہ اپنی بے وقوفی پر بہت پچھتاتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا جب اس نے زمان کی بہت منتیں کیں کہ وہ الماس سے رشتہ توڑ کر زری سے شادی کر لے۔

''تم اب یہ نئی پخ مت ڈالو۔ میں رشتہ توڑ دوں اور بدلے میں وہ تمہارا اور منور کا رشتہ توڑ دیں۔ یہی چاہتی ہو نا؟'' زمان چلا اٹھا تھا۔

''نہیں بھائی! خدا کی قسم نہیں، پہلے میں ان کی باتوں میں آ گئی تھی۔ میں آپ کی خوشی چاہتی ہوں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ زری کو چھوڑ کر الماس سے شادی کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔'' وہ رو پڑی۔

''جان مانگتیں تم لوگ تو وہ بھی دے دیتا میں پر تم لوگوں کو پھوپھیوں جیسی زندگی گزارنے نہ دیتا۔ یہ تو بہت چھوٹی شرط تھی۔'' وہ دھیما پڑ گیا۔ ''ان پھوپھیوں نے بھی تو ایسے رشتے توڑے تھے، ادلے بدلے۔ پھوپھی نے انکار کر دیا تو بابا کی منگیتر نے بھی انکار کر دیا۔ اس طرح کتنے ہی رشتے توڑے ہیں ہمارے بڑوں نے۔'' زمان اسے سمجھانے لگا۔

''تم میری خوشی چاہتی ہو تو ایسا کچھ مت کرنا اور ویسے بھی اب وہ کہیں اور انگیج ہو چکی ہے۔ اب میں اس موضوع پر اور بات نہیں کرنا چاہتا۔'' اس نے بات ختم کی اور چلا گیا اور رکتا تو کمزور پڑ جاتا۔ وہ وہیں بیٹھی رہ گئی۔ یہ کیا کر دیا۔ میں نے بھائی سے اس کی خوشی ہی چھین لی، وہ جتنا نادم ہوتی کم تھا۔

اس نے گہری سانس لی۔ آج اسے منور کے سنگ رخصت ہونا تھا اور کل الماس کو اس کی بھابھی بننا تھا۔ اس نے دل کی گہرائی سے اپنے بھائی کی خوشیوں کے لیے دعا کی۔

روحی اور سائرہ نے مکمل بائیکاٹ کیا تھا اس کی شادی کا لیکن دانیہ ہانیہ بہت خوش تھیں اور شادی کی تیاریوں میں مگن تھیں۔ کتنے رشتہ داروں نے ان دونوں کے لیے اشاروں کنایوں میں فوزیہ سے بات کی اور پہلی دفعہ انہوں نے مثبت جواب دیے۔

☆☆☆

ایک ٹھنڈی مگر خوش گوار رات تھی۔ بہار کی آمد

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آمد تھی۔ ابھی راتیں ٹھنڈی ہی تھیں۔ زمان اوطاق میں رکھی چارپائی پر نیم دراز چاند کو دیکھ رہا تھا دل میں ایک کسک اٹھی تھی۔ خدا کرے وہ جہاں ہو، خوش ہو آباد ہو۔ اس نے الماس کو خوش رکھا تھا۔ کچھ وقت تو لگا مگر اس نے خود کو بہت طریقے سے سنبھالا تھا۔ الماس بہت اچھی بیوی ثابت ہوئی تھی۔ شاید تحفہ تھی اس کے لیے اوپر والے کا کہ چاہنے والی بیوی ملی تھی۔ اسے ثابت کرنا تھا کہ اس حویلی کی لڑکیاں بھی خوش حال شادی شدہ زندگی گزار سکتی ہیں۔ ثانیہ ان دونوں کو خوش دیکھتی تو اس کا ملال کم ہو جاتا۔ فوزیہ اور اخلاق شاہ بھی مطمئن تھے اور آج کل میں دانیہ اور ہانیہ کی بات پکی کرنے والے تھے۔ سب ٹھیک تھا، بس کبھی کبھی دل میں جو کسک ہونے لگتی تھی تو وہ اکیلا بیٹھ جاتا تھا۔ دل کے دکھ سن لیتا تھا۔ وقت کے ساتھ یہ دکھ بھی ختم ہو جانے تھے۔

اوطاق کے کھلے دروازے سے نور شاہ داخل ہوئے۔ انہوں نے زمان کا چہرہ جیسے پڑھ لیا۔

''کیا کر رہے ہو؟ ٹھنڈ ہے یہاں؟''

''نہیں بس یوں ہی.....'' زمان نے سر جھٹکا۔

''یوں ہی دل اداس ہے۔''

''بات تو کرنی نہیں، بس دل اداس ہے.....''

وہ گنگنائے تو زمان مسکرا دیا۔

''کبھی کبھی میں بھی اداس ہو جاتا ہوں۔ اکیلا ہوتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ میری شادی وقت پر ہوتی ہوتی تو آج پوتے بھی ہوتے۔''

زمان کچھ بول نہ سکا۔ ان کے بڑھاپے کی جھلک دکھلاتے چہرے کو دیکھا جس پر اکثر مسکراہٹ ہوتی تھی۔

''پر اب تمہارے بچے دیکھتا ہوں نا تو خوش ہوتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے چاچا بہت خوش ہوگا اوپر۔''

اس بات پر زمان مسکرا دیا۔ تصور میں اس کا چند ماہ کا بیٹا چلا آیا اور اسے لگتا تھا کہ اس ننھے شہزادے میں اس کی جان ہے اور باقی سب محبتیں ثانوی حیثیت اختیار کر گئی ہیں۔

''چل یار! چائے تو پلا، سردی بہت ہے۔''

انہوں نے زمان کو اٹھانا چاہا، اکیلا رہتا تو اداس ہو جاتا۔

''کیا ہے بھا! سکون سے بیٹھا تھا میں۔'' اس نے منہ بنایا۔

''چل نا، بڈھے سے نہیں بنتی اچھی، تو بنا دودھ رکھا ہے اندر۔'' انہوں نے زمان کو اندر کمرے کی طرف بھیجا اور خود چارپائی پر نیم دراز ہو کر چاند کو دیکھنے لگے۔

زمان جو دوسروں کے لیے اپنی خوشی قربان کر دیتے ہیں، ان کے دل کو وہ اوپر والا سکون دیتا ہے۔ انہوں نے دل میں سوچا۔

اور چاند نے انہیں دیکھا۔ وہ اکیلے تھے، سکون تھا ان کے آس پاس۔ وہی چاند اس وقت زری کو بھی دیکھ سکتا تھا، جو اپنے والدین کے گھر آئی ہوئی تھی۔ صحن میں محفل جمی تھی، ہنسی مذاق چل رہا تھا۔ زری کچن میں چلی آئی جہاں پری کپوں میں چائے ڈال رہی تھی۔

''تم رشتے سے خوش ہونا۔'' اس نے پری سے اس کی تازہ تازہ ہوئی منگنی کے بارے میں پوچھا۔

''سو فیصد۔ ابو کا فیصلہ غلط تھوڑی ہوگا۔'' پری مگن سی بولی۔ ''اور تم نے بھی دل لگا لیا نا۔ اپنے گھر اور گھر والے سے۔'' پری نے اسے چھیڑا۔

''ہاں وقار بہت اچھے ہیں اور امی ابو کو خوش دیکھتی ہوں تو دل کو سکون ملتا ہے۔'' وہ مڑ کر کھڑکی سے امی ابو کو دیکھنے لگی جو وقار کی کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ ''اور کسی نے مجھے کہا تھا کہ دل کا سکون دل کے آباد ہونے کا دوسرا نام ہے۔''

پری جانتی تھی کہ یہ کسی کون ہے۔

''ہاں ٹھیک کہا بالکل۔'' وہ دونوں چائے لے کر باہر نکلیں اور چاند نے سکون سے بادلوں میں جا کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

عمارہ جہاں

# مشکلیں مجھ پر

دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا اور اگلے لمحے کوئی چیز دھپ سے میری کمر پہ آ لگی۔ اگلے سیکنڈ سے پیشتر میں نے آنکھیں کھولیں۔ اماں دروازے میں کھڑی شعلہ بار نظروں سے مجھے گھور رہی تھیں۔

''اماں! میں ابھی اٹھنے والا تھا۔'' میں نے ان کے ہاتھ میں دنیا کا خطرناک ترین ہتھیار یعنی ان کی چپل دیکھ کر پہلے ہی امن کا جھنڈا لہرانے کی کوشش کی لیکن ہمیشہ کی طرح دوسری بار بھی اماں اپنا نشانہ پکا

کرنا چاہتی تھیں۔ دھپ سے دوسرا جوتا آ کر میرے کندھے پر بوسہ دیتے ہوئے بستر پر جا گرا۔

''اماں!'' میں نے احتجاجاً خود کو تھوڑا جذباتی کرنے کی کوشش کی۔

''میرے حصے میں کیسی منحوس اولاد آئی ہے۔ ایک وہ سعدی یوسف تھا، کیسے صبح کی نماز مسجد میں پڑھنے جاتا تھا کتنا پیارا بچہ تھا۔'' اماں کا لہجہ ایک دم شیریں ہوا۔

''آپ سمجھیں، میں سالار سکندر ہوں۔'' میں نے بے نیازی سے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ اگلے لمحے ہینگر میری ناک سے گلے ملنے کے بعد میری گود میں تھا۔

''اف یہ ہماری ناولٹی اماں!''

☆☆☆

''شفا! ناشتہ لے آؤ۔'' جالی لگے برآمدے میں رکھے واحد تخت پر بیٹھ کر میں نے کچن کی طرف ہانک لگائی۔ آملیٹ، گرم گرم پراٹھا چائے کی خوشبو نے بے چین کر دیا تھا۔

''بھئی واہ! تم تو ناولز کی ہیروئن کی طرح سگھڑ بن گئی ہو۔'' میں نے اسے شرارت سے دیکھا۔

وہ خشمگیں نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

''اماں اور بابا نے ناشتہ کر لیا؟''

''بھائی! بارہ بج رہے ہیں..... اب تو دوپہر کے کھانے کی تیاری ہو رہی ہے۔'' اس نے مجھے گھورا۔

''اماں کہاں گئی ہیں؟''

''وہ اس مہینے کا ڈائجسٹ آ گیا ہے نا تو وہی پڑھ رہی ہیں۔''

''آئے ہائے دیکھو تو.....'' اماں تاسف سے کہتی ہوئی باہر آئیں۔

''کیا ہوا اماں؟'' میں پریشان ہوا۔ ''سب ٹھیک ہے؟''

''کچھ بھی ٹھیک نہیں۔'' پریشانی ان کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ ابا کہاں ہیں؟'' میں بوکھلایا۔

''تالیہ پیچھے رہ گئی بے چاری، وہ دونوں آگے نکل گئے۔ اتنا وقت گزر گیا۔'' وہ بولتے بولتے رنجیدہ ہوئیں۔

''اماں! فاتح اس کو پہچان جائیں گے، آپ فکر نہ کریں۔''

شفا کی آواز آئی۔ میں دبے قدموں باہر نکل آیا۔

☆☆☆

ابا بتاتے ہیں کہ وہ روز شام کو لائبریری جاتے تھے تو وہاں روز ایک لڑکی عینک لگائے کتابوں میں سر دیے نظر آتی۔ ہر اتوار کو ان کا ایک چکر کتابوں کی دکان پر لگتا تھا اور عینک والی لڑکی وہاں سے کرائے پر ناولز لینے کے لیے لمبی بحث کر رہی ہوتی۔ ایک دن انہیں اس دکان میں کتابوں کے درمیان وہی لڑکی زمین پر بیٹھی نظر آئی۔ وہ زمین پر بیٹھی کتابوں کو ترتیب سے سے اپنے کپڑے سے بنے بڑے سے بیگ میں ٹھونس رہی تھی۔ ابا نے بھی اس کی کتابوں کو بیگ میں ٹھونسنے میں اس کی مدد کی اور پھر دونوں کی شادی ہو گئی۔

شادی سے پہلے ابا نے اپنی کتابوں کی دکان کھول لی جو پھیلتے پھیلتے دو منزلہ بک سٹور بن گئی۔

شادی کے بعد ابا کے گھر میں ریک پر کتابوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ اماں اپنے تمام ڈائجسٹ اور ناولز جہیز میں لے کر آئی تھیں۔ ابا اور اماں دونوں نے گھر کے ایک کمرے کو لائبریری کی شکل دے دی۔ جب میں پیدا ہوا تو میرا نام بابا نے مستنصر رکھا۔ ابا بتاتے ہیں کہ ان دنوں مستنصر حسین تارڑ گلگت کے کسی پہاڑ پر اپنا کیمپ لگائے کسی پتھر پر بیٹھے دھڑا دھڑ صفحے سیاہ کر رہے تھے۔ اتنے ادبی نام کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ میں بڑا ہو کر کتاب کیا لکھتا الٹا میں بچپن میں ''میرا اسکول'' پر مضمون اپنے دوست سے دو روپوں کا لالچ دے کر لکھوا لیا کرتا تھا۔ میرے بعد جب میری بہن پیدا ہوئی تو اماں نے اس کا نام رضیہ بٹ کے نام پر رضیہ رکھا لیکن اللہ جنت عطا کرے میری دادی کو جنہوں نے اماں کے ساتھ ایک لمبی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

جنگ کرنے کے بعد بچی کا نام شفا رکھ دیا۔

یہاں تک تو سب ٹھیک تھا لیکن جیسے جیسے میں بڑا ہوتا گیا اپنے گھر میں دی جانے والی ناولٹی مثالوں اور ان کے کرداروں کی تعریفوں پر زچ ہو گیا۔ اماں کے بہت بار مجبور کرنے کے باوجود بھی میں کوئی ناول تو نہیں پڑھ سکا لیکن ہر ناول کی کہانی شفا مجھے حرف بہ حرف سنایا کرتی تھی۔ شفا بھی اماں کی طرح ڈائجسٹ اور ناولز کی دیوانی نکلی اور اس پورے خاندان میں واحد مستنصر یعنی میں تھا جسے اردو کا الف بھی چھو کر نہیں گزرا تھا۔

مجھے یاد ہے۔ اس دن میرا دوست عبید جب میرے گھر آیا تو اماں نے اسے باتوں باتوں میں بتایا۔

''مستنصر تو کسی کام کا نہیں..... ہاتھ پاؤں چلانا گناہ سمجھتا ہے، اس کی بہن کچھ بنا کر دے گی تو کھائے گا ورنہ یوں ہی بھوکا رہے گا۔ جہان نے اپنے ماموں کو پاستہ بنا کر کھلایا تھا، جھٹ پٹ۔ اتنا سگھڑ بچہ ہے۔'' اماں کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔

میں بھنایا۔

''جہان کون ہے آنٹی؟'' عبید نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''جہاں تک میں جانتا ہوں مستنصر کا کوئی کزن اتنا سگھڑ نہیں۔''

''سبین کا بیٹا ہے۔'' اماں نے پلیٹ اس کے آگے کی۔

''تم لو نا بیٹا یہ۔ تمہاری امی ٹھیک ہیں؟''

''جی آنٹی، بالکل ٹھیک ہیں۔''

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ پوری توجہ سے اماں کو سن رہا تھا۔

''بس ایک ہی بیٹا ہے سبین آنٹی کا؟''

میرا دل چاہا اٹھ کر اس کا سر پھاڑ دوں۔

''ہاہ! بے چاری کی قسمت، شوہر بھی اچھا نہ ملا۔ پردیس میں رلتے زندگی گزار دی اس بے چاری نے۔'' اماں کی آواز حد درجہ رنجیدہ ہو گئی۔

''شوہر کو کیا ہوا تھا آنٹی؟'' وہ آگے جھک کر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

چلمن

نادرہ خاتون
قیمت -/300 روپے

دل ایک گلشن

رضیہ جمیل
قیمت -/300 روپے

دستِ کوزہ گر

فوزیہ یاسمین
قیمت -/750 روپے

بدلی

نسیم سحر قریشی
قیمت -/400 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

استفسار کرنے لگا۔

''بس بیٹا فوج میں تھا، غدار نکلا۔''

''غدار؟''

وہ اچھلا اور نظروں ہی نظروں میں مجھے ایک غدار سے رشتہ داری رکھنے پر ملامت کرنے لگا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس کا نہیں تو کم از کم اپنا ہی سر دیوار پر دے ماروں۔

''چھوڑو بیٹا! یہ سب، تم سناؤ اس کی طرح فالتو ہو یا کچھ کام کاج بھی کرتے ہو؟''

اماں آج مورچے پر کھڑی دشمن کی چوکی تباہ کرنے کو بالکل تیار نظر آ رہی تھیں۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے چلنے کا اشارہ کیا، جسے وہ صاف نظر انداز کر گیا۔

''آنٹی! سی ایس ایس کی تیاری کر رہا ہوں، ان شاء اللہ ہو جائے گا، آپ دعا کریں۔'' وہ سعادت مندی کے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ رہا تھا۔

''ماشاءاللہ! عمر بھی سی ایس ایس افسر تھا۔'' اماں نے آہ بھری۔

''تھا کیا مطلب آنٹی؟'' وہ چونکا ہوا۔

''اس کو قتل کر دیا گیا تھا۔'' اماں کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

''کیوں؟'' وہ افسردگی سے بولا۔

''علیزہ نے اس کو بددعا دی تھی، اس لیے۔'' میں جلدی سے بولا۔

''چلو، تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دوں۔'' میں نے انتہائی بدلحاظی سے کہا۔

''تمہیں کیسے پتا علیزہ کا؟'' وہ مشکوک نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔

''آئے ہائے۔ اللہ نہ کرے، وہ تو اتنی صابر بچی ہے۔'' اماں دہل کر بولیں۔

''ہمیں ایک کام ہے، اماں ہم جا رہے ہیں۔'' میں نے عبید کی طرف دیکھا۔

''تم جاؤ، آنٹی مجھے علیزہ کے بارے میں بتا رہی ہیں۔'' اس نے آنکھیں صاف ماتھے پر رکھ لی تھیں۔

اماں اسے اپنی کوئی گمشدہ سہیلی سمجھ کر سارے کرداروں کے دکھ درد بیان کرنے کو بے تاب تھیں اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ ہاشم کا ردار بن جاؤں۔

''اس کو چھوڑو۔'' اماں نے ہاتھ ہلایا۔

''جوادی اور شبلی کی طرح فالتو ہے، کبھی ہر وقت باہر سڑکوں پر آوارہ پھرتا ہے۔''

میں نے دانت پیسے۔

''آنٹی آپ علیزہ کا بتائیں۔'' عبید اشتیاق سے آگے ہوا۔

''بتانے کو تو بہت کچھ ہے بیٹا۔ اس بیچاری بچی کے ساتھ بہت برا ہوا، نہ باپ اس کا رہا نہ ماں، بچی سیدھی سادھی سی تھی، زمر کی طرح ہوتی تو سب کو دن میں تارے دکھاتی۔''

''زمر کون ہے آنٹی؟'' عبید اتنی دوشیزاؤں کے نام سن کر حیران سا منہ کھولے بیٹھا تھا۔

میں نے سر پیٹا۔

''بیٹا! پھوپھو بولا کرو۔ وہ سب کی پھوپھو ہے، رشتے میں مامی بھی لگتی ہے۔''

''میری مامی؟''

وہ کبھی اماں اور کبھی مجھے دیکھ رہا تھا۔

''چل باہر نکل، علیزہ کی تصویر دکھاتا ہوں۔''

میں نے اس کی گردن کے گرد اپنا بازو کسا۔ وہ کراہا۔

''کیا کر رہے ہو؟''

گیٹ کے پاس پہنچ کر میں رکا۔

''بات تو کرنے دیتے آنٹی سے، ویسے تم نے کبھی اپنے ان سارے رشتہ داروں کے متعلق مجھے بتایا بھی نہیں، کم از کم اپنے اس غدار انکل کے متعلق ہی بتا دیتے۔''

''بکواس بند کرو۔'' میں نے دروازہ کھولا۔

''کیا؟''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"دفع ہو جاؤ۔" میں نے اشارہ کیا۔

عبید کو بعد میں ساری کہانی پتا چل گئی تھی جس کے بعد وہ ہر جگہ مجھے شبلی کہہ کر چھیڑا کرتا تھا۔ میں جب گھر سے باہر مستنصر سے شبلی مشہور ہو گیا تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، اس دن میں گھر آ کر بولا۔

"اب یا تو اس گھر میں یہ ڈائجسٹ اور ناولز رہیں گے یا میں۔"

"مستنصر دہی لانے کے لیے جو پیسے دیے تھے، وہ مجھے واپس کر کے جانا۔"

اماں نے ڈائجسٹ کو چہرے کے سامنے سے ہٹاتے ہوئے مجھے دیکھا اور پھر ڈائجسٹ میں گم ہو گئیں۔ میرا دل چاہا ناولز کی ہیروئن کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دوں۔

"ابا! میں جا رہا ہوں گھر چھوڑ کر۔" میں نے ابا کو آخری امید سمجھتے ہوئے ان کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"کائنات میں گھر سے باہر بھٹکنے والے رل جاتے ہیں، یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ پتھروں سے بنی چار دیواری میں اس کے قلب کو سکون ملتا ہے۔"

ابا سنجیدہ ادب پڑھنے والوں میں سے تھے، انتہائی فلسفیانہ لہجے میں بولے۔ کچن کے دروازے کے پاس کھڑی شفا کے مسکراتے چہرے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

☆☆☆

میری شادی کی تیاری عروج پر تھی۔ مجھے اپنی شادی سے زیادہ اس بات کی خوشی تھی کہ فارس ماموں کی طرح اپنا گیم میں نے بہت اچھے طریقے سے سب سے چھپایا ہوا تھا۔ یہ بات کنفرم تھی کہ شیما (میری ہونے والی بیوی) کو کتابوں سے کوئی شغف نہ تھا۔ میٹرک میں چار بار فیل ہونے کے بعد اس نے کتابوں کو طاق پہ رکھ دیا تھا۔ جب مجھے یہ سب پتا چلا تو مجھے کمینی سی خوشی ہوئی۔ اب اس گھر کی روایت بدلے گی، جب میری بیوی آئے گی۔ میں پرعزم تھا۔ اماں اور ابا کو جب یہ بات پتا چلی تو دونوں سرے سے ہی انکاری ہو گئے لیکن میں نے بھوک ہڑتال کر کے خود کو کمرے میں بند کیا۔ شفا نے ان دونوں کو میرے سامنے امرحہ اور عالیان کی مثال دے کر سمجھایا کہ یوں کسی کے رشتے میں روڑے اٹکانا کوئی اچھے کرداروں والی بات نہیں۔

"پھر آپ لوگ یہ بھی تو دیکھیے، بھابی امامہ کی طرح کتنی پیاری ہیں۔"

اماں رضامند ہو گئیں۔ میں تو ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ میں نے سوچ رکھا تھا، میں شادی کے بعد ان ناولٹی کہاوتوں پر سب کے سامنے خوب ہنسا کروں گا اور میری بیوی میرا ساتھ دے گی۔

خوابوں کا محل ابھی تیسری منزل تک تعمیر ہوا تھا کہ شادی کے دن دلہن کو میرے ساتھ بٹھا کر سلامی دیتے وقت اماں نے مجھے ساسوں والی نظروں سے دیکھتے ہوئے محل کو بڑے پیار سے زمین بوس کر دیا۔

"بیٹا! یہ لو تمہاری سلامی۔" امو نے ایک بھاری بھرکم کتاب شیما کی گود میں رکھ دی، جس کے سرورق پر "محبت خواب سفر" لکھا ہوا تھا۔

"ہائے اللہ آنٹی!" دلہن ایک دم خوشی سے چیخی۔

"تھینک یو سو مچ! محبت خواب سفر کی آخری قسط کی وجہ سے میں میٹرک کے امتحانوں میں اس بار بھی رہ گئی تھی۔"

"بیٹا! میں نے تو آپ کو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ کا پسندیدہ ناول آپ کو سلامی میں دوں گی۔" اماں پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں اور میں سمجھ گیا تھا کہ مجھے نوشیرواں بنایا گیا ہے۔

☆☆☆

نوٹ: تحریر کو مزاح کے لیے لکھا گیا ہے، کسی بھی رائٹر کی دل آزاری کے لیے نہیں۔

☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

فرح بخاری

# وہ نازنین

عبدالواسع کوئٹہ میں وکالت کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اپنے باغ کے حصول نے واسع کو وکالت کی طرف مائل کیا ہے۔ واسع کی بہن رباب پھوپھی زاد نصیر سے محبت کرتی ہے، لیکن گلشن پھپھو دونوں کی شادی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ان کے ہاں بنا وٹے سٹے کے شادیاں نہیں کی جاتی تھیں۔ سیف اور نغمہ کی شادی کو چھ برس بیت چکے ہیں لیکن ان کی کبھی ایک دوسرے سے نہیں بنی۔ پشمینہ سیف کی بہن ہے، وہ رئیس کی بچپن کی منگ تھی لیکن چھ برس پہلے ایک واقعے نے ان کے راستے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیے تھے۔ نازنین کوئٹہ شہر میں اپنے بابا کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کے بابا کسی بیوہ عورت سے چوری چھپے شادی کر چکے ہیں اور اس کا رشتہ اپنے ایک رنڈوے دوست کے ساتھ طے کر دیتے ہیں۔ نازنین عین نکاح کے وقت شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ دلہا والے دلہن کو زبردستی اٹھا لے جاتے ہیں۔

ادھر واسع کوئٹہ سے گھر واپس جا رہا ہے۔ بس میں ایک مسافر لڑکی تمام راستہ روتی ہوئی ملی، واسع کو شبہ گزرا کہ اس کی ساتھی عورت اسے اغوا کر کے لے جا رہی ہے لیکن وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر پایا۔

اگلے روز اسے اپنے کمرے میں اچانک سامنے پا کر واسع کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ معلوم ہوا وہ لڑکی اس کے چچازاد سیف اللہ کی سالی نازنین ہے اور اب یہیں رہنے والی ہے۔ نازنین کو اس کی بہن نغمہ نے مصیبت سے نکالا تھا۔ اب آگے پڑھیے۔

## نویں قسط

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

رباب کاموں وغیرہ سے فارغ ہو کر ابھی کچھ دیر پہلے اپنے کمرے میں آئی تھی اور تھک کر بستر پر بیٹھی ہی تھی کہ موبائل پر ذکاء کی کال آ گئی۔ اول تو ذکی کا نام دیکھتے ہی دل زوروں سے دھڑکنے لگا تھا۔ گھبراہٹ میں بے ساختہ اس نے تھوک نگلا۔

باغ کی واپسی کے بعد تو اُن لوگوں کے غصے اور نفرت کے متعلق سوچنا بھی رباب کے لیے سوہانِ روح ثابت ہوا۔ معلوم نہیں یہ ذکی اس پر کتنی آگ اُگلنے والا تھا۔ اور وہ روز پہلے اس کا غصے میں لکھا گیا میسج، جس میں اس نے ذکی سے کہہ دیا تھا کہ دو اس کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ لیکن پھر پچھلے دن واسع کی جیت۔ تو معلوم نہیں آخر ذکی اب اسے کس امتحان میں ڈالنے والا تھا۔ شاید وہ بری طرح پھنس چکی تھی۔

رباب نے کپکپاتے ہاتھوں سے موبائل آن کر کے ہیلو کہا، ادھر ذکی نے رباب کے فون اُٹھانے پر دل ہی دل میں شکر کا کلمہ پڑھا۔

''کیا حال ہیں رباب؟''

''میں ٹھیک ہوں ذکی! تت..... تم کیسے ہو؟'' رباب نے اپنی گھبراہٹ پر بدقت قابو پاتے اُٹھ کر کمرے کا دروازہ بند کیا۔

''تم بھائی کا حال ہی کہاں پوچھتی ہو، بس ہر کوئی اپنی خوشی میں مگن ہے۔'' ذکی نے لہجے کو دکھی کیا۔

''ایسی بات نہیں ہے ذکی!'' رباب شرمندہ ہو گئی۔ اب بھلا ذکی کے نئے نئے غم پر وہ اس سے کن الفاظ میں ہمدردی کرتی کہ اس کے بھائی کی جیت چچازاد کی ہار کے نتیجے میں حاصل ہوئی تھی۔

وہ خوش تو بہت تھی لیکن ابھی اسے اپنی خوشی چھپانی تھی، اس لیے مناسب لفظ ڈھونڈنے لگی۔

''کوئی بات نہیں رباب! بھئی میں نے تو تمہیں مبارک باد دینے کے لیے فون کیا تھا۔ اب باغ کس کا تھا اور اسے کس کے پاس ہونا چاہیے تھا، اس بحث میں کیا پڑنا، میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ ہمارے پاس رہے یا تمہارے، بات تو ایک ہی ہے، ہم کیا الگ ہیں ایک دوسرے سے۔''

وہ نرم الفاظ کا چناؤ کرتے اس لمحے خود اپنا جگر چھلنی کر رہا تھا، لیکن جانتا تھا ابھی یہ بہت ضروری ہے۔ ادھر رباب اس کے نرم بولوں سے پل میں پگھل گئی کیونکہ وہ تو ذکی سے غصے، دھمکیوں اور طعن و تشنیع کی توقع کر رہی تھی۔

''خیر مبارک ذکی! اللہ تم لوگوں کو اس کا اجر دے۔''

''آمین۔'' ذکی نے جواب دے کر کچھ دیر توقف کیا۔ اِدھر رباب بھی چپ ہو گئی۔ رشتوں کے متعلق بھلا کس منہ سے کوئی سوال کرتی۔ باغ تو حاصل کر ہی چکے تھے۔ اب کیا اگلی بات بھی اپنے مطلب کی کرتی۔

''آج گلشن پھوپھی جواب مانگنے آ رہی ہیں۔'' ذکی نے خود ہی ذکر چھیڑا کہ بہرحال کال بھی اسی لیے کی تھی۔

''او'' رباب کا دل پسلیوں میں جا گرا۔ پلکیں سختی سے میچ لیں۔ نجانے آگے وہ کیا سننے والی تھی۔ یقیناً ذکی اپنے بدلے کی آگ یوں نکالنے والا ہے اور یقیناً یہ کال بھی یہی بتانے کے لیے کی ہوگی کہ دیکھو، تمہارے بھائی سے کیسا انتقام لیا، اب مناؤ جی بھر کے باغ حاصل کرنے کی خوشیاں۔

''میں وہاں انکار کر رہا ہوں رباب۔'' ذکی کی آواز شہد سے بھی زیادہ میٹھی کانوں سے ٹکرائی۔ رباب نے آنکھیں کھولیں۔

''کیوں..... کیا مطلب؟''

''تم حیران ہو رہی ہو نا، میں نے پہلے ہی کہا تھا کی کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ میری بس اپنی سوچ اپنے اُصول ہیں۔''

ذکی توقف کرتے ہلکا سا مسکرایا۔

''آج اگر اس موقع پر میں پھوپھی کو ہاں کہہ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

دوں تو تم سمجھو گی، میں نے باغ کا بدلہ لیا ہے، اور یاد رکھو رباب، میرا ظرف اتنا چھوٹا نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے ساتھ تمہارے بھائی نے جو کیا اسے میں میرے تمہارے معاملے سے علیحدہ رکھتا ہوں کیونکہ تمہیں اپنی بہن کہا ہے، اسے ثابت بھی کروں گا۔ اب آگے تمہارا جو بھی نصیب، وہ اللہ بہتر جانے، میرے دل پر اب کوئی بوجھ نہیں کہ میں نے اپنی بہن کی مشکل میں اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اس انکار کو میری مدد کا حصہ سمجھو بلکہ ہاں اب میں نازنین کا رشتہ بھی نہیں مانگوں گا۔ کہیں تمہیں یہ نہ لگے، میں تمہارے بھائی کے آڑے آرہا ہوں۔ لیکن اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کرسکتا۔''

ذکی نے جیسے خود پہ بہت ضبط کیا۔ رباب تو بس رو دینے والی ہوگئی۔

''لیکن ذکی.....!''

''اب نصیر تمہارا رشتہ مانگتا ہے یا نہیں، واسع زمرد سے شادی کرتا ہے یا نہیں۔ ان سب محاذوں پہ تمہیں خود لڑنا ہوگا۔ ذکاء اللہ آج خالی ہاتھ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ تمہارے لیے دعا ضرور کروں گا رباب۔'' ذکی کی آواز میں بلا کی رقت اور درد تھا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو ذکی! تم میرے لیے اتنا کچھ کرو اور میں کیا مطلبی ہوں کہ بے حسی سے دیکھتی رہوں گی۔''

''اور تم کیا کرسکتی ہو؟'' ذکی کے لہجے سے مایوسی جھلکتی تھی۔

''میں.....'' رباب نے لب چبائے۔

''میں..... اماں سے کہتی ہوں، وہ لالہ کو سمجھائیں گی۔''

''ہوں..... اور وہ پھر بھی نہ مانا؟ اب خود سوچو رباب! کہ تمہاری اور نصیر کی محبت تو اہم ہے لیکن اس کی اور نازنین کی محبت ..... بت..... ت.....'' ذکی کہتے کہتے دھیما ہوا پھر رُک گیا۔

''کیا ہوا ذکی؟'' رباب چونکی۔

''رباب اگر تم واقعی کچھ کرنا چاہتی ہو تو پھر ایک وہی حل ہے جو میں پہلے بھی تم سے کہہ چکا۔'' ذکی ایک دم بڑی بردباری سے تجزیہ کرنے لگا۔

''یعنی؟''

''بھئی نازنین کے خیالات جانے بنا ہم کیوں کسی نتیجے پر پہنچیں۔ کیا پتا وہ واسع سے شادی کرنا ہی نہ چاہے۔ پھر تو تمہاری مشکل خود بہ خود حل ہوجائے گی۔ اور اس طرح میرے ضمیر پر بھی یہ بوجھ نہیں رہے گا کہ میں نے واسع سے نازنین کو چھینا ہے۔''

''تو..... کیا میں پوچھوں نازنین سے؟'' رباب فوری طور پر یہی سمجھی۔

''ارے نہیں میری بھولی بہن! تمہارا تو بیچ میں نام بھی نہیں آنے دوں گا۔ کہیں کل کو نصیر یا واسع تک بات پہنچ گئی تو تم بلاوجہ پھنس جاؤ گی۔''

''اچھا۔'' رباب بے چینی سے لب کاٹتے ہوئے بری طرح الجھ گئی۔ یہ تک سمجھ میں آنا مشکل تھا کہ وہ کب کہاں اور کیسے پھنس سکتی ہے، جبکہ پھنسانے والا تو اپنا کام کامیابی سے تقریباً کر بھی چکا تھا اور وہ اسے اپنے لیے مدد اور ہمدردی سمجھنے کی بھول بھی کر چکی تھی۔

''تم بس کسی طرح مجھے نازنین سے ملوا دو، پھر میں خود ہی اس کے خیالات جان لوں گا۔''

''لیکن ابھی تم نے کہا کہ میرا نام کہیں بیچ میں نہیں آئے گا تو..... پھر میں کیسے ملواؤں؟''

''وہ سب میں تمہیں سمجھا دوں گا۔ بس تم ہماری باتیں کسی اور سے مت کہنا اور مجھ سے رابطے میں رہنا۔ تمہارا نام بالکل نہیں آئے گا اور میں اس سے مل بھی لوں گا۔ بولو رباب! میرا ساتھ دو گی نا؟''

''مم..... میں.....'' رباب کے الفاظ گم ہونے لگے، ایک بار پھر وہ مخمصے میں پڑ گئی کہ کیا کرے، کیا نہ کرے۔

''تمہاری محبت کی کشتی ڈوب رہی ہے رباب! کیا تم آخری بار کوشش نہیں کرو گی، یا پھر

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

میں تمہارا انکار سمجھوں؟"

"نن.....نہیں نہیں ذکی! مجھے سوچنے دو ایک بار۔"

"سوچ سوچ کر خود کو پریشان کیوں کرتی ہو رباب۔ میری مانو، مجھے فون بند کر کے پھوپھی کے ہاں انکار بھیجنے دو، اور میں ابھی پانچ منٹ میں تمہیں خوش خبری سناتا ہوں، آنے والا وقت سوچوں میں گھلنے کے بجائے خوش ہونے میں گزارو، اور اس خوب صورت وقت کی گھڑیاں گنو جس میں تمہاری ہر مراد پوری ہونے والی ہے۔"

ذکی نے اپنے آخری الفاظ ایک قوی امید جیسے رباب کے دامن میں ڈالے جنہیں سن کر اب کچھ بھی اور کہنا رباب کے بس میں نہ رہا تھا۔ ذکی نے مسکراہٹ روک کر اپنی پہلی کامیابی پہ "یس" کے انداز میں زور سے مٹھی بھینچ کر جھٹکی۔

"میرے میسج کا انتظار کرو۔" اس نے جلدی سے کال بھی کاٹ دی۔ اور کون سا اسے سچ مچ پھوپھی کے ہاں انکار بھیجنا تھا۔ بابا منع کر چکے تھے تو مطلب انکار واضح تھا۔ اس نے تو بس پانچ منٹ کا وقفہ لے کر اب رباب کو خوش خبری ہی سنانا تھی۔

☆☆☆

"ارے آؤ واسع! گھر جا رہے ہو۔" اکا جان ڈیرے سے نکل کر چھڑی ٹیکتے اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے، سامنا واسع سے ہوا تو خود ہی رُک گئے۔

"جی جی۔ گھر ہی جا رہا ہوں۔ آئیں۔" اس نے دایاں بازو سہارے کے لیے آگے کیا تو عبدالرحمن نے اپنا ہاتھ اس پر جما دیا۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟" دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"جی۔ وہ اپنے ڈیرے کو کھولا ہے آج۔" واسع کے چہرے پر اپنے ڈیرے کے نام سے ایک شرمیلی سی چمک اُبھری۔ برسوں بعد لبوں سے ادا کرنا بھی کچھ اجنبی سا محسوس ہوا۔ اکا جان مسکرا دیئے۔

"اچھا۔ ماشاءاللہ، مبارک ہو واسع۔"

"خیر مبارک اکا جان، آپ کی دعائیں ہیں۔"

"میں شرمندہ ہوں واسع، اس روز تم سے لہجہ کچھ سخت کر بیٹھا۔"

"نہیں اکا جان، آپ بڑے ہیں، مجھ سے کہیں بہتر آپ معاملات کو سمجھ سکتے ہیں۔"

"خواہش اور دعا میری بھی یہی تھی کہ باغ تمہارے پاس واپس آ جائے، لیکن جس گدی پر آج میں بیٹھا ہوں واسع! وہاں جذبات سے پہلے اصولوں کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ میں چاہتا تھا، تم اپنے حق کے لیے اصول کی راہ سے آؤ۔"

"جی میں سمجھ سکتا ہوں اور مطمئن ہوں کہ جو ہوا، اللہ پاک کی مدد سے بہت اچھے انداز میں ہو گیا۔"

"ہاں بالکل۔ آؤ۔" وہ آپس میں باتیں کرتے گھر کے دروازے تک پہنچ گئے تھے۔ اکا جان کا ہاتھ ہنوز واسع کے بازو پہ دھرا تھا۔ وہ ان کے ساتھ گھر کے اندر تک آ گیا۔ اندر البتہ کافی خاموشی تھی۔ اور کوئی نظر بھی نہیں آ رہا تھا، یوں لگا جیسے گھر پر کوئی نہ ہو۔

"آج تو سب شادی میں گئے ہیں۔ وہ اپنا ٹرک ڈرائیور ہے ناں دلاور۔ اس کی بیٹی کی شادی ہے۔" وہ واسع کو بتاتے ہوئے آہستہ آہستہ اندر کی طرف بڑھے اور آواز سن کر نازنین باورچی خانے سے باہر نکلی۔

"السلام علیکم چاچا جان۔" واسع پہ نظر پڑتے اس نے سر جھکا کر قدم پیچھے ہٹا لیے۔

"وعلیکم السلام نازی بچے! تم نہیں گئیں شادی میں؟" وہ بھی حیران ہوئے اسے دیکھ کر۔

"جی، میں ابھی اسکول سے آئی ہوں۔"

"آں۔ ٹھیک ٹھیک۔" وہ سر ہلاتے اندر کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ واسع بھی ان ہی کے ساتھ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تھا۔ نازنین نے کچن میں آکر پانی کا ٹھنڈا گلاس بھرا اور پیچھے پیچھے کمرے میں آئی لیکن ٹھٹھک کر دروازے میں رُک گئی۔ کیونکہ اندر صرف واسع بیٹھا تھا۔ چاچا جان کی چھڑی اور ٹوپی پلنگ پہ رکھی تھی۔

''واش روم گئے ہیں۔'' واسع نے بظاہر سنجیدگی سے مطلع کیا اور نازنین نے بنا کچھ کہے گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔

''میرے لیے؟'' واسع نے سوالیہ پوچھتے نازنین کی طرف دیکھا۔ انگوری سبز دوپٹے میں چہرا نیچے کیے اُس نے ہلکا سا سر اثبات میں ہلایا۔

''دلتا اُو گورا۔ (اِدھر دیکھو)۔'' واسع نے آہستہ سے کہا تو نازنین کی پلکیں بے ساختہ اُٹھیں۔

''تو..... کیا نظر آیا؟'' وہ پوچھ رہا تھا، نازنین گڑبڑا گئی، بات ہی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''ہاں..... کہاں؟''

''میری آنکھوں میں۔''

''کیوں۔ کیا ہے؟'' نازنین نے ایک گھبرائی نظر واش روم کے بند دروازے پر ڈالی پھر بھنویں جوڑ کر جائزہ لینے کے انداز میں واسع کی آنکھوں پر۔

''خفا ہوں مڑے۔ دکھائی نہیں دیتا۔'' اس نے دبا دبا احتجاج کیا اور نازنین ہونٹ دبائے فوراً واپس بھاگ گئی۔ چہرے پر ہنسی تھی۔ کچن میں آکر دیوار سے لگ گئی۔

''جانتی ہوں، بہت سی مبارک بادیں جمع ہوگئی ہیں۔ لیکن تمہیں بھی تو میری آنکھوں کا انتظار دکھائی نہیں دیتا۔ میرے امتحان بھی کب کے ختم ہوگئے واسع۔ تو کیا ہوا تمہارا وعدہ۔ اب اگر مبارک باد وصول کرتی ہے تو پہلے رشتہ جوڑنا ہوگا۔ بنا رشتے کے میری تمہاری سلام دعا بھی بند۔ سمجھے۔''

وہ شرمیلی ہنسی ہنستے خود اپنے آپ سے مخاطب تھی۔ ادھر واسع بھی ایسے ہی ملے جلے خیالات لیے اکا جان سے اجازت لے کر اپنے گھر میں داخل ہوگیا۔ ہر کام بڑے ہی غیر متوقع طور پر بڑی آسانی سے ہوتا جا رہا تھا۔ باغ کا حصول جتنا آسان ثابت ہوا تھا، وہ اب تک بے یقین تھا۔ اور اب۔ اگلا اس کی زندگی کا سب سے اہم مرحلہ اماں کی، ہاں کا، مرہونِ منت تھا۔ کاش وہ بھی اتنی ہی آسانی سے سمجھ جائیں کہ نازنین جیسی بہو خوش نصیبوں کے گھر آتی ہے۔

☆☆☆

باغ ملنے کی خوشی میں رباب نے باغ میں سب کو پارٹی دینے کا اہتمام کیا تھا۔ اور یہ آئیڈیا اسے ذکی نے دیا تھا۔ دن کے دس بجے کا وقت رکھا گیا کیونکہ واسع اس وقت اپنے آفس میں ہوتا تھا۔ اور باقی سب بھی اپنے اپنے ڈیروں پر ہوتے تھے۔ رباب نے باری کی مدد سے کھانے پینے کا سب سامان باغ میں پہنچوا دیا۔ باغ باقاعدہ طور پر ابھی دو روز پہلے ہی ان کے مکمل تصرف میں آیا تھا۔ اس سے پہلے ڈیرے کے کمروں اور باغ سے جبار چاچا کا ذاتی سامان ان کے ہاں پہنچانے کے کام ہوتے رہے تھے۔

جرگے میں گزرے دس برسوں کے پھل اس کی آمدنی کے حساب کتاب کا معاملہ اٹھایا جاتا رہا۔ واسع اگرچہ لمبی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا تھا لیکن جرگے کے اپنے اصول تھے۔ بات جب حق اور سچ کی آ ہی گئی تھی تو مکمل احتساب بھی اسی کا حصہ تھا۔ عبدالجبار نے باغ پر لگائے اپنے سرمایے کے اگرچہ بڑے کھاتے کھولے لیکن معاہدے کی رُو سے وہ سات برس ناجائز باغ پر قابض رہے تھے اور ان برسوں میں باغ کی جتنی کمائی کھائی گئی تھی اُس حساب سے اُلٹا وہ تقریباً چار فصلوں جتنی رقم واسع کو دینے کے سزاوار بن رہے تھے۔ لیکن واسع نے کہہ دیا کہ اسے باغ کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔ اور اس آخری فیصلے کے بعد باغ اور ڈیرے کو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سامان سے خالی کروالیا گیا۔

اگلا تمام دن واسع، باری، اسفند اور رئیس نے ڈیرے کی صفائی اور تھوڑی بہت سیٹنگ میں گزارا۔ بہت کچھ نیا خریدنا تھا جس کے لیے ظاہر ہے کہ وقت درکار تھا۔ اور واسع کا یہ ارادہ بھی تھا کہ صبح کا وقت آفس کو دینے کے بعد شام کے اوقات میں نہ صرف وہ اپنا ڈیرہ سنبھالے گا بلکہ اپنے گاؤں والوں کی سہولت کی خاطر اپنا ایک آفس ڈیرے میں کھول کر گاؤں والوں کے کیسز بھی سنا کرے گا۔

رباب نے اماں کی مدد سے سب ہی کچھ گھر پہ تیار کیا تھا۔ نغمہ بھابی، پشمینہ اور نازنین ہی اس کی مہمان تھیں۔ ذکی کو اس نے اپنے باغ میں پہنچنے کا میسج بھیج دیا۔ اس کی اماں اور نیلم دو روز کے لیے شیلا باغ شبنم سے ملنے کے لیے جا چکی تھیں۔ اب بابا جان کو ڈیرے پہ بھیج کر وہ گھر پر اکیلا تھا۔

ادھر باغ میں بیٹھی وہ سب خوش گپیوں میں مصروف تھیں تو رباب نے طے شدہ پلان کے مطابق پہلے نیلم کو یاد کیا اور پھر اسے باغ میں بلانے کی تجویز بھی دے دی۔

''لیکن رباب! وہ کیسے آسکتی ہے۔'' نغمہ نے رک کر ذرا سنجیدگی سے پوچھا۔ ''اس کے بابا جس باغ کو ہارے ہیں، وہاں اسی کی خوشی میں دی گئی پارٹی پر اسے بلانا۔''

''ارے بھابی! میں کون سا ٹریٹ وغیرہ کا ذکر کروں گی۔ پھر غصے میں تو چاچا اور ذکی ہوں گے اور اس وقت وہ دونوں ڈیرے پر ہوتے ہیں۔ میں بس چپکے سے نیلم کو لے آتی ہوں۔ ویسے بھی اس نے مجھے مبارک باد دی تھی، بہت خوش تھی ہمیں باغ ملنے پر۔''

''ہاں خیر، وہ تو بہت اچھی اور صاف دل ہے۔'' نغمہ مسکرادی اور رباب نے بنا مزید کوئی مہلت دیے پاس بیٹھی نازنین کی کلائی پکڑی اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''آؤ، ہم نیلم کو بلا لاتے ہیں۔''

''میں؟'' نازنین نے اس غیر متوقع آفر پر گھبرا کر نغمہ کو دیکھا لیکن رباب اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔

''آؤ نا، ابھی پانچ منٹ میں واپس آجائیں گے۔'' وہ اسے زبردستی کھینچنے لگی تو نازنین بھی ہنستے ہوئے پردہ درست کر کے ساتھ چل دی۔

رباب کا اپنا دل البتہ اندر ہی اندر بہت بری طرح گھبرا رہا تھا۔ ٹانگیں بھی لرز رہی تھیں۔ بظاہر اعتماد سے ہنسی مذاق کرتے وہ جبار چاچا کے گھر تک پہنچی، پورا وجود مارے گھبراہٹ کے پسینے پسینے ہو رہا تھا۔

''کیا وہ ٹھیک کر رہی ہے؟ اندر کہیں سے بار بار ایک آواز اُٹھتی اور وہ سر جھٹک کر آپ ہی اپنی سوچوں کو منتشر کر دیتی۔ ذکی نے اس سے اپنے دل کی بات ہی تو کہنی ہے۔ اب اس بے چارے کو اور کہیں موقع نہیں مل سکتا تو وہ کیا کرے۔

گھر میں مکمل خاموشی چھائی تھی۔ رباب ذکی کے سمجھانے پر اسے سیدھا بیٹھک والے کمرے میں لے آئی تھی۔

''تم یہاں بیٹھو، میں ذرا دیکھتی ہوں، اتنی خاموشی کیوں ہے، معلوم نہیں کوئی نظر کیوں نہیں آرہا۔''

وہ اسے وہاں بٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ نازنین صوفے کے کنارے پر بیٹھ کر اُس خوب صورت کمرے کے قیمتی ساز و سامان اور آرائش کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہی تھی جب اچانک ہی کوئی کمرے میں داخل ہوا۔ نازنین نے چونک کہ سر اٹھایا۔ کمرے کا پردہ ہٹا کر ذکی اندر داخل ہوا تھا۔

''ارے نازنین آپ۔'' وہ حیرت آمیز خوشی کی ایکٹنگ کرتے بڑی بے تکلفی سے پورا اندر آگیا اور نازنین گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اِس شخص کا تو وہ کبھی بھی سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اور وہ بھی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اکیلے میں۔ وہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ ایسے فوراً کمرے سے باہر نکلنا تھا البتہ مجبوری یہ تھی کہ اسے ذکا کے قریب سے ہو کر گزرنا پڑتا۔ ادھر ذکی نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے ہاتھ پیچھے کر کے دروازہ بند کر دیا اور وہ خود اب بند دروازے کے سامنے ایستادہ تھا، ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے نازنین کو شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے۔ لیکن دروازہ بند ہونے پر نازنین کی حالت مرنے جیسی ہوگئی تھی۔ وجود سے پاؤں تک لرزا اور گلے سے نکلتی آواز کو جیسے بیچ راہ میں کسی آہنی ہاتھ نے دبوچ لیا تھا۔

''رررراستہ دیں۔'' اپنے بے قابو تنفس کو سنبھالنے میں وہ بری طرح ناکام تھی۔

''آپ اتنا گھبرا کیوں رہی ہیں۔ دیکھیں، مجھے غلط مت سمجھیں۔'' ذکی نے اپنا لہجہ نرم کیا۔

''دروازہ کھولیں۔'' نازنین نے بدقت اپنی ہمت مجتمع کرتے۔ لہجے میں سختی پیدا کی۔

اعتماد قدرے بحال کرتے ہوئے اب وہ غصے سے ذکی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی گھبراہٹ سے تو وہ فائدہ اٹھا سکتا تھا خود کو مضبوط ظاہر کرنا اس وقت بہت ضروری تھا۔ زبردستی بھاگنے کی صورت میں البتہ وہ اسے بچ کر سکتا تھا، اس لیے ایک فاصلہ رکھتے ہوئے زبان سے تنبیہ کرنے میں عافیت جانی۔

''یار، دروازہ اس لیے بند کیا تاکہ تم میری بات سنے بغیر بھاگ نہ جاؤ، اور کوئی بات نہیں۔'' ذکی نے اسے اطمینان دلانے کے لیے مسکرا کر وضاحت دی لیکن نازنین کی برداشت بند کمرے میں اس کے ساتھ اکیلے موجود ہونے کے خیال کو جواب دے رہی تھی۔ اسے ہر حال میں اس جگہ سے باہر نکلنا تھا۔

''اچھا وعدہ کرو کہ میری بات سن کر جاؤ گی، میں ابھی دروازہ کھول دیتا ہوں۔''

ذکی نے کچھ سوچ کر تجویز سامنے رکھی اور نازنین نے فوراً سر ہاں میں ہلایا، بس یہ دروازہ کسی طرح کھل جاتا، پھر تو وہ رباب کو بھی وہیں آواز میں پکار سکتی تھی۔

''ہوں۔''

ذکی نے اس کے ہامی بھرنے پر ایک گہری نظر کالی چادر کے ہالے میں چمکتے اس کے چاند چہرے پر ڈالی۔ اس حسن، اس نزاکت کو واسع بھی اتنی محبت سے دیکھتا ہوگا، اس خیال نے دماغ میں ایک نئی آگ جلا دی اور دل اس کے حصول کے لیے کچھ اور بے تاب ہوا۔ اب تو اس غصے سے دیکھنے والی کے دل تک کچھ ایسے رسائی پانا تھی کہ ان گہری کالی آنکھوں میں ایک بس ذکا کی تصویر ہو۔۔ اسی کا خیال، اسی کی محبت۔

ذکی نے خیالوں سے باہر آتے وعدہ پورا کیا اور دروازہ کھول دیا لیکن بیچوں بیچ اب بھی وہ خود جما تھا۔ پیچھے سے کسی کے آجانے کا تو امکان ہی کوئی نہیں تھا۔ نازنین البتہ دروازہ کھلنے پر شدت سے رباب کی آمد کی منتظر تھی۔ وعدے کے مطابق اب ذکی کی بات بھی سننی تھی۔

''مجھ سے اتنا گھبرانے کی وجہ کیا ہے نازنین! ہم تو ٹھیک سے ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں، کیا کسی نے میرے متعلق کچھ کہا ہے؟''

ذکی نے اسے روکنے کے لیے تمہید باندھی لیکن نازنین کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''ہم آج چوتھی مرتبہ مل رہے ہیں نازنین! تمہیں اندازہ تو ہوگا کہ میں تمہارے متعلق کیسے خیالات رکھتا ہوں، پلیز مجھ سے گھبرایا مت کرو، میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔ کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟ مجھے یقین ہے، ہم قریب آئیں گے تو تمہاری سب غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔''

''معافی چاہتی ہوں لیکن میں مردوں سے دوستی نہیں کرتی۔'' نازنین نے اس مرتبہ ہمت کر کے صاف جواب دے دیا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''ارے کمال ہے، اتنی پڑھی لکھی اور ماڈرن ہوکر ایسے پرانے خیالات۔'' اس نے جھینپ مٹانے کے لیے مضحکہ اُڑایا۔

''یہ بھی آپ کی غلط فہمی ہے کہ پڑھی لکھی ماڈرن لڑکیوں کو اپنی عزت کا خیال نہیں ہوتا۔'' وہ خفا ہوئی

''تو مطلب تمہیں میری دوستی سے انکار ہے؟'' ذکی نے اپنی سنہری براؤن مونچھوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے چبھتی آنکھوں سے نازنین کو دیکھا اور نازنین جواباً چپ ہی رہی۔ سختی اور ناگواری کے رنگ میں رنگی اس کی خاموشی صاف انکار جیسی چہرے پہ چھپی تھی۔

''ذکی کو بڑی مشکل سے کوئی چیز پسند آتی ہے، لیکن جب آجاتی ہے۔''

''پہلے آپ کو انسان اور چیز کا فرق سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اور ایکسکیوزمی اب آپ میرا راستہ چھوڑ دیں۔'' وہ دو قدم آگے آئی اور زور زور سے رباب کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ ذکی نے اس کی حرکت پر سخت غصے سے اپنا مکا دروازے پر مارا اور پلٹ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ اور اس کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد سخت بوکھلائی ہوئی سی رباب وہاں پہنچی تو نازنین کے چہرے کے زاویے بری طرح بگڑے ہوئے تھے۔ وہ اس سے کوئی بھی بات کیے بغیر باہر نکل گئی اور رباب صفائی دیتی پیچھے پیچھے بھاگی

''میں تو نیلم اور چاچی کو پورے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی اور یہ تو ابھی ذکی نے بتایا کہ وہ لوگ شیلا باغ گئی ہیں۔''

''ہمیں بنا اطلاع کے آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

''سوری نازنین! تم کافی غصے میں لگ رہی ہو۔'' رباب اس کے ہم قدم ہوئی تو نازنین کو بھی احساس ہوا۔

''نہیں، بس میں یہاں بہت محتاط رہتی ہوں۔ میرا خیال ہے، مجھے اس طرح منہ اُٹھا کے کسی کے گھر نہیں چل پڑنا چاہیے، میری یہاں کسی سے قریبی رشتے داری نہیں ہے۔''

''معافی چاہتی ہوں۔ آئندہ خیال رکھوں گی۔'' رباب نے پشیمانی سے سر جھکایا۔ ضمیر کی خلش اسے بھی چین کہاں لینے دے رہی تھی۔ نصیر کو پا لینے کی خاطر وہ بھی کس راہ پر چل پڑی تھی

☆☆☆

''سلطانہ چاچی کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''ہوں، اچھی ہے۔'' رئیس نے دوسری اور پھر تیسری بات کا جواب بھی اسی غائب دماغی سے دیا۔

''کیا بات ہے رئیس! آج بہت چپ چپ ہو؟'' پشمینہ کو اس کی عدم دلچسپی پہ غصہ نہیں آرہا تھا، البتہ حیرت ضرور ہو رہی تھی ''فون بند کر دوں۔۔ تم شاید۔''

''بکومت زیادہ۔ بیٹھو آرام سے۔'' رئیس نے اس بار پہلا طویل جملہ بولتے اسے باقاعدہ ڈانٹ دیا تو وہ ہنس کر چپ ہو رہی۔ اس کے بگڑے موڈ کی وجہ اب کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی۔ اگلی صبح وہ کوئٹہ کے لیے روانہ ہو رہا تھا اور اسی وجہ سے اداس تھا شاید۔

''صرف تمہارے کہنے پر جاب کر رہا ہوں۔'' بڑی دیر بعد وہ خود بولا۔

''تو اچھا کر رہے ہو رئیس! ایک دن کمانا تو ہے نا۔ مجھے یقین ہے، تم خوش رہو گے وہاں۔ پھر ہر ہفتے چکر بھی تو لگاؤ گے یہاں کا۔''

''ہفتے کے بیچ میں بھی آؤں گا۔'' بچوں کی طرح فوراً لقمہ دیا۔

''ہاں بس آنے جانے میں کمائی اُڑا دینا۔''

''بہانے نہ بناؤ، اصل میں تم چاہتی ہی نہیں ہو کہ میں یہاں واپس آؤں۔''

''توبہ رئیس! میں ایسا کیوں چاہوں گی۔''

''تنگ آگئی ہو، بھگانا چاہتی ہو مجھے۔'' وہ تو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

موڈ درست کرنے کو تیار ہی نہیں تھا آج۔ پشمینہ کی ہنسی نکل گئی جس پر وہ مزید تپ گیا۔

''ہنس کر چوزا رہی ہو مجھے۔''

''اُف خدایا۔'' پشمینہ نے ماتھے پہ ہتھیلی ماری۔ ''میں تو چاہتی ہوں، تم اپنا موڈ ٹھیک کرو۔''

''موڈ؟'' رئیس نے ابرو چڑھا کر سوچا۔

''ایک شرط پر۔''

''ہوں۔ شرط؟'' پشمینہ چونکی۔ ''کیا؟''

''آخری بار ملو گی نہیں؟''

''اب یہ آخری واخری بار کا کیا مطلب، اللہ نہ کرے۔'' اس نے جھرجھری لی۔ ''ایسا نہیں کہتے پاگل۔''

''اچھا، اب تقریر نہیں کرنی۔ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اب اس کے لیے کیا کرنا ہوگا۔'' پشمینہ نے مرے دل سے پوچھا۔ تجویز سن کر تو اندر سے نیم رضامندی بھی نہیں جاگی۔ ایک یہ موبائل کا خطرہ کم تھا کیا۔

''یہیں چھت پر۔ اس رات کی طرح۔''

''توبہ کرو رئیس! اس رات تو اتفاقاً باہر نکلی تھی۔ مجھے پتا ہوتا، تم باہر ہو تو کبھی کمرے سے نہ نکلتی۔''

''یار کچھ دیر کے لیے۔'' اس رات کچھ ہوا تھا کیا۔ آرام سے بات کرلی تھی۔''

''بات وات کا تو سوچو بھی مت۔'' وہ پھر اُکھڑ گئی۔

''اچھا اچھا صحیح ہے۔ بس دیکھ لوں گا۔ گیارہ بجے ویٹ کروں گا۔''

''وئی خدایا، گیارہ بجے تک جاگنا پڑے گا۔'' پشمینہ کی آنکھیں پھر پھیل گئیں۔ وہ تو نو بجے سو جاتی تھی۔

''میری نیند کی دشمن، خود تو کیسے مزے سے سوتی ہو۔''

''اچھا اب میرے آرام کو تو نظر نہ لگاؤ.....

اور ارے۔'' پشمینہ کو کچھ خیال آیا۔ ''یہ تم اتوار کو کیوں کوئٹہ جا رہے ہو؟''

''جہاں رہائش اختیار کی ہے، وہاں سامان وغیرہ سیٹ کرنا ہے۔ پھر کوئٹہ سے اپنے لیے کچھ خریداری بھی کرنی ہے۔ اکیڈمی کے کچھ اساتذہ سے ملنا ہے۔'' وہ نرمی سے بتانے لگا۔

''ہاں ٹھیک۔'' پشمینہ نے سر ہلاتے اجازت لے لی۔ رئیس نے ایک بار پھر گیارہ بجے کی یاددہانی کی تھی۔

☆☆☆

معلوم نہیں کس بدنظر کی نظر لگ گئی تھی۔ سارے معاملات ہی ایک ایک کرکے ہاتھ سے نکلے جا رہے تھے۔ جبار لالہ کی طرف سے انکار کا ہلکا سا ڈر ضرور تھا لیکن ایسا تھپڑ جیسا جواب۔ نری بدنصیبی ہی تھی کہ وہ ایسے نازک موقع پر رشتے کی بات کر بیٹھی تھی۔

ادھر جرگے کی قسم کسی مصیبت کی طرح خلیل پر نازل ہوئی اور ادھر جبار لالہ نے ساری بھڑاس رشتے سے انکار کرکے نکال باہر کی۔ اب کہاں گیا ذکی کو داماد بنانے کا خواب اور نیلم کو بہو کے روپ میں گھر لانے کی خواہش۔ کتنے خوش تھے وہ کہ نصیر نے رشتہ لے جانے کی ہامی بھرلی تھی۔ اور اب۔ گلشن نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''نصیر کے لیے تو اب رباب کو بیاہ لانے کی راہ بالکل صاف ہوگئی۔ ہاں لیکن۔'' گلشن نے سوچتے سوچتے اچنبھے سے بھنویں سکوڑیں۔ ''لیکن اتنے دن گزر گئے، نصیر نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اب تو اسے خوش اور مطمئن نظر آنا چاہیے۔ کیا پتا خوشی چھپا رہا ہو۔ ہاہ لیکن میری زمرد کا اب کیا بنے گا۔ اس کے لیے تو ذکی کے علاوہ بھی کچھ سو۔

''گلشن کے لب سیٹی کے انداز میں کھلے اور دماغ کی بتی یک لخت روشن ہوئی، آنکھوں میں چمک سی ابھری۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''سوچا نہیں تو اب سوچا جا سکتا ہے۔ باغ تو واسع کے پاس واپس آچکا۔ دن تو ان کے بھی پھرنے والے ہیں۔ اوپر سے وکیل۔

''ارے تو کیوں نہ نصیر پر احسان جتایا جائے۔ اس کی خواہش بھی پوری ہو جائے اور زمرد کے لیے واسع۔''

گلشن نے اپنے مزاج کے مطابق کو ذہن کو دوسری جانب موڑا تو سب اچھا اچھا دکھائی دینے لگا۔ ''کتنا پیارا ہے واسع، پھر پڑھا لکھا۔ اب اپنی زمرد کا خیال رکھنے کے لیے نانی بھی گھر میں ہے۔ آج ہی خلیل سے بات کرتی ہوں۔ ذرا جبار لالہ اور ذکی کو بھی آگ لگے۔ منہ اٹھا کے صاف انکار کر دیا۔ اب دیتی ہوں انہیں منہ توڑ جواب۔ ہونہہ۔''

گلشن نے مٹی پاؤ انداز میں جبار لالہ اور ذکی کا صفحہ دل ہی دل میں ہمیشہ کے لیے ٹھپ کر کے ایک نئی کتاب کھولی۔

☆☆☆

''کبھی تو فارغ نظر آؤ، کتنی باتیں کرنی ہوتی ہیں۔'' جمیلہ نے دوپٹے کے پلو سے واسع کی پیشانی کے قطرے صاف کیے۔ جو ابھی ڈیرے سے آکر بیٹھا تھا۔ ماں کے جملے پر کھل کر بڑا پیارا سا مسکرا دیا۔

''ابھی ابھی تو بزی ہوا ہوں اماں، آپ فراغت کی بات کرتی ہیں، فارغ تو پہلے رہا کرتا تھا۔''

''اللہ تمہیں سرخرو فرمائے۔ کام تو ماشاء اللہ اب دن بہ دن اور بڑھیں گے۔ لیکن اب رشتوں کے لیے بھی کچھ سنجیدگی دکھاؤ۔ تم بس ہامی بھرو تو میں قدم اٹھاؤں۔''

''ہوں۔ اور کیا ہے آپ کا ارادہ؟ مطلب کیا چاہ رہی ہیں آپ؟'' واسع نے تمام تر توجہ ماں کی طرف کر لی کہ اپنی بات تو وہ ان سے کہہ ہی چکا تھا۔

''تمہاری پھوپھی سے رشتے کی بات۔ سنا ہے جبار بھائی کی طرف بات کر رکھی تھی ان لوگوں نے لیکن وہاں سے انکار ہو گیا ہے۔''

''آپ ابھی بھی وہیں رشتہ کرنے پر مُصر ہیں جبکہ میں اپنے دل کی بات آپ کو بتا چکا ہوں۔'' واسع واضح اکتایا۔

''میں سمجھتی ہوں واسع۔'' جمیلہ نے خود اپنی ہمت بندھاتے پہلی بار اسے ایک سچ بتانے کا فیصلہ کیا کہ بنا بتائے تو یہ موضوع ایک لاحاصل بحث کی طرح ہر بار اُبھر کر پھر بیٹھ جایا کرے گا۔

''لیکن تم صرف اپنے بارے میں مت سوچو، ویسے تو بات تمہاری اور زمرد کی بھی ہے کہ تمہارے لیے ہمیشہ سے وہ مجھے اچھی لگتی ہے لیکن بات نصیر اور رباب کی بھی ہے ناں۔ میں جانتی ہوں نصیر کی کتنی مرضی ہے اِدھر۔''

''نصیر کی مرضی؟'' واسع کے لیے یہ ایک نئی بات تھی۔ ''آپ سے کس نے کہا؟''

''نصیر نے خود کہا ہے واسع! رباب اس کی بچپن کی پسند ہے۔''

''اور رباب؟'' واسع کے ابرو اکٹھے ہوئے اور آنکھوں میں سوال ابھرا۔ جمیلہ فوری طور پر کچھ سٹپٹا گئیں۔ یہاں بھائیوں کے سامنے بہن کی پسند پر کھل کر بات کرنا بڑی غیرت کا معاملہ تھا۔

''وہ تو مجھے نہیں پتا۔ لیکن نصیر مجھے بالکل اپنے بیٹوں جیسا پیارا لگتا ہے۔ کتنی محبت کرتا ہے ہم سب سے، تمہارے ساتھ ایسی گہری دوستی۔ بھلا کیا کمی ہے اس رشتے میں رباب کے لیے۔'' ''نصیر کا رشتہ میں ہرگز کھونا نہیں چاہتی واسع۔''

''نصیر کے لیے مجھے بھی کب اعتراض ہے اماں، لیکن یہ آپ کی بدلئی وغیرہ۔''

وہ بے بسی کے انداز میں لب بھینچے فوراً وہاں سے اُٹھ گیا اور جمیلہ نے کب کی روکی ایک گہری سانس قید سے آزادی جیسی باہر پھینکی، کتنے دنوں سے ہمت جوڑ رہی تھیں کہ آخر کار اصل معاملہ واسع

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کے سامنے رکھ ہی دیں۔ اب بظاہر تو آثار اچھے دکھائی دے رہے تھے۔ اور بار بار کہتے رہنے سے ایک دن وہ اپنا ذہن بھی بنا لے گا۔ ان شاء اللہ۔

جمیلہ مسکراتے ہوئے رباب کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ اسے تسلی دینا بھی تو بہت ضروری تھا جو دن رات اسی معاملے کی وجہ سے بے آرام اور پریشان تھی۔ البتہ اپنی اس بے آرامی اور پریشانی سے نمٹنے کے لیے وہ خود بھی میدان میں اُتر چکی تھی۔ ایسا جمیلہ کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔

☆☆☆

گلشن تو بس نصیر کی آمد کی منتظر بیٹھی تھیں۔ اگلے ہفتے کے اختتام پر جیسے ہی وہ آیا گلشن نے بڑے جوش وخروش سے اپنی نئی تجویز اس کے سامنے رکھ دی۔ شوہر سے تو پہلے ہی تفصیل سے ہر بات کر چکی تھیں۔ اب تو بس دنوں میں واسع کا زمرد سے اور رباب کا نصیر سے رشتہ جوڑ کر ذرا چار لالہ اور ذکی کو دکھانا تھا کہ ایک ''انکار'' کے کیا کیا نتیجے نکل سکتے ہیں۔ ''واسع'' تو اب ان کی آنکھوں میں سجا نیا نیا حسین خواب تھا، ادھر نصیر ہامی بھرتا اور وہ اگلی صبح جا کر پہلی ہی مرتبہ میں دونوں رشتے پکے کر آتیں۔ لیکن یہ نصیر۔ گلشن انگلی منہ میں دابے تب سے حیران بیٹھی تھیں۔

''کہیں رباب سے اس کا دل تو نہیں اُوب گیا؟''

گلشن نے اس کے سرد تاثرات پر پہلی مرتبہ تعجب سے سوچا۔ ماں کی حمایت حاصل ہونا تو اس کے لیے کتنی بڑی خوشی کی خبر ہو سکتا تھا لیکن وہ تو ان کی تجویز سن کر بھی بالکل چپ چاپ رہا تھا۔ اور اسی خاموشی سے اُٹھ کر چلا بھی گیا

''اب یہ کس نئی الجھن میں پھنسا ہے۔''

گلشن نے سخت برا منہ بنایا ''میری خوشی تو یہاں کسی سے دیکھی ہی نہیں جاتی۔''

☆☆☆

نازنین کا موبائل پشمینہ آج نیچے ہی لے آئی۔ نجانے کیوں لیکن صبح سے کچھ عجیب سی گھبراہٹ تھی۔ رئیس نے اگلی صبح کوئٹہ چلے جانا تھا اور آج رات اس نے ملنے بلایا تھا۔ عام دنوں میں وہ نازنین کا موبائل فون کبھی نیچے نہیں لائی لیکن آج محض یہ سوچ کر کہ شاید رئیس پروگرام میں کوئی تبدیلی کرے یا کوئی پیغام دینا ہو وہ موبائل ساتھ لے آئی اور بیٹھک کے کمرے میں الماری کے اوپری خانے میں رکھ دیا کیونکہ دن کا پورا وقت وہ اور نازنین اسی کمرے میں گزارتی تھیں۔

لیکن دوپہر کے وقت جب وہ اماں کے ساتھ کچن میں بیٹھی روٹیاں پکا رہی تھی تو سیف لالہ دو آدمیوں کو لیے بیٹھک میں آئے۔ پشمینہ کو پتا چلا تو وہ بھاگ کر باہر آئی تاکہ موبائل وہاں سے اٹھا لے لیکن سیف پردہ کروا کے مہمانوں کو بٹھا چکا تھا۔ گھر کی طرف والا دروازہ بھی بند ہو چکا تھا۔ پشمینہ کا دل ڈوب کر پسلیوں میں سکڑا۔ اب جب تک لالہ وہاں سے چلے نہ جاتے، اس کی سانس اٹکی ہی رہنی تھی۔ مایوس دل لیے وہ واپس کچن میں آگئی۔ دل اب کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔

چائے پینے کے دوران خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا تھا۔ سیف کے کانوں نے کہیں موبائل وائبریٹ ہونے کی آواز سنی لیکن یہی سمجھا کہ مہمانوں میں سے کسی کا موبائل ہوگا۔ لیکن مہمانوں کے چلے جانے کے بعد جب وہ چائے کے برتن اٹھا رہا تھا تب وہی آواز ایک مرتبہ پھر سنائی دی۔ سیف کو سوچ کر پریشانی ہوئی کہ شاید مہمانوں میں سے کوئی اپنا موبائل یہیں پر بھول گیا ہے۔

وہ برتن واپس رکھ کر موبائل تلاش کرنے لگا لیکن آس پاس تو نہیں البتہ متواتر سنائی دیتی وہ آواز اسے داہنی دیوار کی الماری تک لے آئی۔ اوپری خانے میں وہ ایک چھوٹا پرانا موبائل تھا جس پر مسلسل کال آرہی تھی۔ اور اسکرین پر صاف رئیس

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لکھا آرہا تھا۔ دراصل نازنین کے سامنے یہ اقرار کر لینے کے بعد کہ ہاں وہ رئیس سے ہی بات کرتی ہے، اس کا نمبر بھی اسی کے نام سے محفوظ کر لیا تھا، کیونکہ اس کے نزدیک تو یہ موبائل ان دونوں کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔ ادھر سیف کے لیے رئیس کا نام کرنٹ لگنے جتنا حیرت انگیز تھا۔ جن لوگوں سے آمنا سامنا ہونے پر سلام دعا تک بند تھی اس کی کال۔ ان کے ہاں۔ سیف نے کال پک کر کے خاموشی سے موبائل کان سے لگایا۔

''ہیلو۔'' دھیمی آواز میں آگے سے کہا گیا اور سیف نے کال کاٹ دی اور فوراً ایک میسج ٹائپ کیا۔

''کال پر بات نہیں ہو سکتی۔ میسج لکھ کر بتا دو رئیس! کیا کہنا ہے۔''

سیف نے اپنے چہرے کا پسینہ پونچھ کر میسج سینڈ کر دیا۔ اندھیرے میں تیر چلایا تھا، نتیجہ بس کچھ ہی دیر میں متوقع تھا۔ میسج بیپ کر وہ صوفے پر آ بیٹھا۔ میسج کا جواب آنے تک کے دورانیے میں اس نے موبائل کا آپریشن شروع کر دیا۔ اور رابطہ نمبر زدیکھ کر چند سیکنڈز میں ہی پتہ چل گیا کہ موبائل نازنین کا ہے۔ کال ہسٹری میں البتہ تقریباً روز کے حساب سے رئیس کی کالز کا ریکارڈ موجود تھا۔ اور تبھی میسج کا جواب بھی آ گیا۔

''دس، گیارہ بجے موقع نہ ملے تو بارہ۔ ایک دو، جب تمہیں وقت ملے میں تمہارا انتظار کروں گا۔ لیکن دیکھو آنا ضرور۔''

اور سیف نے اپنے انگارہ ہوتے چہرے اور کھنچی کنپٹیوں پر بمشکل قابو پاتے ''اوکے'' کہا اور ملنے کے امکانات پر سوچنے لگا۔ بات زیادہ مشکل نہ تھی۔ پشمینہ اور نازنین آج کل چھت پر رہتی تھیں۔ اور اتنی لیٹ ملاقات وہیں پر ہی ممکن تھی۔ سیف نے اپنا اور رئیس کا جوابی میسج ڈیلیٹ کر کے ایک میسج اور لکھ بھیجا۔

''اب رات گیارہ بجے تک دوبارہ رابطہ مت کرنا۔ میں ضرور آؤں گی۔'' اور پھر رئیس کو بھیج کر اسے بھی ریکارڈ سے مٹا دیا اور موبائل دوبارہ اسی جگہ پر رکھ دیا۔ اب اسے گیارہ بجنے کا انتظار تھا یہ دیکھنے کے لیے اس طرف تو رئیس تھا بغیر کسی شک وشبے کے۔ اس طرف سے رابطہ کرنے والی بھلا کون تھی۔ نازنین یا پشمینہ؟

☆☆☆

سائیڈ ٹیبل پہ رکھے موبائل کو پشمینہ نے کچھ دسویں مرتبہ چیک کر کے ٹائم دیکھا۔ کمرے میں اندھیرا کر کے سو جانے کی ایکٹنگ کرتے اسے تقریباً ایک گھنٹہ ہو چکا تھا اور یہ ایک گھنٹہ اس نے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چھت کو گھورتے کاٹا تھا کہ اسے نیند نہ آ جائے۔ اور اب گھنٹہ گزرنے پر جبکہ گیارہ بھی بج چکے تھے اور یقیناً نازنین بھی سو چکی تھی۔ پشمینہ آہستہ سے بستر سے اٹھی۔ دل کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ موبائل اس نے ہاتھ میں اٹھا لیا تاکہ رئیس کال وغیرہ کر کے سوئی ہوئی نازنین کو جگانے کا باعث نہ بن جائے۔

گھبرائے چہرے کو پلو سے پونچھتی وہ دھیرے دھیرے دروازے کی جانب بڑھی، وہ ادھ کھلے دروازے سے بعجلت باہر نکل آئی۔ لیکن نہیں جان پائی کہ دروازے کی چرچراہٹ سے نازنین کی آنکھ کھل گئی تھی۔ نیند سے بوجھل آنکھ اس نے ساتھ والے بستر پر ڈالی تو بستر کو خالی پایا، دل میں یہی خیال آیا کہ شاید وہ نیچے گئی ہوگی۔ اور اب اپنی وہاں اکیلے موجودگی کی وجہ سے نیند آنا بھی مشکل تھا، جب تک کہ پشمینہ واپس نہ لوٹ آتی۔

ادھر باہر نکل کر پشمینہ چار دیواری کے نزدیک آ گئی۔ لیکن رئیس دکھائی نہیں دیا حالانکہ وہ اس کی وہاں موجودگی کی توقع کر رہی تھی۔ پشمینہ نے اسے نہ پا کر میسج کر دیا اور رئیس جو اپنی چھت پر کرسی پہ نیم دراز پشمینہ ہی کی راہ دیکھ رہا تھا، فی الفور اپنی جگہ سے اٹھا۔ گھوم کر واسع لالہ کی چھت کے نزدیک آیا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

دور پشمینہ اپنی چھت کی چار دیواری کے پار کھڑی دکھائی دے گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے فوراً جست لگا کر واسع لالہ کی چھت پر آیا اور اب چھوٹی دیوار کے قریب آتے وہ اس کے مقابل تھا۔

''تھینک یو۔'' رئیس نے ہلکا سا سر خم کیا۔

''بہت ضدی ہو قسم سے۔'' وہ اسے خفگی سے گھور رہی تھی۔

''تو کیا کروں مینو، دن کی روشنی میں مل سکتے ہیں کیا۔''

''ملنا ضروری نہیں ہے رئیس۔'' وہ سچ مچ بہت غیر مطمئن لگ رہی تھی۔ رئیس نے اس کے گھبرا کر انگلیاں چٹخانے کے عمل کو بغور دیکھا۔

''زیادہ پریشان ہو پشمینہ تو کوئی بات نہیں چلی جاؤ، میں نے دیکھ لیا، اب خوشی خوشی جا سکتا ہوں۔''

''اپنا بہت خیال رکھنا رئیس، خود کو مصروف رکھنا اور سگریٹ نہ پینے کا وعدہ یاد رکھنا۔''

''اور کچھ؟'' وہ اداسی سے مسکرایا۔

''جب بھی سگریٹ کے لیے دل مچلے، مجھے یاد کر لینا، اور بات بھی کر لینا، ذہن بدل جائے گا۔''

وہ تدبر سے نصیحت کرنے لگی۔ وہ بس اسے دیکھے جا رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔

ادھر نازنین کو گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ نجانے پشمینہ واپس کیوں نہیں آ رہی تھی۔ اکیلا پن حاوی ہونے لگا تو وہ گلے میں دوپٹہ ڈال کر بستر سے نیچے اُتری۔ چپل پہنے اور دروازے کے نزدیک آئی۔ ادھ کھلے دروازے کو پورا کھول کر سامنے دیکھا تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ پشمینہ تو سامنے ہی پیٹھ کیے کھڑی نظر آ رہی تھی۔ دوسری نظر میں البتہ کسی اور کے ہونے کا احساس بھی ہوا۔

وہ دروازے میں کھڑی سچوئشن کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، اور بس چند ہی سیکنڈز لگے سمجھنے میں، پشمینہ کے مقابل وہ رئیس ہی تھا جو مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ نازنین کے بدن میں خوف کی لہر سی دوڑ گئی۔ پشمینہ کا رئیس سے موبائل فون کا رابطہ بھی کم خطرناک نہیں تھا کہ اب یہ راتوں کو ملنا۔ برائی کا راستہ بھی پہاڑ اترنے جیسا تیز رفتار اور بے قابو ہوتا ہے، زمین کی جانب کھنچتے بے لگام قدم، جو باوجود ہماری کوشش کے رُکنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

مارے خوف کے دل بڑی شدت سے دھڑکا، وہ اسے آواز دے کر بلانا چاہتی تھی لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں تھا، پہلے بھی ایک بار وہ موبائل کے معاملے میں اس سے روٹھ چکی تھی۔ لبوں کو آپس میں سختی سے بھینچے اب وہ دروازہ پار کرنے ہی والی تھی کہ سیڑھیوں کی جانب سے اچانک ایک ہیولا نمودار ہوا اور.....

''ہاہ۔'' نازنین کی آنکھیں خوف سے پوری پھیل گئیں۔ بے ساختہ چوکھٹ کو تھاما۔

''پشمینہ۔'' خاموشی کو چیرتی وہ بھاری آواز سیف لالہ کی تھی جسے سن کر پشمینہ اور رئیس بھی ایک ساتھ پھر ہوئے۔ سیف لالہ نے تقریباً دوڑ کر آگے آتے ہی پہلے رئیس کا کالر دبوچا، وہ چونکہ چھوٹی دیوار کے اُدھر کھڑا تھا تو غالباً انہیں لگا ہوگا کہ وہ بھاگ جائے گا، حالانکہ وہ اس اچانک افتاد پر ہلنے کے قابل بھی نہیں لگ رہا تھا۔

''ج..... جاؤ رئیس۔'' پشمینہ نے رئیس کے مزاحمت نہ کرنے پر اسے دلیری سے ٹوک دیا۔ اور اس جملے پر سیف نے پہلے تو ایک غیض و غضب کی نگاہ پشمینہ پر ڈالی جیسے کہتا ہو تم سے تو میں نمٹ لوں گا اور پھر ایک ہی جست میں چھوٹی دیوار پھلانگ کر واسع کی چھت پر آ گیا، اب وہ رئیس کے مقابل تھا، ہاتھ ابھی تک اس کے گریبان میں تھا، اور اس بار بنا رکے وہ بری طرح رئیس پر پل پڑا تھا۔ نان اسٹاپ گالیاں دیتے ہوئے اس نے ہاتھوں اور پیروں سے رئیس پر حملہ کر دیا تھا۔ پشمینہ روکنے کی کوشش میں چلانے لگی تھی۔ نازنین بھاگ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کر سیڑھیوں کے قریب گئی۔

''خالہ.....خالہ.....چاچا جی.....باجی.....''

وہ زور زور سے آوازیں دے رہی تھی۔ اور اس کی آواز پر سب سے پہلے نغمہ کمرے سے باہر نکلی، سیف کی کمرے میں عدم موجودگی کی وجہ سے وہ شاید جاگ رہی تھی۔ حیران ہو کر اوپر دیکھا۔

''جلدی اوپر آئیں باجی۔'' وہ گھبرا کر کبھی اپنے منہ پر ہاتھ رکھتی، کبھی مڑ کر پیچھے سیف کو دیکھتی، اتنے میں دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر شمیم خالہ بھی باہر نکلیں۔ نغمہ اس دوران عجلت میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ چکی تھی۔ اور یہاں۔ وہ گھبرا کر رکی۔ پشمینہ، رئیس، سیف اور سیف کے ہاتھوں رئیس کا ایسا حال.....

اس نے پلٹ کر فوراً نیچے جھانکا۔ ''خالہ، جلدی بابا کو اٹھائیں، سیف کو روکیں۔ جلدی.....'' اور خود بھاگ کر شوہر کے قریب آئی جس نے رئیس بے چارے کو ادھ موا کر دیا تھا۔ اور نغمہ کو حیرت ہوئی کہ وہ اتنا مضبوط اتنا قوی جوان ہونے پر بھی جواباً سیف کو نہ کچھ کہہ رہا تھا نہ خود کو بچا رہا تھا، وہ تو جیسے ایک دم شل تھا اور سیف اس پر لگاتار مکے برساتے اسے جان سے مار دینے کی باتیں کر رہا تھا۔

''رک جاؤ سیف۔ مت کرو۔'' اس نے آگے بڑھ کر زبردستی سیف کو روکنے کی کوشش کی لیکن اس نے جنونی انداز میں اس کا ہاتھ ہاتھ جھٹک کر پرے کیا۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہوئی اور اتنے میں پہلے خالہ شمیم اور پیچھے پیچھے بابا بھی اوپر آ گئے۔

''ائے مہ کو اسیف۔'' شمیم خالہ تیزی سے رئیس کے آڑے آئیں جو چھت کے فرش پر اوندھا سا پڑا تھا۔ نغمہ نے پشمینہ کو بازو سے کھینچ کر پیچھے کیا کہ رئیس کی درگت بناتے سیف کو اب کسی بھی وقت اس کا خیال آ سکتا تھا۔ اور چھت کا یہ منظر کسی وضاحت کا تو ویسے بھی محتاج نہیں تھا کہ سیف سے اس کے غصے کی وجہ پوچھی جاتی۔

شمیم نے زبردستی سیف کو رئیس سے دور کیا تو گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے پہلے وہ سیدھا ہوا، کف سے اپنے چہرے کا پسینہ صاف کرتے پل بھر کو کچھ سوچا اور پھر تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے جانے لگا۔ شمیم نیم جان رئیس کی جانب بڑھیں اور اس کا سر اپنے بازو پہ لے کر سیدھا کیا۔ جانے کیا کچھ نہ یاد آ گیا تھا۔ پلو سے اس کا ماتھا صاف کرتے سر سینے سے لگایا۔

''خالہ.....'' نغمہ نے عجلت میں ان کا کندھا پورا جھنجھوڑ ڈالا۔ ''مجھے لگتا ہے، سیف اپنی بندوق لینے گیا ہے۔''

''کیا..... بندوق.....'' شمیم کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں لیکن نغمہ ان کی طرف دھیان نہ دیتے فوراً تیزی سے چھوٹی دیوار پھلانگ کر پہلے واسع کی چھت پر آئی پھر اسی تیزی سے دوڑ کر مجیب چاچا کی چار دیواری کے قریب گئی اور ان کی چھت پر جاتے ہی نیچے گھر میں جھانک کر اسفند اور چاچا کو آوازیں دینے لگی۔

''نغمہ بھابی۔'' اسفند جو صحن میں ہی چارپائی ڈالے لیٹا ہوا تھا۔ فوراً بھاگ کر چھت پر آیا

''جلدی کرو اسفند۔ بھائی کو بچا لو، وہ ادھر واسع کی چھت پر.....'' نغمہ اسے مختصر الفاظ میں بتاتے ہوئے فوراً واپس پلٹی، سیف کسی بھی وقت واپس آ سکتا تھا۔ اسفند نے بھی سوال جواب میں پڑنے کے بجائے تیزی سے پیش قدمی کی تھی۔ یہاں آ کر البتہ رئیس کی حالت دیکھ کر بے ساختہ شمیم خالہ اور بھابی کی طرف دیکھا، نغمہ نے البتہ شکر ادا کیا کہ سیف ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

''سیف کسی بھی لمحے بندوق لے کر واپس آتا ہوگا۔ اسے جلدی یہاں سے لے جاؤ۔ باقی سب بعد میں اسفند۔'' نغمہ نے رئیس کے اٹھوانے میں مدد کی اور اسفند اسے کندھے پر اٹھا کر واپس بھاگا۔

''اپنی چھت کا دروازہ بند کر دینا اسفند۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نغمہ نے احتیاطاً تنبیہ کی اور اس کے جاتے ہی گھبرا کر شمیم خالہ کو دیکھا۔

"پشمینہ کو کہیں چھپائیں خالہ۔ سیف آتا ہی ہوگا۔"

"مجھے لگتا ہے، غصے سے نیچے چلا گیا ہے۔ ورنہ اتنی دیر....."

"میں بندوق کی گولیاں نکال کر رکھتی ہوں پتوں کی وجہ سے، مجھے پتا ہے وہ اسی....."

"لالہ آرہے ہیں۔" نازنین جو نغمہ کی باتوں کے دوران اپنے صحن میں جھانک کر دیکھنے لگی تھی، پلٹ کر چلائی۔

سیف کو شاید اس نے کمرے میں سے نکلتے دیکھا تھا۔ اور اس کی بات سنتے ہی شمیم نے پشمینہ کو بازو سے پکڑا اور واسع کی چھت سے ہوتے جلدی سے ان کے گھر کی سیڑھیاں اترنے لگیں۔ چھت کا دروازہ انہوں نے بھی پیچھے سے بند کر دیا۔ اور یہاں نیچے آکر اندھیرے گھر کے برآمدے اور باورچی میں کچھ سمجھ نہ آتے چپ چاپ رک گئیں۔ یہاں تو لگتا تھا ہر کوئی سو رہا ہے۔ لیکن ان کے آرام کی جلد ہی خلل پڑ گیا۔ اوپر یقیناً سیف واپس لوٹ آیا تھا اور رئیس، پشمینہ دونوں کو غائب کر اب تابڑ توڑ چھت کا دروازہ بجا رہا تھا۔

دروازے کی لگاتار دھڑ دھڑ سے جمیلہ اور رباب بھی جاگ گئیں۔ برآمدے کی لائٹ آن کی اور کوریڈور سے واسع بھی سامنے کے حصے میں آیا۔ تینوں ہی شمیم اور پشمینہ کو سامنے پا کر حیران پریشان کھڑے دیکھ رہے تھے اوپر سے لگاتار بجتا دروازہ۔

"سب خیر تو ہے۔" جمیلہ جیٹھانی کے نزدیک ہوئیں، جن کے چہرے پر ابھی تک ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کچھ خیر نہیں ہے۔ وہ سیف اوپر چھت پہ پشمینہ کو دیکھ کر پاگل ہو گیا تو بندوق لینے اتر گیا۔ لگتا ہے وہی واپس آیا ہے۔ بھابی پشمینہ کو یہیں اماں کے پاس چھپا دو۔"

"رئیس!" رباب نے حیرت سے دہرایا۔

"وہ چھت پر کیا....."

"رباب۔ پشمینہ کو دادی کے پاس لے جاؤ۔" واسع نے رباب کے احمقانہ سوال کو قطع کیا۔

"آئیں چاچی! میں نیچے کے دروازے سے آپ کے ساتھ چلتا ہوں، سیف لالہ کو سمجھاتے ہیں۔"

"سیف بہت غصے میں ہے واسع، تم بیچ میں مت پڑو۔"

"کچھ نہیں ہوگا، آئیں۔ اماں آپ پشمینہ کا خیال رکھیں۔ اور اسے آرام سے کسی کمرے میں لے جائیں۔ کوئی فالتو سوال نہیں۔" آخر میں رک کر رباب کو سمجھانے والے انداز میں گھورا تو وہ نظریں جھکا گئی۔ وہ چاچی کو ساتھ لیے درمیانی دروازے سے ان کے گھر میں داخل ہوا تو اکا جان، سیف لالہ، نغمہ بھابی اور نازنین سامنے صحن کے بیچوں بیچ کھڑے دکھائی دیے۔

"میں بتا رہا ہوں۔ یہ سب اس نازنین کا کیا دھرا ہے۔ اسی کے موبائل سے رابطے کرتی تھی اس آوارہ سے۔ ہم نے کب بہنوں کو موبائل دیے تھے، سب اس کی آزاد خیالی کا نتیجہ ہے، پہلے خود من مانیاں کیں، اب اسے الٹی پٹیاں پڑھا رہی تھی۔ اب ہماری بہنیں بیٹیاں بھی شادی سے بھاگیں گی۔"

"ناز کا کوئی قصور نہیں ہوگا۔" نغمہ نے جھٹکے سے نکل کر بات سنبھالنے کی کوشش کی، جبکہ اندر سے وہ بھی پوری ہل گئی تھی۔

"بھروسا کیا ہے بچے، اب بھروسے کی سزا بھی بھگتیں گے۔" اکا جان سر سے پگڑی اتار کر ہاتھ میں لیتے تھکے قدموں سے اندر کی طرف بڑھ گئے۔

نازنین نے بہن کے پیچھے ہو کر اس کا پلو تھامنا چاہا تو وہ بھی ہاتھ جھٹک کر کمرے میں چلی گئی۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

نازنین نے آنسوؤں بھری نگاہ اوپر اٹھائی تو کینہ توز نظروں سے گھورتی شمیم خالہ کے پیچھے نچلا لب سختی سے دانتوں میں جمائے وہ واسع تھا جسے اس پوری گفتگو میں معلوم نہیں نازنین کی بے بسی نے ملول کیا تھا یا اس انکشاف نے متعجب کہ اصل قصوروار تو نازنین تھی۔

اس سے نازنین کی آنکھوں میں دیکھا نہیں گیا جو نجانے کب سے خاموش کھڑی سیف کی زہر افشانیاں سن رہی تھی۔ آنکھیں سے مسلسل رونے شدت کی سرخ اور چہرا بھیگ چکا تھا۔ واسع بنا کچھ کہے اسی خاموشی سے واپس پلٹ گیا۔

سیف لالہ کو اس نے اس دوران بندوق لیے گھر سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔ اور ابھی وہ اپنے گھر کے صحن میں واپس پہنچا ہی تھا کہ ایک بار پھر دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑانے کی آواز آنے لگی ،اور دھیان لگانے پر اسے یقین ہو گیا کہ آواز مجیب چاچا کے دروازے کی تھی۔ اور یقیناً یہ سیف لالہ ہی تھے جو باہر کے راستے ان کے دروازے پر آئے تھے۔ رئیس کے لیے ان کا غصہ ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

واسع جلدی سے دوسرے درمیانی دروازے تک پہنچا اور اسے کھول کر مجیب چاچا کے گھر میں آیا۔ یہاں بھی کچھ ملتا جلتا ہی منظر تھا۔ سب صحن کے درمیان میں کھڑے رئیس کی حالت کو پریشان کن نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اسفند البتہ گھر کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا جسے سیف لالہ مسلسل پیٹے ہی جا رہے تھے

''مت کھولو اسفند۔'' واسع نے بازو لہرایا۔

''سیف لالہ آئے ہیں، ہاتھ میں بندوق ہے۔''

''یا اللہ، یہ کیا ہو رہا ہے۔'' سلطانہ چاچی پہلے ہی رئیس کی چوٹیں دیکھ کر حواس باختہ تھیں۔

''یہ سیف تو گھر کا دروازہ توڑ دے گا واسع۔'' مجیب چاچا نے پریشان کن نظروں سے واسع کو دیکھا جو لب بھینچے تیزی سے کچھ سوچ رہا تھا۔

''ہمیں رئیس کو بھگانا ہوگا لالہ۔'' اسفند کو اب سمجھ میں آ رہا تھا کہ سیف لالہ کا غصہ کس معاملے میں ہو سکتا ہے۔ اس نے مشورہ طلب نظروں سے واسع کو دیکھا اور پھر آگے ہو کر رئیس کا بازو اپنے گلے میں حمائل کرتے ہوئے اسے زبردستی کھڑا کیا۔

''لالہ! اپنے گھر کا پچھلا دروازہ کھولیں۔'' اسفند اب اس سے زیادہ مستعد تھا۔ یہاں کے ماحول میں غیرت بھرے غصے کا نتیجہ بھی تو سیدھے سیدھے موت تھا۔ وہ اس لمحے کسی رسک کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ واسع بھی یک لخت ہوش میں آیا۔ اسفند کی بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس نے دوسری طرف سے خود بھی رئیس کو سنبھالا دیا۔

''مجھے کہیں نہیں جانا، میں نے کچھ نہیں کیا۔'' رئیس ایک دم اڑ گیا۔

''ضد مت کرو رئیس! وہ سب ہم بعد میں دیکھ لیں گے۔'' واسع نے جھڑکا لیکن وہ بازو چھڑانے لگا۔

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا، آپ ان سے میرا قصور پوچھیں، کھول دیں دروازہ.....''

''اللہ کا واسطہ رئیس بچہ۔ ابھی چلے جاؤ۔'' سلطانہ چاچی نے روتی آنکھوں کے ساتھ سامنے آ کر بیٹے کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ اور ماں کی اس حرکت پر وہ سختی سے ہونٹ آپس میں پیوست کیے چپ چاپ واسع کے گھر آ گیا۔ دونوں نے اسے فی الفور ہی آگے کے دروازے سے باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا۔

''میں واپس جا کر کنڈی کھولتا ہوں۔ سیف لالہ تو پورے گاؤں کو جگانے پر تلے ہیں۔'' اسفند تیز قدموں سے واپس دوڑ گیا اور واسع نے پلٹ کر اس بند دروازے کو دیکھا جس سے ابھی ابھی رئیس کو باہر نکالا تھا۔ وہ جو جانے کو تیار نہیں تھا معلوم نہیں باہر نکل کر کس قسم کی سوچوں میں گھرا ہوگا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

واسع نے بس کچھ دیر سوچا پھر خود بھی کنڈی کھول کر باہر نکل آیا۔ دائیں بائیں گلی میں دور تک نظر دوڑائی لیکن رئیس کہیں دکھائی نہیں دیا۔ بائیں ہاتھ پر گاؤں کی گلیاں تھیں تو دائیں ہاتھ پر گلی کے سرے پر کھلا میدان اور اس میدان کے بعد دور تک پھیلا دریائے ژوب۔ واسع نے اپنی سمجھ کے مطابق بجائے گلیوں کی طرف جانے کے دائیں ہاتھ کا رخ کیا۔ گلی ختم ہونے پر سرے پہ آیا تو میدان اور دائیں بائیں باغوں کو جاتے راستوں کا منظر واضح آنکھوں کے سامنے تھا۔ لیکن چاند کی مدھم روشنی میں یہاں بھی دور دور تک کوئی ہیولا، کوئی حرکت دکھائی نہ دے رہی تھی۔ ایک ہاتھ کمر پہ دوسرا منہ پہ رکھے وہ قدرے متفکر سا کھڑا تھا جب پیچھے سے کسی نے آواز دے کر پکارا۔

''واسع..... اے خانا۔'' اپنا نام سن کر اس نے مڑ کر گلی میں دیکھا

''نصیر۔'' زیر لب حیرت سے دہرایا۔

''تم.....؟'' قریب آنے پر واسع نے اسے تعجب سے دیکھا۔

''رئیس کہاں ہے؟'' تیز چل کر آنے پہ وہ اپنی سانسوں پر قابو پا رہا تھا۔

''اسی کو دیکھ رہا ہوں لیکن تم.....''

''مجیب ماما نے کال کر کے بلایا تھا، سیف لالہ باہر دروازہ بجا رہے تھے۔ ماما نے کہا آ کر اس کو وہاں سے لے جاؤں۔''

''تو..... مان گئے سیف لالہ؟'' واسع تو تب سے اس طرف گیا ہی نہیں تھا۔

''ہاں، انہیں تو سمجھا بجھا کر ان کے گھر چھوڑ آیا ہوں لیکن ہوا کیا ہے؟''

''یار زیادہ تو مجھے بھی نہیں پتا۔ آؤ پہلے رئیس کو نہ دیکھ لیں؟''

''ہاں مجھے بھی ماما نے اسی کے پیچھے بھیجا ہے۔ لیکن وہ ہے کہاں؟'' نصیر بھی آس پاس دیکھنے لگا۔

''یہی تو نہیں سمجھ میں آ رہا اتنی سی دیر میں کدھر گیا۔ پہلے ہی ادھ موا سا ہو رہا تھا۔''

''کال ملائیں؟'' نصیر نے موبائل فون نکالا اور تبھی میدان کے آخری کنارے سے کوئی شخص ہوا میں صافہ لہراتا اونچی آواز میں کچھ کہتا قریب آنے لگا..... ''مدد، وکہ (مدد کرو)۔''

''اے التہ چوک دا (کون ہے وہاں)؟'' نصیر نے جوابی اونچی آواز نکال کر اپنی وہاں موجودگی ظاہر کی۔

''ادھر ایک لڑکے نے دریا میں چھلانگ لگا دی ہے۔ جلدی بچاؤ کوئی۔''

اس شخص کو اوروں کی موجودگی سے حوصلہ ہوا تو وہیں سے بتانے لگا، لیکن ان دونوں کے ایک ساتھ اوسان خطا ہوئے۔ بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا، آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں اور رئیس کہہ کر دونوں نے دوڑ لگا دی۔

وہ آدمی ان سے آگے بھاگ کر رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ آدمی انہیں لیے جس جگہ پہنچا رئیس نے شاید وہیں چھلانگ لگائی تھی لیکن اب وہ اس جگہ سے کم از کم بیس پچیس میٹر آگے ایک بڑے پتھر سے ٹکرا کر آڑھا ٹیڑھا سا پڑا تھا۔ واسع اور نصیر دونوں ہی اچھے تیراک تھے۔ فوراً ہی ایک ساتھ پانی میں اترے، دونوں دریا کے بیچوں بیچ والے بڑے پتھر کے نزدیک پہنچے اور رئیس کو کندھے پر ڈال کر نکال لائے۔ پہلے اسے الٹا لٹا کر ناک منہ سے پانی نکالا اور پھر سیدھا کر کے اس کی سانس وغیرہ چیک کی۔ کم گہرے پانی نے اسے ڈوبنے تو نہیں دیا البتہ پتھروں کے چبھنے سے جسم پر چوٹیں آ گئی تھیں۔ اور اب گھر پہنچنے کے لیے دونوں نے کندھے سے کندھا ملا کر رئیس کو اس پر ڈالا اور آہستہ آہستہ چلتے گھر لے آئے۔

اسفند نے خود ہی گھر پر ڈریسنگ کر کے اسے درد سے آرام کی دوا کھلا دی۔ سیف لالہ کی اچانک وہاں آمد اور ان کے ہاتھوں پٹائی رئیس کے لیے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شدید جذباتی دھچکا ثابت ہوئی تھی۔ دریا میں کودنا اسی ذہنی دباؤ کا نتیجہ تھا، وہ جیسے اب کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''رات کو کسی بھی وقت اسے ہوش آجائے گا۔ پیار اور نرمی سے پیش آیئے گا۔ فی الحال وہ کسی طعنے اور غصے کو سہنے کی حالت میں نہیں ہے۔''

واسع نے بظاہر اسفند اور سلطانہ چاچی کی طرف دیکھتے دراصل مجیب چاچا کو سنایا تھا۔ کیونکہ غصے کی توقع ایک ان ہی سے کی جاسکتی تھی۔

''کسی حساس موضوع پر اس سے فی الحال کوئی بات مت کریں۔ صبح آرام سے بات ہوسکتی ہے۔''

نصیر نے تاکید مزید کے انداز میں اپنا حصہ ڈالا اور قریب رات کے تین بجے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

☆☆☆

''پانی میں مدھانی گھما کر مکھن نکلنے کی امید لگا رہی تھیں؟ کیا فائدہ ایسی راہ پر چلنے کا جس کا انجام نری خواری ہے۔ دشمنی کی آگ میں کچھ اور ایندھن جھونک دیا تم عقلے۔''

''بس اماں! بچی ہے۔'' جمیلہ نے ساس کو نرم سی تنبیہ کی، وہ جو صبح ہوتے ہی پشمینہ کو آڑے ہاتھوں لیے بیٹھی تھیں۔

''گھر چلو پشمینہ۔'' نغمہ اندر کے دروازے سے اسی وقت ان کے پاس آئی تھی۔ آنکھیں رات بھر کی بے آرامی کی غماز تھیں۔

''اور وہ تمہارا شیر۔ جو دھاڑتا پھر رہا تھا پورے محلے میں؟'' دادی نے اب کی بار نغمہ کو گھورا۔

''چلے گئے ہیں ڈیرے پر۔'' نغمہ نے تسلی آمیز انداز میں آگاہ کیا۔

''ہاں تو واپس بھی آئے گا۔ اتنے جلدی غصہ ٹھنڈا ہوگیا کیا؟'' دادی بے یقین تھیں۔

''بابا نے قسم دی ہے سیف کو، کہا ہے میں خود دیکھ لوں گا اس معاملے کو، وہ اب بیچ میں نہیں آئے گا۔''

''ہاں بس قسمیں کھا کھا کے سانسیں پوری کیے جاؤ۔ سکھ سے جینے نہ دینا کسی کو۔'' دادی کو صرف شکوے نہیں تھے، درد تھے جنہیں دیکھنے والا یہاں کوئی نہیں تھا۔

پشمینہ بھابی کے اشارہ کرنے پر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ رات بھر وہ جمیلہ چاچی کی طرف رہی تھی۔ واسع کے واپس آنے پر رئیس کے دریا میں چھلانگ لگانے کے بارے میں بھی پتا چلا۔ ساری رات روتے اور رئیس کی زندگی کی دعائیں مانگتے گزری تھی۔ نغمہ بھابی اسے بیٹھک والے کمرے میں لے آئیں جہاں پہلے ہی نازنین چہرا گھٹنوں پہ رکھے مغموم سی بیٹھی تھی۔

''تم نے مجھے کتنا منع کیا، لیکن میں نے تمہاری ایک نہیں مانی، آج اپنی وجہ سے تمہیں بھی پھنسا دیا۔'' پشمینہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے سسکیاں لے کر روئی تھی۔ نازنین تب بھی بالکل گم سم بیٹھی رہی۔

''مجھے معاف کردو نازنین! میں نے اپنے ساتھ ساتھ تمہارا بھی برا کردیا۔''

''کیا کہہ رہی ہو پشمینہ؟'' نغمہ نے ایک نظر نازنین کے جھکے چہرے پر ڈالتے ہوئے پشمینہ سے سوال کیا۔

''نازنین نے مجھے اپنا موبائل فون استعمال کرنے سے بہت پہلے منع کیا تھا لیکن میں الٹا اس سے خفا ہوگئی۔''

پشمینہ آتے ہی نازنین کی صفائی دینے لگی اور نغمہ کے لیے بہن سے آنکھیں چار کرنا مشکل ہوگیا، وہ تو رات سے ہی اس سے بول چال بند کرچکی تھی جس نے اس کی سسرال میں اسے سر اٹھانے لائق نہیں چھوڑا تھا۔

''لیکن بھابی! میں نے کچھ غلط نہیں کیا، میں کبھی راتوں کو رئیس سے نہیں ملی، اس نے آج

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نوکری پر کوئٹہ جانا تھا، بس دیکھنے کی ضد کی تو پہلی مرتبہ۔"

"جب یہ تمہاری بات نہیں سن رہی تھی تو تم مجھے بتاتیں نازی۔"

نغمہ نے بہن کی طرف دیکھا جو تب سے چپ کی چپ ہی بیٹھی تھی۔ چند جملوں کی بازگشت نے پچھلی رات سے اس کے اندر اودھم مچا رکھا تھا۔

اول روز سے اسے جو ایک خدشہ لاحق ہوا تھا کہ سیف لالہ نے اس کے شادی سے بھاگ آنے کے عمل کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا تھا آج ثابت بھی ہو گیا اور ایسے کہ اس کی ذات شک کے کٹہرے میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ پشمینہ کے یہ چند وضاحتی جملے بھلا اس الزام کا ازالہ کر سکتے ہیں جو اس کا موبائل فون استعمال ہونے کی وجہ سے اس کی ذات پر آ لگے تھے۔ وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ گئی۔ شمیم خالہ، چاچا جی، سیف لالہ اور..... واسع..... وہ بھی تو وہاں تھا۔ آخر وہ کس کس کی نظروں میں اُٹھ پائے گی۔ ان سب سے سامنا اب کتنا مشکل تھا۔

☆☆☆

"آؤ۔" واسع سے مسکراتے ہوئے فائل بند کی۔ ڈیرے میں ان دنوں وہ اپنا آفس سیٹ کرنے میں لگا تھا اور ابھی رات ہو جانے پر بالکل اکیلا ہی بیٹھا تھا جب نصیر آ گیا۔

"گھر جا رہے تھے؟"

"فی الحال تو نہیں۔ سوچا پہلے رئیس سے ملوں گا۔ تم گئے؟" واسع کو خیال آیا کہ وہ تو ڈیوٹی سے آیا ہوگا۔

"ہاں، پہلے ادھر ہی گیا تھا، اور تم؟"

"میں تو صبح کافی دیر بیٹھا رہا اس کے ساتھ۔" واسع کچھ خیال آنے پر رُکا، نصیر نے توجہ سے دیکھا

"کچھ تفصیلی بات ہوئی ہے؟"

"وہ تو چپ تھا، میں ہی بولتا رہا زیادہ تر۔ بس یار! سمجھانے کی کوشش کی ہے۔" سیف لالہ کا غصہ تو گزری باتوں پر بھی اب تک کم نہیں ہوا تھا۔ نئے معاملات تو دشمنی کو اور بھی ہوا دیں گے۔

"نری حماقت تھی اور کیا۔" نصیر نے تاسف سے سر ہلایا۔ "یہ دشمنیاں بھی بھلا ختم ہونے والی ہیں۔ پتا نہیں کس غلط فہمی کی بنا پر امید لگا رہا تھا۔"

"ہوں۔" واسع نے ایک نظر نصیر کو دیکھا۔ ذہن میں احمد اور نگینہ والی ملاقات کی یاد تازہ ہوئی۔ "کیا واقعی کچھ نہیں ہو سکتا؟"

"کیوں۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟" نصیر کو حیرت ہوئی اس کے سوال پر۔

"تم نے اب تک مجھ سے ایک سوال نہیں پوچھا نصیر! باغ واپس ملنے کے بعد۔" واسع نے اشارتاً ایک جملہ پھینکا جس پر نصیر کے ابرو بے ساختہ پر سوچ انداز میں اکٹھے ہوئے، کچھ دیر رک کر سوچا پھر سوالیہ نظر واسع کی طرف اُٹھائی۔

"کہ تمہیں گواہوں کے متعلق کس نے بتایا تھا۔ یہی؟" اس نے بالکل درست اندازہ ہی لگایا جس پر واسع نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

"میں بہت پہلے توقع کر رہا تھا۔ خصوصاً تمہاری طرف سے۔"

"بس مناسب موقع کے انتظار میں تھا، فرصت ہی میسر نہیں آئی تب سے۔ پوچھنا واقعی چاہتا تھا۔"

"ہاں وہ تو تمہارا صحیح اندازہ بتا رہا ہے۔"

"تو.....؟" نصیر نے سوالیہ ابرو اُٹھایا۔ "کیا مسٹری ہے؟"

"تمہیں مولوی یعقوب صاحب کی بات یاد ہے؟" وہ تفصیل جو انہوں نے قرآن پاک پہ ہاتھ رکھ کر دی۔

"ہاں، سب یاد ہے۔" انہوں نے ہاتھ رکھ کر گواہوں کے نام بتائے تھے، جن میں ایک نام میرے بابا کا بھی تھا۔

"اب بھی نہیں سمجھے۔" واسع اب تجسس بڑھا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

رہا تھا۔

''کیا سمجھوں۔'' نصیر اب مخمصے میں تھا۔

''میرے بابا تو ظاہر ہے نہیں ہو سکتے۔''

''ہوں۔'' واسع مبہم سا مسکرایا تو نصیر اور بھی الجھ گیا۔

''یار! مولوی صاحب نے کہا ایک میں خود ہوں عینی شاہد، دوسرے خلیل خان اور تیسرا..... تیسرا تو احمد تھا واسع۔''

''ہاں تو۔ احمد نہیں ہو سکتا وہ شخص؟'' واسع مسکرائے گیا جبکہ نصیر کا حیرت سے منہ کھلا۔

''تمہیں احمد ملا۔ کب؟ کہاں؟''

''میں نے اب تک کے وقت میں یہ طے نہیں کیا کہ مجھے یہ بات کس کس کو بتانی ہے، ہاں لیکن تم ان گنے چنے ناموں میں پہلے نمبر پر آتے ہو جسے یہ بات میں ضرور بتاتا۔''

''کب ملاقات اور کہاں؟'' نصیر کا اشتیاق سوا تھا۔ وہ اب صرف واسع کو سن لینا چاہتا تھا اور اس نے بھی مزید انتظار نہ کرواتے کوئٹہ میں پیش آئے حالات تفصیل سے کہہ سنائے اور جنہیں سن کر نصیر کی حیرت دو چند ہو گئی۔

نگینہ کے واقعے کے ایک ایسے پوشیدہ پہلو کا تو یہاں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ گزرے چھ سات برسوں میں اس واقعے کو بس ایک ہی نظر سے دیکھا گیا تھا، اور اس کی حقیقت کچھ ایسی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

''سلطانہ مامی کو بتایا پھر؟''

''ہاں، جرگے کے فیصلے کے کچھ دن بعد ہی۔ اکیلے میں بات کرنے کا موقع مل گیا تھا۔''

''پھر.....؟''

''بس یار!'' واسع نے ایک آہ کھینچی۔ ''نہ ہنستی تھیں نہ روتی تھیں۔ خود سوچو، ان کا درد بھی پورا کہاں کم ہوا۔''

''ہوں۔'' نصیر نے تفہیمی انداز میں گردن ہلائی۔ ''یہ سچ بھی نگینہ کے دامن کا داغ تو نہیں دھو سکتا۔ ہاں بس ایک ماں کا جو اپنی اولاد پر مان ہوتا ہے، وہ شاید پھر سے قائم ہونے لگے۔ یہ سوچ والدین کے لیے بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے کہ اولاد نے ان کی محبت، ان کی تربیت ان کی قربانیوں کا صلہ ان کا زمانے میں سر جھکا کر دیا، وہ اولاد کی خود غرضی پر اندر سے بہت بری طرح ٹوٹ جاتے ہیں۔''

''ہاں، چاچی بھی خوش تھیں یہ جان کر کہ ان کی بیٹی سے دانستہ یہ حرکت سرزد نہیں ہوئی۔''

''لیکن غلطی تو پھر بھی ہوئی۔'' نصیر نے لب بھینچے۔ ''پہلا قدم غلط راستے پہ رکھ کر صحیح سمت تک پہنچنے کی توقع کرنا نری حماقت ہی ہوتی ہے۔ اب ہزار رسک اٹھا کر ایک ملاقات کرنے کا فیصلہ کہاں کی دانش مندی ہے۔''

''اور اب یہی بھول رئیس نے بھی کی۔ واسع نے جیسے یاد دلایا۔''

''احمق ہے ایک دم۔''

''بال بال بچا ہے سمجھو، بتاؤ ذرا، بہن کے تجربے سے یہی سبق لیا، یعنی کہ عین وہی حرکت دہرانے کو کیا کہیں گے، بتاؤ۔''

''سوچنا بھی مت نصیر کہ سبق حاصل کیے جائیں گے۔ آئندہ کبھی بھی۔'' واسع اس سے زیادہ سنجیدہ تھا، نصیر نے دزدیدہ نگاہی سے دیکھا۔

''کیا مطلب؟''

''یہ جو صدیوں پرانی خود ساختہ رسمیں ہیں نا۔ یہ اب آنے والے وقت میں صرف بغاوت پیدا کریں گی، کیونکہ صرف نسلیں تبدیل نہیں ہو رہیں، سوچ بھی بدل رہی ہے۔ تعلیم کا شعور پرانی رسوم کے ساتھ متصادم ہو رہا ہے۔ اب یا تو انہیں چاہیے کہ بچوں کو ان پڑھ ہی رہنے دیں۔ یا پھر خود کو حالات کے مطابق ڈھالیں۔''

''جانتے ہو نصیر۔'' واسع کی روشن براؤن آنکھوں میں فہم کی چمک تھی۔ ''احمد اور رئیس جیسے لوگ جب حالات کو جائز اور صحیح راستے سے بدلنے

Waqar Azeem
Pakistanipoint

کی کوشش میں ناکام ہوتے ہیں تو انجام کار باغی ہونے لگتے ہیں۔ اور احمد نے تو ایک طویل عرصہ تقریریں کی تھیں، دلائل دیئے تھے پر دیکھنا آنے والے اتنی بھی زحمت نہیں کریں گے۔

بغاوت تو یونہی اس بے چارے کے گلے کا طوق بن گئی۔"

"ہوں۔" نصیر قائل ہوتے بس سر ہلا کر رہ گیا۔

دکھ تو یہ تھا کہ نہ وہ تقریریں کرنے والوں میں سے تھا نہ بغاوت کرنے والوں میں سے۔ اسے تو اپنی ہار پر صبر کرنا تھا، قدم پیچھے ہٹا کر اللہ کی رضا پہ قانع ہونا تھا۔ اور اپنا یہ درد وہ واسع سے بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ جبکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ آج کی یہ گفتگو واسع نے شروع ہی اسے اکسانے کے لیے کی تھی۔ اماں کی زبانی نصیر کی پسند جان کر وہ چاہتا تھا کھل کر اس سے بات کرے۔ لیکن سمجھ گیا کہ رباب کا بھائی ہونے کی حیثیت میں وہ کبھی بھی اس معاملے میں نصیر کا رازدار دوست نہیں بن سکتا تھا۔ رک کر تھوڑی دیر کے لیے کچھ سوچا پھر نصیر کی طرف دیکھا۔

"تمہیں نہیں لگتا، ان سب مسائل کا کوئی مناسب حل ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔" کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے اس نے دوسری کرسی ٹانگیں لمبی کرنے کے لیے سامنے کھینچی اور بازو سر کے پیچھے باندھ لیے۔

"کس سب کا؟" نصیر نے ناسمجھی سے دیکھا

"یہ بدلئی کی فضول رسم۔ جذبات، احساسات، قدروں رشتوں کو ملیامیٹ کرتی یہ رسم جو ہمارے بڑوں میں تو گویا خون جیسی رواں دواں ہے۔"

"تو..... اس کے لیے بھی خان صاحب جرگہ بلانے والے ہیں؟" نصیر نے ہنس کر چھیڑا تو واسع نے بھی قہقہہ لگایا۔

"نہیں۔" وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور نصیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے مسکراتے ہوئے گھورنے لگا۔

"میں تم سے پوچھتا ہوں نصیر۔ ایک دوست، بھائی اور کزن کی حیثیت سے کہ اگر ہم دو فیملیز آپس میں رشتہ جوڑنا چاہیں تو تمہارے ذہن میں کیا ہے اس حوالے سے؟"

"مطلب؟" نصیر کی بے اختیار دھڑکن بڑھی، نجانے واسع کے ارادے کیا تھے۔

"مطلب ایک رشتہ یا ایک ساتھ دو رشتے؟" واسع اپنی گہری آنکھیں بیک وقت معصومیت اور سمجھ داری سے نصیر پر جمائے اسے کھل کر بولنے پہ آمادہ کر رہا تھا۔

"ایک....." نصیر نے بے تحاشا دھڑکتے دل کو بمشکل قابو میں لاتے ہوئے صاف گوئی سے سچا جواب دے دیا۔

"پوچھ سکتا ہوں کون سا ایک؟"

"کیوں امتحان میں ڈال رہے ہو۔" نصیر پھیکا سا ہنس دیا۔ "واسع تو جان نکالنے پر تلا تھا۔"

"تمہیں سننا چاہتا تھا، لیکن تم شرما رہے ہو تو آگے میں کچھ کہوں۔ اجازت ہے؟"

واسع کی دل آویز مسکراہٹ میں اعتماد تھا جو نصیر کی موجودہ سچویشن کے مقابلے میں کہیں بڑھ کر تھا۔ نصیر نے ہنس کر بے بسی سے کندھے اُچکا دیے کہ جب وہ پہلے ہی سب طے کیے بیٹھا تھا تو اب اسی کو سننے میں بھلائی تھی۔

"میرے دل میں ان کے لیے بہت درد ہے نصیر! جو محض جوڑا ہونے کی سزا میں قربان کر دیے جاتے ہیں، محبت کا ملنا نہ ملنا یوں تو نصیب کی بات ہے۔ ناکامی یا کامیابی تو بنا بدلئی کے بھی زندگی کے ساتھ ہے۔ لیکن ہم تو ادلہ بدلی کے رشتوں کو بھی نصیب کا حصہ بنا بیٹھے ہیں۔ میں چاہتا ہوں ہمارے گھروں میں آئندہ ہر رشتہ مرضی خوشی اور آپس کے ایما پر طے پائے، بلاکس کی طرح فٹ نہ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کیا جائے۔ انسان ہونے کے ناتے ہر جان اب اتنی رعایت کی حق دار تو ہے نا۔"

"ہونا تو یہی چاہیے واسع۔" لیکن یہاں ایک کے دل کی مراد دوسرے کا دل روند کر ہی پوری ہوتی ہے۔"

"اور یہی میں نہیں چاہتا۔" واسع نے تیزی اور سختی سے نفی کی۔ "یعنی میرا دل، میری فیلنگز تو قابل قدر ہیں لیکن میری بہن نہ دل رکھتی ہے نہ جذبات۔ کہ اسے میری خواہشات کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔" واسع جذباتی انداز میں بولے چلا گیا اور نصیر کی ایک دم سانس تھمی۔

"ایک بس ذرا سی حکمت عملی درکار ہے نصیر۔"

"ہوں۔" نصیر نے آنکھیں چھوٹی کیں۔ "یعنی؟"

"ساتھ دو گے نا؟" واسع نے ہتھیلی سامنے کی، لبوں پہ بڑی پیاری سی مسکراہٹ تھی، نصیر کا دل سینے سے باہر آنے لگا، واسع کی تمہید یونہی نہیں تھی۔ اور معاملہ بھی بدلئی کا، وہ آخر کیا کہنے والا تھا۔ نصیر نے دوستی کے بھروسے اپنا ہاتھ اس کی کھلی ہتھیلی پہ رکھ دیا۔

"بولو کیا کرنا ہوگا؟"

"تم اور میں اپنے اپنے گھر سے اس رسم کو ختم کرنے کا آغاز کریں گے۔ لیکن اس طرح کہ نہ تو ہمارے بڑوں کو شک ہو اور نہ ہی وہ کوئی اعتراض اٹھا سکیں۔"

"اچھا۔" نصیر متعجب ہوا۔ "پر یہ کیسے ممکن ہے کہ انہیں خبر بھی نہ ہو۔"

"فرض کرو نصیر کہ تمہاری خواہش ہمارے ہاں رشتہ مانگنے کی ہے تو اس کا مطلب صرف ایک رشتہ ہوگا۔ تم اس کے لیے اپنی بہن کا استعمال نہیں کرو گے۔"

"ہوں، یہاں تک تو سمجھ گیا۔"

"لیکن اگر تم نے پہلے رشتہ مانگ لیا تو تمہارے بڑے لامحالہ بدلئی کی بات کریں گے۔"

"ہوں۔ یہ بھی صحیح۔" نصیر اب سر ہلا کر محض سن رہا تھا۔

"تو میرا آئیڈیا یہ ہے نصیر کہ تمہارے رشتہ مانگنے سے پہلے میرا کہیں رشتہ ہو جائے۔"

"یعنی کہ وہاں جہاں تم چاہتے ہو؟" نصیر کے ذہن میں فوراً نازنین آئی۔

"ہاں، کیونکہ وہ اکیلی ہے، وہاں بدلئی کا سوال نہیں اٹھ سکتا۔ اور میں نغمہ بھابی کی بہن کی بات کر رہا ہوں۔" واسع نے اپنی طرف سے راز افشا کیا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ نصیر پہلے ہی اس حقیقت سے آگاہ ہے۔ نصیر نے نازنین کے نام پر بس ہلکا سا مسکرا کر پسندیدگی ظاہر کی۔

"تو بس، جیسے ہی میرا وہاں رشتہ پکا ہو جائے، تم صرف اپنا رشتہ لے کر آ جانا، اس طرح کسی کو اعتراض بھی نہیں ہوگا اور ہم بدلئی کی رسم ترک کرنے کی طرف اپنا پہلا قدم بھی بڑھا دیں گے۔"

"بات تو صحیح ہے۔" نصیر اندرونی خوشی پر بمشکل ضبط کیے نارمل نظر آنے میں کوشاں تھا۔

"مسئلہ بس اتنا ہے کہ محترم مجھ سے عمر میں بڑے ہیں لیکن ہو سکتا ہے سہرا پہلے میرے سر۔" اور نصیر کے ٹوپی پھینک کے مارنے پر وہ قہقہہ لگاتے جھکائی دے گیا۔

"ارے میرا دوسرا آئیڈیا بھی تو سنو۔" اس نے ٹوپی اٹھا کر واپس نصیر کی طرف پھینکی۔

"بکو۔"

"بھئی یہ تو ہوگئی میری اور تمہاری منصوبہ بندی، پورے خاندان کا مسئلہ تو جوں کا توں ہے۔"

"ہاں.....تو....."

"تو میں مجیب چاچا اور اکا جان کی صلح کے بارے میں سوچ رہا ہوں، تاکہ رئیس۔"

"یہ ذرا بہت ہیوی پلان نہیں؟" نصیر بے یقین تھا۔

"کچھ زیادہ ہیوی نہیں ہے۔ میرے ذہن میں کچھ ہے۔"

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''تو مطلب اس سلسلے میں بھی وکیل صاحب کچھ سوچے بیٹھے ہیں۔'' شوخی نصیر کے لہجے سے خود بخود جھلکنے لگی تھی، واسع بھی کھل کر ہنسا۔

''بظاہر واقعی ناممکنات میں سے ہے لیکن یار! رئیس کی پچھلی رات والی حرکت نے اتنا ڈسٹرب کیا کہ بنا سوچے مجیب چاچا سے بات کرلی۔''

''کیا کہا؟''

''یہی کہ اکا جان کی فیملی سے صلح کرلیں اور رئیس پشینہ.....''

''ہوں؟'' نصیر نے یوں واسع کو دیکھا جیسے کوئی کسی دیوانے کو اس کی نہ سمجھ میں آنے والی حرکت پر بے یقینی سے دیکھے۔

''یعنی نہ صرف صلح بلکہ رشتہ بھی؟ وہ تو سمجھ رہا تھا، واسع نے ماما سے رئیس کو شہر وغیرہ بھیجنے یا اس کی کہیں شادی کردینے کی بات کی ہوگی۔''

''یار! اب ایسی بھی انہونی نہیں ہے۔ سگے بھائی ہیں آخر۔ سفید داڑھیوں کے ساتھ دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت لیے قبروں میں جا پڑیں گے۔'' قطع رحمی پر اُلٹا مجھے آیتیں اور حدیثیں بھی یاد دلانا پڑ گئیں۔''

''ہاہاہا۔'' نصیر کو واسع کی سنجیدگی پر پیار آیا۔ سخت ناراضی سے منہ پھلائے اس وقت وہ چچا اور تایا پر خوب تپا نظر آیا۔

''تو پھر کچھ اثر بھی لیا انہوں نے؟''

''کہنے لگے۔ میں کہاں ناراض ہوں، ان ہی نے توڑے تھے رشتے ناتے، قصوروار جو ہم ٹھہرے، خفا ہونے کا حق بھی ہمیں کب تھا۔''

''اور اب رہی سہی کسر رئیس نے پوری کردی، مطلب سیف لالہ کو جلتے توے سے اترنے نہیں دیں گے۔'' نصیر نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''تو ایک ٹھنڈا گھڑا تم ہی اُنڈیل آؤ سیف لالہ پر.....''

''مطلب؟'' نصیر نے مشکوک نظروں سے گھورا۔

''مجیب چاچا سے میں نے بات کی ہے نا۔ تو اب دوسری پارٹی کو تم مناؤ گے۔'' واسع نے چھت کو دیکھتے انجان بننے کی کوشش کی۔

''واہ صاحب۔ یعنی تمہیں بھوک لگے تو تم ہاتھ بڑھا کر گرم نوالہ توڑ لو، اور ہمیں لگے تو ہم پہلے کھیت میں گندم بوئیں۔'' نصیر تڑپ ہی اُٹھا اس دھاندلی پر۔

''اپنا اپنا نصیب ہے۔'' واسع نے مسکراہٹ ضبط کرنے کی کوشش کی۔ نصیر کا اچھلنا بھی سمجھ میں آنے والا تھا۔ سیف لالہ کی مثال چوہوں کی اس مجلس میں بلے والی تھی، اب ان کے گلے میں گھنٹی کون باندھے۔

''یار اب میری مجبوری بھی سمجھو نا۔ میرے وہ تقریباً سالا بننے والے ہیں۔ ایسے نازک موقع پر کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''

واسع نے اپنی بے بسی ظاہر کی اور نصیر بے ساختہ ایک خیال آنے پر مسکرا کر رہ گیا۔ رشتے میں تو اب واسع بھی اس کا سالا بننے والا تھا۔ چٹکی لینے کو دل بے چین تو ہوا کہ تم بھی تو سالا ہونے کا فائدہ اُٹھا رہے ہو لیکن مارے شرم کے کہہ نہیں سکا۔

''چلو تو پھر تمہاری بلکہ رئیس کی خاطر یہ کوشش بھی کر دیکھتے ہیں۔ لیکن تم ادھر کب رشتہ مانگ رہے ہو؟''

''اماں سے بات کرتا ہوں، ان شاء اللہ جلد ہی۔'' نصیر کو اٹھتا دیکھ کر واسع بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ سب سننے میں بہت اچھا لگ رہا ہے نا واسع۔ بدلے کا ختم ہونا، سب کی مرضی خوشی کا خیال رکھتے ان کے رشتے کروانا، خاندان کی برسوں پرانی رنجشیں دور کرانا۔ کاش یہ سب ممکن بھی ہوجائے۔'' نصیر کے لہجے میں یاس و حسرت جھلکتی تھی۔

''مایوس کیوں ہو؟'' واسع نے جان لینا چاہا۔

''معلوم نہیں کیوں، پر دل خوش ہونے کے بجائے بھاری سا ہونے لگا ہے۔''

''جتنا بھی بھاری ہوجائے، میں سیف لالہ کی ذمہ داری واپس نہیں لینے والا۔'' واسع نے ابرو چڑھا کر واضح کیا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"تہ ڈیرا خبیث ائے۔" نصیر نے ہنستے ہوئے اس کے شانے پہ مکا مارا۔

"کہاں کا ارادہ ہے؟" دونوں ایک ساتھ ڈیرے کے دروازے سے باہر نکلے تو واسع نے ایک نظر دیکھا۔

"مجیب ماما کی طرف ہی جاتا ہوں۔ دیکھتا ہوں تمہاری باتوں کا کتنا اثر ہوا، شاید مجھ سے شیئر کریں۔ تو میں بھی سمجھانے میں اپنا کردار ادا کروں گا، پھر رئیس سے بھی ملنا ہے۔"

"جیتے رہو میرے شیر۔ اللہ سرخرو فرمائے۔"

واسع نے ہنس کر وداع کیا اور نصیر مجیب ماما کے گھر کی طرف بڑھ گیا۔ واسع کی باتوں نے ذہن کھولنے میں مدد دی تھی۔

واسع نے جس راہ پر قدم رکھا تھا، راستہ اگرچہ بہت طویل تھا، حتیٰ کہ ابھی خود واسع کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس راہ کے صرف وہی دو مسافر نہیں تھے، یہاں تو ہر گھر میں ان کا حمایتی موجود تھا، ضرورت صرف اس ہمت اور جرأت کی تھی جس کا مظاہرہ کرنے کی ابھی صرف واسع نے ٹھانی تھی۔ اور اب نصیر بھی بلاشک وشبہ اس کا مددگار تھا۔ اور اب تو اس کے کندھوں پر سیف لالہ کو منانے کی ذمہ داری آن پڑی تھی۔ تو دل نے کہا، کیوں نہ سیف لالہ کو لفظوں سے قائل کرنے کے بجائے عملی ثبوت فراہم کیا جائے۔

مجیب ماما کے گھر میں نگینہ والے واقعے کے بعد صرف زیبا کی شادی ہوئی تھی، وہ بھی کن حالات اور کیسے لوگوں میں ہوئی، سب نے نہ صرف دیکھا بلکہ دیکھ کر چپ بھی رہے۔ اب ان کے ہاں پڑھ لکھ کر واپس آنے والے رئیس اور اسفند کی باری تھی۔ تو پھر اس گھر میں وہ اپنی بہن بیاہ کر کیوں نہ سیف لالہ کے ساتھ ساتھ پوری برادری پہ یہ باور کرے کہ نگینہ کے عمل سے وہ سب اچھوت نہیں ہو جاتے۔ رئیس اور پشمینہ کے لیے اکا جان کی فیملی کو منانے کے لیے اگر وہ اسفند اور زمرد کا رشتہ طے کر دے تو سیف لالہ بھی شاید سوچنے پر مجبور جائیں۔ پھر تو وہ بھی اعتماد سے انہیں سمجھا سکتا ہے کہ کسی ایک کے عمل کی سزا باقیوں کو دینا جائز نہیں۔ اسفند کا رشتہ اپنے جیسوں میں ہو سکتا ہے تو رئیس کو بھی یہ سزا کیوں ملے۔ کاش وہ سمجھ جائیں۔ آخر میں دعا کے انداز میں تمنا کرتے وہ مجیب ماما کے گھر میں داخل ہو گیا۔

☆☆☆

"نازنین۔" ذکی نے اپنی چبھتی تیز نگاہ میں اس کومل سراپے کو بھرتے میز پہ جمی گرد کی تہہ پر انگلی سے ایک نسوانی خاکہ کھینچا۔ "اس ہیرے کی تراش اور واسع کی مات کو ایک ہی جھٹکے میں انجام دینے کے لیے ذکی نے تو کچھ اور ہی سوچ رکھا ہے عبدالواسع خان۔ وہ بھرپور کمینگی سے ہنسا۔

"ابھی میں نے ایک ہی ہار تسلیم کی ہے، اور یاد رکھنا واسع خان، ذکی تمہیں دوبارہ بھی جیت کے نشے سے لطف اندوز نہیں ہونے دے گا۔ ایک بس ہوا ساز گار ہونے کی دیر ہے۔ تم بھی نہیں سمجھ سکتیں رباب! تم نے ذکی کی آنکھوں میں جنون کی جن لہروں کو تیرتے دیکھا ہے، وہ محبت نہیں وہ تو آگ کی لپٹیں ہیں جنہیں نازنین کا حصول نہیں تمہارے بھائی کی شکست ہی ٹھنڈا کر سکتی ہے۔ عبدالواسع کی محبت کو اپنا بنا کر اس کی آنکھوں کے سامنے اتنا تڑپاؤں گا، اتنا ستاؤں گا کہ باغ کی ٹھنڈی ہوائیں شعلوں جیسی اس کے وجود سے لپٹیں گی۔ اور وہ باغ واپس لینے کے اپنے فیصلے پر زندگی بھر پچھتائے گا۔ لیکن افسوس کچھ بھی نہیں کر سکے گا ذکی نے پھونک مار کر خاکے اور مٹی کو یکجان کیا اور زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔

☆☆☆

"ائے ماشاء اللہ۔ آج تو نصیر آیا ہے۔" دادی کی چہکتی آواز برآمدے میں سنائی دی تو رباب کا ہاتھ ساکت ہوا۔ وہ کمرے میں بیٹھی گود میں نلکیوں کا ڈبا کھولے مطلوبہ رنگ تلاش کر رہی تھی۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''اُن کے ہاں واقعی نصیر آیا تھا؟'' وہ تو مدت ہوئی اس کی راہ دیکھنا ہی چھوڑ چکی تھی، آج بھولے بھٹکے وہ ادھر کہاں آ نکلا۔ دل میں دیکھ لینے کی تمنا شدید تر ہوئی لیکن اس نے خود پر ضبط کیا۔ پچھلی مرتبہ کوئی دو ہفتے پہلے وہ یہاں آیا تھا، پر ایک دروازے سے داخل ہو کر دادی اور اماں کو سلام کرتے اسی تیزی سے دوسرے دروازے سے چلا بھی گیا۔ یہ فارمیلٹی بھی یقیناً دادی کی وجہ سے نبھائی ہوگی۔

''سنگئے خانم؟'' بھاری نرم آواز دروازے میں سنائی دی اور وہ ایک دم گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ گتے کا ڈبا گود سے دھم کر کے گرا اور ڈھیروں ڈھیر نلکیاں یہاں وہاں لڑھک گئیں۔ نصیر نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے دلچسپی سے اس کی گھبراہٹ کو دیکھا۔ رباب کی سمجھ میں نصیر کی خوش مزاجی تو نہ آئی، نیچے بیٹھ کر لرزتے ہاتھوں سے نلکیاں سمیٹنے لگی۔ نصیر چوکھٹ سے کندھا ٹکائے ہاتھ سینے پر باندھے تسلی سے اس کی گھبراہٹ دیکھنے لگا۔ سالے صاحب کی حمایت اس کے صبر کا پھل تھی۔ آج تو وہ رباب سے ہی ملنے آیا تھا۔ اس کے گلے شکوے منانے تھے، خوش خبری سنانا تھی، تسلی دینا تھی۔

رباب نے اُلٹے سیدھے ہاتھ مارتے کسی طرح نلکیوں کو ڈبے میں ڈالا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ گلابی آنچل سر پر ٹکاتے وہ نئی دیوار سے لگے ایک دوسرے پر رکھے ٹرنکوں کی طرف بڑھ گئی اور نلکیاں وہاں رکھ کر بھی بلاوجہ چیزوں کو ہاتھ مارتے، تھیلوں کو کھولتے بند کرتے وہیں کھڑی رہی۔ نصیر نے اس کی الٹی سیدھی حرکات کو کچھ دیر محظوظ ہو کر دیکھا اور پھر دروازے سے کندھا ہٹاتے قدم قدم چل کر اس کے قریب آیا۔

''بہت خفا ہو؟'' وہ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔ رباب کا ہاتھ شاپر پہ ساکت ہوا۔

''میں نے بہت پریشان کیا تمہیں۔ ہے نا؟'' لہجے میں اجنبیت تو آج نام کو نہ تھی۔

''مجھ سے وجہ پوچھو شیرینے۔ جھگڑا کرو، غصہ نکالو۔'' وہ رسان سے کہے جا رہا تھا، شک کی گنجائش نہ رہی، اس کا نصیر لوٹ آیا تھا، خوشی بے یقینی کی صورت پلکوں سے بہہ نکلی، چھپانے کی کوشش بے سود تھی، آنسوؤں پر اختیار بالکل ہی ختم ہو گیا تھا۔ وہ سسکیاں لے رہی تھی اور نصیر مسکرا رہا تھا۔ رباب کے آنسوؤں کا بھی اختتام ہوا چاہتا تھا۔ مل کر مسکرانے کے دن آ رہے تھے۔

''وقت کم ہے رباب، اور باتیں بہت ساری، کال پر کچھ ٹائم نکالو۔ ابھی شاید واسع بھی آنے والا ہو۔'' نصیر نے سبھاؤ سے اپنی مجبوری بتائی۔

''موبائل خراب ہوا پڑا ہے۔'' رباب نے روتے روتے بے ساختہ سر اٹھایا۔

''اوہ۔'' نصیر نے لب بھینچے، انداز سوچنے جیسا تھا، رباب اب حیران ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا کوئی امید پیدا ہوئی ہے نصیر؟'' رباب اس کے آج کے رویے پر ابھی تک پر تجسس تھی۔ نصیر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''صرف امید نہیں گلے۔ مکمل بھروسا رکھو۔ اب سب صحیح ہو جائے گا۔ اپنے پچھلے رویے کی معافی چاہتا ہوں، لیکن وہ بھی کچھ ان ہی الجھنوں کی وجہ سے تھا۔ پر اب کوئی مسئلہ نہیں۔'' وہ تسلی آمیز انداز میں مسکرایا۔

''نصیر! میں بہت پریشان ہوں ایک وجہ سے۔'' رباب نے چاہا کہ آج وہ کھل کر نصیر کو بتا ہی دے۔

''کس وجہ سے۔ کیا ہوا ہے؟'' نصیر نے بھی محسوس کیا کہ باوجود اس کی تسلی اور دلاسے کے پریشانی رباب کے چہرے پر جوں کی توں تھی۔

''مجھے پتا ہے نصیر! تم اس لیے خوش ہو کہ جبار چاچا کی طرف سے انکار ہو گیا ہے لیکن صرف اتنی سی بات سے ہمیں خوش نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے گھر میں واسع لالہ کی پسند کا معاملہ بھی۔''

''ارے پاگلے! سب جانتا ہوں۔'' نصیر ہلکا پھلکا سا ہو کر ہنس دیا، تو رباب کی پریشانی بھی وہی تھی جو اتنے دنوں اس کے حلق کا کانٹا بن کر پھنسی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''تم اور مامی بس اتنا کرو کہ واسع جب اپنی پسند کی جگہ رشتہ لے جانے کو کہے تو اس کا کہا مان لو، باقی کسی بات کی فکر مت کرنا۔ واسع ہمارے رشتے کے لیے راضی ہے، بنا کسی ادلہ بدلی کے جھنجھٹ کے۔''

''اچھا؟'' وہ حیران حیران اس کا چہرا دیکھ رہی تھی جب بیرونی دروازے پر باری کی آواز سنائی دی۔ اور نصیرا سے حیران چھوڑ کر جلدی سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

''بہت غصہ ہو نازنین؟'' پشمینہ نے آہستہ سے اپنا ہاتھ خاموش ساکت بیٹھی نازنین کے ہاتھ پہ رکھا، معلوم نہیں وہ آج کل کیسی سوچوں میں غرق رہتی تھی، بالکل ہی گم صم ہو چکی تھی۔ صبح سویرے چپ چاپ تیاری کر کے اسکول چلی جاتی اور واپس آ کر اسی خاموشی سے بیٹھک والے کمرے کی پناہ میں چلی جاتی۔

رئیس والے واقعے کے بعد سے ان کا چھت پر جانا بند ہو گیا تھا۔ سیف لالہ کی گھر میں موجودگی میں تو پشمینہ بھی کہیں چھپ جاتی۔ بابا نے سخت قسمیں دے کر اسے کسی بھی سخت عمل سے روک دیا تھا۔ ورنہ بعید نہیں تھا سامنے دکھائی دیتی پشمینہ کو وہ پل میں ڈھیر کر دیتا۔ ہاں لیکن نازنین کی خاموشی پشمینہ کے لیے سیف لالہ کے رویے سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھی۔ وہ خود کو اس کا مجرم سمجھتے اب اس کے سامنے بیٹھی اسے منانے میں لگی تھی۔

''خدا کے لیے کچھ بولو نازنین۔'' پشمینہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ ''مجھے برا بھلا کہو، جھگڑا کرو، طعنے دو لیکن اس طرح چپ نہ رہو۔ پلیز نازنین۔''

وہ باقاعدہ رو دی۔ ایک ہی تو ہمدرد غمگسار دوست تھی اس کی، دکھ درد سننے والی کا اجنبیت بھرا رویہ اسے ایک دم اکیلا کر رہا تھا۔

ایک بار نازنین اسے معاف کر دیتی تو وہ اس کے گلے لگ کر جی بھر کے اپنے اور رئیس کے غم پر رونا چاہتی تھی۔ کسی اور سے کہنا یا رئیس کا حال دریافت کرنا تو کسی صورت ممکن ہی نہ تھا۔ بھی نازنین کے ہاتھ پہ رکھے اپنے ہاتھ میں جنبش تک محسوس نہ کرتے وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ گئی۔ نازنین نے اسے آج بھی معاف نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

''ذکی..... تت..... تم.....'' رباب کے حلق میں اسے سامنے دیکھ کر کچھ پھنسنے لگا۔ ناشتے سے فراغت کے بعد اس نے کڑھائی کا کام سنبھالا ہی تھا کہ ذکی گھر میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔ وہ جلدی سے کمرے میں بھاگ آئی تھی۔ ذکی نے دواؤں کا تھیلا دادی کے ہاتھ میں دیا اور تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد رباب کے پاس کمرے میں آن کھڑا ہوا۔ واسع اپنے آفس گیا تھا اور باری کالج گیا تھا۔ ذکی نے بھی جان بوجھ کر یہی وقت چنا تھا۔

''بہت خوب رباب۔ کیا کہنے بھئی تمہاری پلاننگ کے؟'' وہ عین اس کے سر پر کھڑا سخت اکھڑے لہجے میں مخاطب تھا۔ ''اپنا مطلب نکلوا کر اب موبائل بھی آف کر دیا۔''

''ن..... نہیں ذکی! موبائل خراب ہوا پڑا ہے۔'' اس نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ''اور..... اور میں نے کچھ نہیں کیا، تم کیا کہہ رہے ہو۔''

''ہاں ہاں۔ تمہیں تو جیسے خبر ہی کچھ نہیں۔'' وہ غصے سے کچھ اور آگے آیا، رباب ڈر کر پیچھے ہٹی۔ یہ ذکی تو ایک مصیبت کی طرح اس کے سر پہ مسلط ہو چکا تھا۔

''دو چار دنوں میں نصیرا اپنی منگنی کی مٹھائی کھلاتا پھرے گا اور میں اس سے یہ کہنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوں کہ یہ سب میرے مرہون منت ہے۔ تو کیوں رباب۔ آخر کس بنیاد پہ میں نقصان اٹھاؤں۔'' کیا اس لیے کہ تمہارا بھائی ہم سے اپنا باغ چھین کر لے گیا اور میں۔ میں نے مزید اعلا ظرفی دکھاتے تمہاری خوشی کی خاطر انکار بھی پھوپھی کے حوالے کر دیا۔۔ اور تم۔۔ تم پلٹ کر پوچھتی بھی نہیں۔

''ذکی! میں تمہارا کہنا مان کر نازنین کو لائی تھی۔ اب.....''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"تو اب میرا کہنا مان کر نازنین کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اگر میری اماں واسع کا رشتہ لائے تو صاف انکار کر دینا۔"

"کیا؟" وہ دبا دبا چیخ اُٹھی۔

"ہاں، میں یہی کہہ رہا ہوں رباب کہ جا کر نازنین کو اپنی اور نصیر کی مجبوری بتاؤ اور اسے انکار پر مجبور کرو، اسے کہو کہ تمہاری شادی نصیر سے تب ہی ممکن ہے جب واسع کی شادی زمرد سے ہو۔"

"لیکن ذکی۔ اب تو یہ ضروری نہیں۔" رباب کو نصیر کی آخری بات یاد آئی۔

"کیا مطلب؟ کیا ضروری نہیں؟" ذکی ٹھٹکا۔

"نصیر نے کہا ہے کہ وہ بنا بدلئی کی بات کیے میرا رشتہ مانگے گا۔ پھر تو واسع زمرد کا رشتہ ضروری نہیں نا۔" رباب نے ڈرتے ڈرتے سچ اُگل دیا۔

"اووو۔" ذکی نے اپنے کھولتے جذبات پر بمشکل قابو پایا۔

"تو مطلب، اب تم اپنی محبت کو حاصل کر لو گی اور تمہارا بھائی اپنی۔ اور رہ گیا میں..... تم دونوں کے ہاتھوں احمق بننے کے لیے۔"

"تم نے کہا تھا، میں بنا غرض کے یہ کام کر رہا ہوں۔" رباب نے اس دن والا رویہ یاد کیا، جبکہ آج تو لگ ہی نہیں رہا تھا، یہ وہی ذکی ہے۔

"تم جیسے مطلب پرستوں پہ احسان کروں؟" ذکی نے پل میں جواز گھڑا۔ یہاں اتنا کچھ تبدیل ہو گیا تھا، یونہی اچھائی کا ڈھونگ کرتا رہا تو کھڑا منہ دیکھتا رہے گا۔ یہ سوچ کر اچھائی کا نقاب بھی پل میں اُتار پھینکا۔ اسے اب اپنی کامیابی سے مطلب تھا۔ رباب کیا سوچتی ہے اس کی بلا سے۔

"تم بھائی بہن کے منصوبے میں ایک پھونک میں اُڑا دوں گا۔ چاہو تو اپنے بھائی کو بتا دو، مجھے کسی کی پروا نہیں۔ اور سنو۔" وہ جاتے جاتے رُکا۔

"یہ تمہارا نصیر جس انکار پر اُچھل رہا ہے، میری ایک فون کال پر وہ بھی اقرار میں تبدیل ہو جائے گا۔ پھر دیکھتا ہوں پھوپھی تمہارا رشتہ مانگنے آتی ہیں یا نیلم کا۔ اس لیے یاد رکھو رباب۔"

وہ اس کے قریب آتے انگلی اٹھا کر سانپ کی سی سرسراہٹ سے متنبہ کر رہا تھا۔

"اگر میرے لیے نازنین نہیں تو پھر نصیر کے لیے رباب بھی نہیں۔"

"ذکی۔" رباب کے گھٹے گھٹے گلے سے آواز بڑی دقت سے باہر آئی۔ آنکھوں کے سامنے نصیر کا مسکراتا خوش باش چہرا گھومنے لگا جس کی ساری خوشی کو ذکی کی ایک فون کال سے ملیامیٹ کرنے والا تھا۔ رباب لرز کر اس کے پیچھے آئی۔

"رک جاؤ ذکی۔ خدا کے لیے۔ ابھی کچھ مت کرنا۔"

"رک جاؤں تاکہ مہلت ملنے پر تم کوئی اور پلان تیار کر لو۔" وہ اب پھنکار رہا تھا۔

"تمہیں دیکھ لیا رباب۔ اب تو بس پھوپھی سے دوبارہ رشتے کی بات ہو گی اور ہاں۔" وہ جاتے جاتے مسکرا کر پلٹا۔

"نصیر یا واسع نے وجہ پوچھی تو ان کے لیے میرے پاس تمہاری کچھ فون کالز کی ریکارڈنگ موجود ہے۔"

"تت..... تم نے مجھے بہن کہا تھا ذکی۔" رباب کی رنگت ہلدی ہو گئی۔ نصیر یا واسع کو یہ پتا چلنا قیامت تھا کہ اس نے ذکی سے نازنین کو اکیلے میں ملوایا تھا۔ خدا انہیں غارت کرے ذکی، یہ اسے کس مقام پہ لا کھڑا کیا تھا۔ ابھی تو وہ اس نئی نئی خوشی کو پوری طرح سنبھال بھی نہیں پائی تھی۔

"رک جاؤ ذکی۔ مجھے تمہاری ہر بات منظور ہے۔" اس نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں فیصلہ سناتے اپنے ضمیر کو وہاں سے رخصت ہوتے دیکھا۔ شاید اس کے پاس کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ نازنین اور واسع بے خبری میں اس کی محبت پر قربان ہونے جا رہے تھے۔ اور یہ سب رباب کی بس ایک غلطی کا خمیازہ تھا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اس نے سامنے بیٹھے دونوں مردوں کو باری باری دیکھا۔ ایک وہ تھا جو سر جھکائے شکستہ، ہارا ہوا سا بیٹھا تھا، جیسے اپنا سب کچھ کھو چکا ہو اور ایک وہ تھا جس کے چہرے کا تاسف اور دکھ اتنا گہرا اور عیاں تھا جیسے سب کچھ پا کر بھی کھو دیا ہو، ہار گیا ہو۔ اس کی زندگی کے گزشتہ پندرہ سال بھاپ کی طرح اڑ گئے ہوں اور پیچھے بس ایک سفیدی سی رہ گئی ہو جو سب تمام ہو جانے کا پتا دیتی ہو۔

وہ ان دونوں چہروں میں اپنا وجود تلاش کر رہی تھی۔ وہ کسے اپنا کہے اور کسے پرایا۔ وہ، جسے وہ پچھلے پندرہ سال سے بابا کہتی رہی ہے یا وہ جواب اس کے منہ سے بابا کہلوانے کے لیے تڑپ رہا ہے۔ وہ کس کا خون تھی آخر؟ کس کی نسل میں سے تھی؟ جو اسے پالتا رہا تھا، وہ..... یا جو بنا پالے ہی اس کا باپ ہونے کا دعوا کر رہا تھا۔ اس کی ماں خاموش تھی۔ کیونکہ اس کے پاس بولنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ اس نے سب بتا کر جیسے فیصلہ اس پہ چھوڑ دیا تھا۔ اس پندرہ سال کی بچی پر۔ لیکن کیا اتنا کافی تھا؟ اس کے اندر جو ایک شور تھا، سوالات کا ہجوم تھا۔ جواب کون دیتا۔ لیکن اس کی ماں ایک ٹھنڈے مجسمے کی طرح بالکل ساکت اور جامد تھی۔ وہ اپنی بیٹی کو کیا بتاتی کہ اسی مرد نے پندرہ سال قبل بھی اسے ایسے سنگی مجسمے میں ہی بدل دیا تھا اگر باہر بیٹھا وہ دوسرا مرد نہ ہوتا تو.....

اس نے مڑ کر ماں کی طرف دیکھا جو راکنگ چیئر پہ بیٹھی تھی لیکن جھول نہیں رہی تھی۔ اس کی ساکت سی پتلیوں میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوتا تھا اور وہ فرنیچ ونڈو سے باہر ان دونوں کو لان کی کرسیوں پہ بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ وہ جیسے پندرہ سال پہلے کے دور میں یا اس سے بھی پہلے کے دور میں داخل ہو رہی تھی۔

☆☆☆

علی اور افزا کی شادی ٹھیک ٹھاک قسم کی محبت کے بعد ہوئی تھی، یہ بات سب ہی جانتے تھے۔ وہ دونوں یونیورسٹی فیلوز تھے اور وہیں ان کی محبت کا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ناولٹ

میمونہ صدف

# خالی ہاتھ

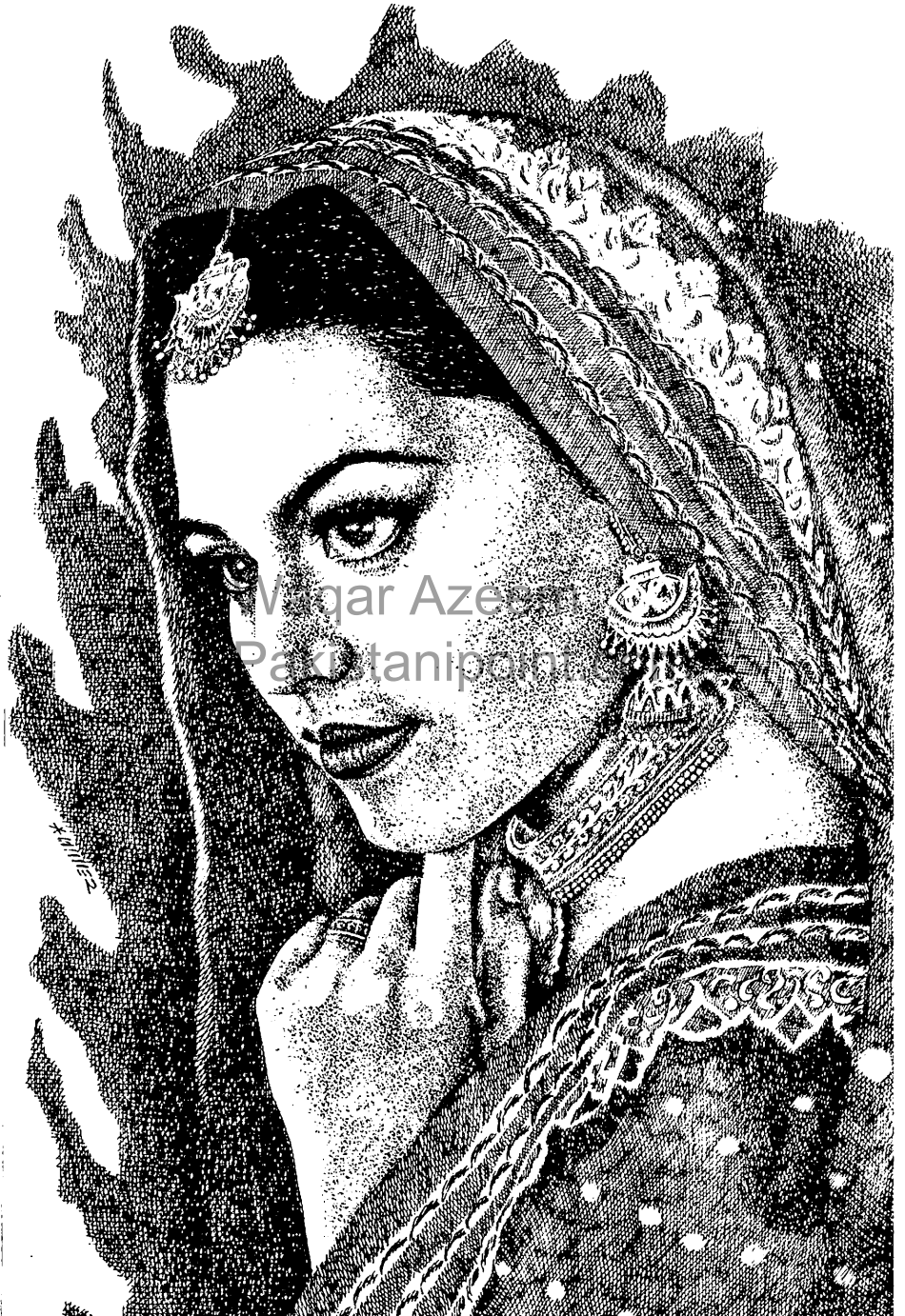

Waqar Azeem
Pakistanipoint

آغاز ہوا تھا۔ پہلے وہ محض کلاس فیلوز تھے، پھر اچھے دوست بنے اور جلد ہی یہ دوستی محبت میں تبدیل ہوگئی تھی۔

پوری یونیورسٹی ان کی محبت کی گواہ تھی۔ علی نے ساری یونیورسٹی کے سامنے افزا کے سامنے زمین پہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ہاتھ میں پھول تھامے بالکل روایتی انداز سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ افزا اس کی اس حرکت پہ پہلے حیران ہوئی تھی پھر اس نے بخوشی اس کے ہاتھ سے پھول تھام لیا اور مسکرا دی۔ اردگرد موجود تمام لوگوں نے جو اس منظر کے گواہ تھے ان دونوں کے لیے تالیاں بجائی تھیں۔ ان کی محبت کو سراہتے ان کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا۔

''کیا میں سمجھوں کہ تم مجھ سے محبت کا اظہار کر رہے ہو؟'' جس محبت کی خوشبو کو وہ پہلے سے پا گئی تھی، اس کے اقرار کو سننے کے لیے بے چین ہوئے جا رہی تھی۔

''بالکل نہیں۔ میں تمہیں پروپوز کر رہا ہوں اور پوری یونیورسٹی کے سامنے کر رہا ہوں تاکہ کل کو ہم دونوں میں سے کوئی مکر نہ جائے۔'' افزا کے لیے علی کی یہ بچکانہ حرکت ہنسی کا باعث بن رہی تھی لیکن اس نے خود پہ قابو رکھا۔ وہ بالکل ٹین ایج لڑکوں کی طرح کی حرکتیں کر رہا تھا۔

''میں تو کبھی نہیں مکرنے والی لیکن اگر تم مکر گئے تو.....؟'' وہ ایک ادا سے اسے چھیڑ رہی تھی۔

''اپنے وجود سے تو مکر سکتا ہوں، تم سے محبت سے کبھی نہیں مکر سکتا۔'' افزا کے لیے علی کا یہ انداز نیا تھا۔ وہ بھلے پہلے سے اسے پسند کرتا تھا مگر کبھی اظہار نہیں کرتا تھا۔ افزا کے لیے اس کی پسندیدگی بس آنکھوں سے عیاں ہوتی تھی۔ لیکن اس وقت وہ اس سے کھل کر اظہار کر رہا تھا۔

پھول کے بعد اس نے ایک چھوٹی سی مخملی ڈبیا اس کے سامنے کی تھی۔ افزا نے اسے تھام کر اسے کھولا۔ اندر ایک حسین سی تین نگوں والی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔

''تو تم یہ مجھے قید کرنے کے لیے لائے ہو۔'' اس نے خود پہننے کے بجائے انگوٹھی نکال کر — علی کی جانب بڑھا دی کہ وہ ہی اسے پہنائے۔ علی نے اسے تھام کر کھڑے ہوتے ہوئے اس کی انگلی میں پہنا دی۔

''تم ساحرہ ہو جو مجھے قید کر چکی ہے۔ کوئی طریقہ تو میرے پاس بھی ہو تمہیں قید کرنے کا۔'' خوب صورت انگوٹھی، حسین ہاتھ کی زینت بن چکی تھی اور وہ اس کی زندگی کی۔

ان کی محبت کی راہ میں کسی نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ گھر والوں نے خوشی خوشی اس رشتے کو قبول کیا تھا۔ یہ ان دونوں کی زندگی تھی اور اسے وہ ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر ہی چکے تھے تو ان کے گھر والوں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ افزا، علی کے گھر والوں کو بے حد پسند آئی تھی۔ وہ ان کی طرح اعلا اور اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ علی کے پاپا بیوروکریٹ تھے تو افزا کے ڈیڈی بھی مل اونر تھے۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کے ہم پلہ تھے سو ان کا رشتہ سب کی دلی آمادگی سے طے پایا تھا۔ منگنی کے بعد انہیں اور آزادی مل گئی تھی۔ ان کا کپل 'لو برڈز' کے نام سے مشہور تھا اور وہ اس بات پہ دل کھول کر ہنسا کرتے تھے۔ کہیں سے انھیں 'میڈ فار ایچ اور' کا ٹائٹل سننے کو ملتا اور کہیں سے 'چاند سورج' کی جوڑی کا۔ اگر افزا حسین تھی تو علی بے حد وجیہہ۔ افزا ذہین تھی تو علی کمال کا حاضر دماغ۔

''دیکھو، دنیا بھی کہتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں۔'' علی محظوظ ہوتا تھا۔

''دنیا کہے نہ کہے۔ اس سے فرق نہیں پڑتا۔ ہمارا ماننا اہم ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں تو ہم بنے ہیں۔'' افزا کی بات پہ وہ مسکرا دیا۔

''اور ہم مانتے ہیں تب ہی تو دنیا سے منوا کر چھوڑا ہے۔'' وہ ایک مان اور ادا سے کہتی علی کو بڑی پیاری لگتی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بہت دھوم دھام سے ان کی شادی ہوئی تھی۔ ان کے جاننے والوں میں کوئی ایسا نہیں رہا تھا جو شادی پہ مدعو نہ کیا گیا ہو۔ پیسہ تھا تو خوب شان و شوکت سے لگایا بھی گیا تھا۔ ہفتوں ان کے شادی کے فنکشنز چلے تھے۔ ڈھولکی، مایوں، مہندی، نکاح، بارات، ولیمہ۔ کسی شے کی کوئی کمی نہ رکھی گئی تھی۔ ہر تقریب کو کامیاب بنانے کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک کوشش کی گئی تھی۔ ڈیزائنر ڈریسز اور مہنگے پارلرز نے افزا کو کسی ریاست کی شہزادی بنا دیا تھا۔ باقی کمی علی کی والہانہ نظروں اور جذبات لٹاتی باتوں نے پوری کر دی تھی کہ وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ نظر ٹھہر ہی نہ پا رہی تھی۔

''مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ کوئی لڑکی اپنی شادی پہ اس قدر حسین بھی لگ سکتی ہے۔ ورنہ میں بہت پہلے ہی شادی کر لیتا۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھا اس سے کہہ رہا تھا۔ افزا کی مہندی سے سجی مخروطی انگلیاں علی کے ہاتھ میں تھیں اور وہ اس کی انگلی میں ہیرے کی نازک سی انگوٹھی پہنا رہا تھا۔

''اندازہ تو مجھے بھی نہیں تھا کہ تم جتنا رومینٹک ایز اے بوائے فرینڈ تھے اس سے کہیں زیادہ ہزبینڈ بن کر ہو گے۔'' وہ پہلے اس انگوٹھی پھر علی کو محبت سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ابھی تم جانتی ہی کیا ہو؟'' اس نے محبت سے اس کے ہاتھ پر بوسا دیا۔

شادی کے بعد وہ ہنی مون پہ مہینے بھر کے لیے ترکی گئے تھے۔

''تم نے کیا مانگا؟'' نیلی مسجد کے دروازے سے باہر نکل کر دونوں نے شاپر سے جوتے نکال کر ان شاپر کو واپس ڈبے میں ڈالا تھا۔ وہ علی کے ہمراہ ایک طرف بنی سیڑھیوں پہ جا کر بیٹھ گئی تھی تاکہ اپنے جاگرز کے تسموں کو باندھ سکے۔

''میں نے تمہارا ساتھ مانگا ہے۔''

''لیکن میں تو تمہارے ساتھ ہی ہوں۔'' وہ ناسمجھی سے مسکرا کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کے ماتھے پہ آئے بال اس کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کر رہے تھے اور وہ اس لاپروا سے انداز میں بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ وہ گھنٹوں اسے بیٹھ کر دیکھ سکتی تھی۔

''ہاں ساتھ ہو۔ مگر میں ہمیشہ کے لیے ساتھ چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ موت ہی وہ واحد شے ہو جو ہمیں جدا کرے۔'' وہ کتنی دیر علی کو اس بات پہ دیکھتی رہی تھی جو اب مزے سے تسمے باندھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دونوں اب مسجد کے آہنی دروازے سے باہر نکل کر پتھروں کی مضبوط روش پہ چل کر ٹرام کی طرف جا رہے تھے۔

''تم اسی طرح ہمیشہ مجھے چاہتے رہو گے علی؟'' اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں اگر تم ہمیشہ ایسے ہی خوب صورت رہیں تو.....'' وہ جواب میں اسے چھیڑ رہا تھا۔ ٹرام کا ٹکٹ لے کر وہ اب اسٹیشن پہ کھڑے اس کے آنے کے منتظر تھے۔ وہاں ان جیسے بہت سے کپلز ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے، آگے پیچھے گھوم پھر رہے تھے۔

''مجھے لگتا تھا کہ میں تمہیں تم سے زیادہ چاہتی ہوں لیکن اب لگتا ہے کہ میں غلط تھی۔ تم مجھے اس سے بھی کہیں زیادہ چاہتے ہو۔''

ٹرام آ چکی تھی۔ وہ دونوں اس میں سوار ہو چکے تھے۔

☆☆☆

شادی کو مہینوں گزرنے کے بعد بھی جیسے ان کا ہنی مون پیریڈ ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ ایسے ہی رومیو جولیٹ بنے لاپرواہی سے گھومتے تھے جیسے شادی سے پہلے گھوما کرتے تھے۔

''میں کبھی تمہیں بیوی کے روپ میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ تم ہمیشہ میری محبوبہ ہی رہو گی۔'' وہ پیار سے کہتا تھا۔

''لیکن اب میں محبوبہ نہیں، بیوی ہوں اور

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

ہمیشہ بیوی ہی رہنا چاہتی ہوں کیونکہ جو حقوق بیویوں کے ہوتے ہیں، گرل فرینڈز کے نہیں ہو سکتے۔"

"بیوی نام سنتے ہی مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کوئی تھانیدارنی ہو جو ڈنڈا لے کر پیچھے پڑ گئی ہو۔ عجیب بیڑی سی محسوس ہوتی ہے پاؤں میں۔" وہ مصنوعی اداکاری تھی جس نے افزا کو ہنسا دیا تھا کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہی اداکاری جب حقیقت کا روپ دھارے گی تو اسے بہت رلائے گی۔

"اور جہاں تک حقوق کی بات ہے مائی ڈیر تو جنھوں نے حقوق نہیں دینے ہوتے وہ بیویوں کو بھی نہیں دیتے۔ کچھ تو بیویوں کے حقوق بھی گرل فرینڈز کو دے دیتے ہیں۔ یہ سب تو انسان پہ منحصر ہے۔" وہ اس کی بات سے سو فیصد متفق تھی۔ اس لمحے وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے سامنے کھڑا مرد اس کے ساتھ یہی سب کرنے جا رہا ہے۔

علی کے پاپا نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اسے ایک اعلا عہدے پہ لگوا لیا تھا۔ اس کی پوسٹنگ لاہور ہوئی تھی اور وہ افزا کو بھی اپنے ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا۔

"ابھی جا کر جوائنگ دو۔ کچھ وقت لگے گا میں تمہاری یہاں پوسٹنگ کروا دوں گا۔ یوں بھی کراچی اور لاہور میں اتنا فاصلہ ہی کتنا ہے۔" پاپا نے اسے تسلی دی تھی۔ وہ افزا کو چھوڑ کر قطعاً جانا نہیں چاہتا تھا لیکن وہ مجبور تھا۔

"آپ بھلے میری واپس پوسٹنگ مت کروائیں لیکن افزا کا میرے ساتھ جانے کا بندوبست کروا دیں بس۔" اس کے پاپا نے اسے تسلی دی تھی کہ وہ ایسا ہی کریں گے اور بہت جلد کریں گے۔

"تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟ میں تمہارے بنا کیسے رہوں گی؟" وہ اس کے جانے کا سن کر روہانسی ہو گئی تھی۔

"میں جلد پاپا سے کہہ کر تمہیں بلوا لوں گا۔ بھلے گھر ملے نہ ملے، ہم کسی ریسٹ ہاؤس میں رہ لیں گے مگر ہم ساتھ ہی رہیں گے۔ بس کچھ دن انتظار کر لو پھر ہم ساتھ ہوں گے۔"

علی نے باپ کی بات مانتے ہوئے چپ چاپ لاہور جا کر جوائننگ دے دی تھی۔ مہینے بعد اسے باپ کے اثر و رسوخ کی ہی بدولت گھر بھی مل گیا تھا اور اس نے جلد ہی افزا کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اور اس ایک مہینے میں بھی وہ کتنے چکر گھر کے لگا چکا تھا، دن رات اس سے فون اور میسجز کے ذریعے رابطے میں تھا۔ اس سے افزا کو تسلی رہتی تھی کہ وہ اتنا مصروف ہو کر بھی اسے یاد رکھے ہوئے ہے۔

"اس ایک مہینے میں مجھے احساس ہو گیا کہ تم میرے لیے ہر رشتے سے زیادہ اہم ہو۔ کوئی مجھے ویسے یاد نہیں تھا جیسے کہ تم۔ کسی کو میں نے اتنا مس نہیں کیا جتنا کہ تمہیں۔ کسی کے لیے میں اتنے گھنٹوں کا سفر طے کر کے نہ آتا کبھی جیسے تمہارے لیے آتا تھا۔"

اس ایک مہینے کی دوری نے جیسے انھیں اور قریب کیا تھا۔

☆☆☆

"میں سوچتا ہوں کہ ہم اس شہر میں نئے ہیں اور اکیلے بھی۔ ہمیں اپنے میل جول میں اضافہ کرنا چاہیے۔ یوں بھی یہ میرے کیریئر کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس طرح جلدی ترقی ملتی ہے۔ آج کل کے دور کی یہی ڈیمانڈ ہے کہ ہم اپنی پی آر بڑھائیں۔ کیا تم اس سب میں مجھے ہیلپ آؤٹ کر سکتی ہو؟" ایک روز وہ کھانے کی میز پہ افزا سے کہہ رہا تھا۔ افزا اس کی بات سے سو فیصد متفق تھی۔

"تمہیں میری کس قسم کی ہیلپ چاہیے؟"

"میں اپنے ایک کولیگ کو کھانے پہ مدعو کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی بہت پی آر ہے اس فیلڈ میں۔ اس کے ذریعے مجھے آگے بڑھنے میں مدد ملے گی۔ خود وہ کچھ عجیب سا ہے لیکن اس کی بیوی بڑی ٹیلنٹڈ ہے۔ وہ بھی ساتھ آئے گی اور وہ خاصی شوقین مزاج ہے۔ کھانا اور کمپنی ان کے معیار کا ہونا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

چاہیے تا کہ ان سے ہمارے تعلقات مضبوط ہو سکیں۔ کیونکہ اگر رمیض کو خوش کرنا ہے تو اس کی بیوی کو خوش کرنا ہوگا۔" اس نے علی کے کہنے پہ ایسا ہی شان دار کھانا اور کمپنی دی تھی جو اسے آگے بڑھنے اور تعلقات مضبوط کرنے میں معاون ثابت ہو سکے۔

اس رات ڈنر پہ افزا کو احساس ہوا تھا کہ علی نے یہ ڈنر رمیض سے زیادہ نیلم کے اعزاز میں دیا تھا۔ رمیض سے زیادہ اس کی نیلم سے دوستی دکھائی دے رہی تھی۔ رمیض جیسے ایک عام سا کولیگ ہو اور نیلم ایک قریبی دوست۔ علی کے نزدیک وہ زندگی سے بھرپور عورت تھی اور عورتوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا جیسی کہ وہ تھی حالانکہ افزا کو وہ پہلی ملاقات میں ہی اچھی نہیں لگی تھی البتہ رمیض اس کے مقابل خاصا سلجھا ہوا تھا۔

افزا بہت حیران ہوئی تھی کہ وہ دونوں ایک ساتھ اتنے سالوں سے کیسے ہیں۔ دونوں کی پرسنالٹی میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ڈنر کے دوران نیلم اور علی ہی بولتے رہے تھے اور وہ دونوں خاموش تھے۔ اس نے اس سے پہلے علی کو کسی خاتون سے ایسے بے تکلف ہوتے نہیں دیکھا تھا جیسے وہ اس رات نیلم سے ہو رہا تھا۔ یا شاید یہ نیلم کی شخصیت تھی کہ جو دوسروں کو اس سے بے تکلف ہو جانے پہ مجبور کرتی تھی۔ مطلب دوسرے مردوں کو۔

"تمہیں خود کو گروم کرنے کی ضرورت ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے نیلم نے خود کو کر رکھا ہے۔" ایک روز اس نے افزا سے کہا تھا۔

"لیکن میرے خیال میں میں خاصی گروم ہوں۔" وہ علی کی بات پہ پہلے پہل تو کچھ کہہ ہی نہیں پائی تھی کیونکہ اسے یقین ہی نہیں آیا تھا کہ یہ جملہ علی نے اس سے کہا ہے۔ پھر اس نے جواب دیا تو بڑی ہی مشکل اور دیر سے۔

"یہ تمہارا خیال ہے جو کہ خاصا بوسیدہ ہے۔" نجانے علی کو کیا ہوا تھا۔ وہ تو اس کی ڈریسنگ سینس اور پرسنالٹی کو ہمیشہ ۔۔۔ بے حد سراہتا تھا۔ بلکہ وہ کیا سب ہی اس کی تعریف کرتے تھے کہ اس نے ہمیشہ ہی خود کو اپ ڈیٹ رکھا تھا۔

"اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں نیلم کی طرح بے ہودہ ڈریسنگ کروں تو وہ میں نہیں کر سکتی۔ میں خود کو ایکسپوز نہیں کر سکتی۔ اگر یہی اپ ڈیٹ ہونا ہے تو میں آؤٹ ڈیٹڈ ہی ٹھیک ہوں۔"

علی نے اس کے تلخی سے کہے جملے پہ محض اسے ایک نظر دیکھا تھا، کہا کچھ نہیں تھا۔ افزا نے نیلم کی اس ڈریسنگ کو نشانہ بنایا تھا جو اسے پہلے دن پہلی نظر میں ہی بری لگی تھی۔ نیلم کی ڈریسنگ سے لگتا تھا کہ وہ ہر وہ کپڑا پہنتی تھی جو مردوں کے لیے دعوتِ نظارہ کا کام دیتے تھے۔ لیکن اس وقت افسوس اسے نیلم پہ نہیں علی پہ تھا جو ایک ایسی عورت سے اس کا موازنہ کر رہا تھا جن کا وہ شادی سے قبل مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اب وہ ایسی عورتوں کی صف میں ہی اپنی بیوی کو کھڑا کرنا چاہتا تھا۔

اس دن تو علی خاموش ہو گیا تھا لیکن اب وہی علی جو اٹھتے بیٹھتے افزا کو، اس کی ڈریسنگ سینس کو، اس کی شاندار پرسنالٹی کو سراہتا تھا۔ بری طرح افزا کو احساس دلانے لگا تھا کہ وہ ہر لحاظ سے کہیں پیچھے رہ گئی ہے۔ حالانکہ وہ کسی طور بھی خود کو کسی سے کم نہیں سمجھتی تھی اور حقیقت بھی یہی تھی۔ وہ گھر کی، علی کی تمام ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے باوجود اپنے آپ کو اسی طرح رکھے ہوئے تھی، جیسی وہ شادی سے پہلے تھی لیکن علی کو اب بہت سے اعتراضات ہونے لگے تھے جن کا اس کے پاس کوئی حل نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ خود پہ پہلے سے زیادہ توجہ دینے لگی تھی۔ اتنی کانسنس تو وہ اس دور میں بھی نہیں تھی جب وہ اور علی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے، ساتھ گھومتے تھے اور نہ ہی اپنی منگنی کے دور میں۔ لیکن علی کی بدلتی ترجیحات نے اسے چوکنا کر دیا تھا اور وہ ہر صورت اس کی بدلتی پسند کے ساتھ خود کو بدل رہی تھی۔ ہاں ایک کام جو وہ نہیں کر پائی تھی وہ نیلم کی طرح سرِ عام مردوں سے بے تکلفی اور بے ہودہ ڈریسنگ تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆☆☆

زندگی اب پہلے سے کافی بدل گئی تھی۔ اب وہ عملی زندگی میں قدم رکھ چکے تھے۔ نوکری اور شادی، دونوں ذمہ داریاں اٹھانے کا نام ہوتا ہے، لاپرواہی دکھانے کا نہیں۔ برداشت اور قربانی کا نام ہوتا ہے، اپنی من مانی کا نہیں۔ یہی بات اب ان دونوں کے درمیان آنے لگی تھی۔

''تم اب ضرورت سے زیادہ گھر سے باہر نہیں رہنے لگے؟'' وہ جرح کیے بنا رہ نہیں سکی۔ کھانے کی میز پہ پڑی تمام ڈشز علی کو یکدم بدمزا لگی تھیں۔ اس سے اگلا نوالہ لینا محال ہو گیا تھا۔

وہ ہفتے بعد دوبئی سے واپس آیا تھا۔ ہفتے پہلے وہ محض دو دن کے لیے آفس کے کام سے دبئی گیا تھا اور وہاں سے اسے پھر قطر جانا پڑ گیا تھا۔ ہفتے بعد وہ دونوں یوں اکھٹے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ بہت عرصے بعد افزا نے اس کی پسند کی ہر ڈش خود بنائی تھی۔ یہ دن اس کے لیے خاص تھا، یہ رات اس کے لیے خاص بننے جا رہی تھی۔ یا تو سب بننے جا رہا تھا یا سب بگڑنے..... یہ فیصلہ آنے والے وقت نے کرنا تھا۔

''ضرورت پہ ہی گھر سے باہر رہتا ہوں، ضرورت نہ پڑے تو کیا ضرورت ہے مجھے گھر سے باہر رہنے کی۔ ابھی بھی آفس کے کام سے گیا تھا، اور جتنے دن لگے وہ بھی آفس کے کام کی وجہ سے ہی لگ گئے ورنہ تم جانتی ہو کہ میرا کوئی ارادہ نہیں تھا اتنے دن ٹھہرنے کا۔'' تلخی سے جواب دیتے اس نے کولڈ ڈرنک کو گھونٹ گھونٹ اندر اتارا۔

''کیا اس ضرورت کا نام نیلم ہے؟'' اس نے تیکھی نگاہوں اسے دیکھا۔

''مجھے شک کرنے والی بیویاں زہر لگتی ہیں۔'' غصے سے بھینچے لبوں سے اس نے افزا کو دیکھا تھا۔

''میں ویسے بھی تمہیں اب زہر ہی لگنے لگی ہوں علی! چاہے میں شک کروں یا یقین..... کیونکہ اب میں محبوبہ سے بیوی کے درجے پہ آ گئی ہوں۔ وہ درجہ جس سے تمہیں یوں بھی نفرت رہی ہے۔ جو تمہیں ایک بیڑی لگتا ہے اور بیڑی سے کبھی کسی انسان کو محبت نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ اس سے آزادی چاہتا ہے۔''

''اس سب بکواس کا کیا مقصد ہے؟''

''کیا تم نیلم سے ملتے ہو؟''

''ہاں ملتا ہوں۔ جیسے میں اپنی باقی دوستوں سے ملتا رہا ہوں بالکل اسی طرح۔ کیوں اب تمہیں میرے نیلم سے ملنے پہ بھی اعتراض ہے؟'' وہ پہلے سے زیادہ ترشی سے بولا تھا۔ افزا کھانے کا چمچہ رکھ چکی تھی۔ وہ اب عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ان نظروں میں کچھ ایسا تھا کہ علی بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ آج تک افزا کی ایسی آر پار ہوتی نظر اس نے نہیں دیکھی تھی۔

''روز ملتے ہو یا کبھی کبھار؟'' وہ بس اسے دیکھ رہی تھی۔

''کبھی کبھار۔'' اس نے افزا کی طرف دیکھنے سے اجتناب کیا تھا۔

''کتنا کبھی کبھار؟ ہفتے میں ایک بار یا مہینے میں؟'' اب علی کو احساس ہو رہا تھا کہ اتنی اس کی نظریں عجیب نہیں تھیں جتنا اس کا انداز اور اس سے بھی کہیں زیادہ سوالات عجیب تھے۔

''یہ کیسی بکواس ہے افزا؟'' وہ اب بری طرح چڑ چکا تھا سو چلا اٹھا تھا۔

''یا کبھی کبھار سے مراد دن میں کئی بار ہے؟''

''تم یہ کس قسم کی باتیں کر رہی ہو؟''

''جس قسم کی تم حرکتیں کر رہے ہو۔''

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔'' وہ صاف مکر گیا تھا۔ یہ اس کا خاصا تھا کہ وہ موقع پہ مکر جانے والوں میں سے تھا۔ اسی لیے شاید وہ اس محبت سے بھی مکر گیا تھا جو اسے افزا سے رہی تھی۔ افزا کو جیسے رونا آ گیا تھا۔

''ہاں..... میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ ابھی تم نے ایسا ویسا کچھ نہیں کیا لیکن شاید تم جلد ہی کر ڈالو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

گے۔" اس نے خود کو رونے سے باز رکھا تھا۔

"کھل کر کہو جو کہنا ہے۔ مجھے یہ چوہے بلی کا کھیل سخت برا لگتا ہے۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم کھل کر سامنے آؤ۔ مجھے بھی یہ لکا چھپی سخت چڑاتی ہے۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ ہے کہ ایک شادی شدہ عورت سے ایک شادی شدہ مرد کا یہ کس قسم کا تعلق ہے۔ میں بس یہ جاننا چاہتی ہوں۔"

"ہم دوست ہیں اور بس....." اس نے دو ٹوک جواب دیا تھا۔

کاش واقعی یہ بس ہی ہوتا۔ اس نے دکھ سے سوچا تھا۔

"مجھے بھی یہ لگا تھا کہ تم دونوں دوست ہو لیکن رمیض اس بات کو نہیں مان رہا کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ یہ سب دوستی سے کہیں آگے کی بات ہے۔ دوستی میں کوئی کسی کو اپنے آفیشل ٹور پہ تو ساتھ نہیں لے کر جاتا۔ اب میں رمیض کو کیا جواب دیتی؟" وہ جیسے خود پہ مسکرا دی تھی، ایک طنز بھری مسکراہٹ جس نے علی کو فریز کر دیا تھا۔

رمیض کا نام سنتے ہی علی ہل تک نہیں سکا تھا۔ وہ بس خاموشی سے افزا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات کو سمجھ رہا تھا۔

"یہ سب تم سے رمیض نے کہا ہے؟" کتنی دیر لگی تھی اسے یہ سوال کرنے میں۔ افزا اب کی بار خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"وہ مینٹلی ڈسٹربڈ انسان ہے۔"

"اور تم کیا ہو علی؟" اس کا لہجہ پہلے سے کہیں زیادہ سرد ہو چکا تھا۔ سرد سے زیادہ زہریلا.....

"وہ تم سے جھوٹ بول رہا ہے، بکواس کر رہا ہے اور تم ہو کہ اس کی باتوں کا یقین کر رہی ہو۔"

"تو کس کی باتوں کا یقین کروں؟ تمہاری.....؟ جو اپنے کیے سے مکر جاتا ہے۔ دوسروں کو جھوٹا اور خود کو سچا کہتا ہے۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا۔" وہ غصے سے لب بھینچ کر چلایا تھا۔

"تم سچ بھی نہیں بول رہے۔"

"خیر میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے بات شروع کی تھی کہ میں نے اپنے کچھ ٹیسٹ کرائے تھے۔ چند دن پہلے میں ایکسپیکٹ کر رہی ہوں۔" علی نے ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھا۔

"تم کیا کر رہی ہو؟" اسے لگا تھا اس نے غلط سنا ہے۔

"ہاں تم نے ٹھیک سنا ہے۔ میں بہت عرصے سے تمہیں یہ بات بتانا چاہ رہی تھی لیکن اب تمہارے پاس اتنا ٹائم بھی نہیں ہوتا کہ تم تسلی سے میرے ساتھ بیٹھو اور میری بات سنو یا شاید اب تم مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتے۔" اس نے بغور اس کا چہرہ دیکھا جو لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے لگا تھا کہ تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی لیکن تم تو کسی صدمے کا شکار لگتے ہو۔" طنزیہ مسکراتے ہوئے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم بہت اچھی طرح سے جانتی ہو کہ ابھی فیملی پلان کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا اور تم نے۔ تم نے مجھ سے پوچھے بغیر اکیلے یہ فیصلہ کیسے لے لیا۔ تم نے میڈیسنز لینا کیوں چھوڑیں؟" وہ غصے سے چلایا تھا۔ ساتھ میں سامنے پڑا گلاس بھی اس نے زمین پہ پٹخ ڈالا تھا۔ وہ کچھ اسی قسم کا ریکشن دے گا افزا کو اندازہ تھا۔ شادی کے شروع کے دنوں میں ہی اس نے افزا کو بتا دیا تھا کہ وہ شادی کے کم از کم پانچ سال بعد تک اولاد نہیں چاہتا۔ افزا تب خاموش ہو گئی تھی لیکن اب اسے پانچ تو کیا دو سال بھی گزارنے مشکل لگ رہے تھے۔ اولاد کی خواہش ایک عورت کے اندر جیسے خود کار عمل کی طرح کام کرتی ہے جس سے وہ کسی طور پیچھا نہیں چھڑا سکتی۔ افزا کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

"کیونکہ یہ میرا حق ہے۔ قانونی اور شرعی حق جس سے تم تو کیا کوئی بھی مجھے روک نہیں سکتا۔" جواباً

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

وہ بھی چلائی تھی۔

"مجھے یہ بچہ نہیں چاہیے۔"

"لیکن مجھے چاہیے۔"

"ہم بعد میں بھی پلان کر سکتے ہیں۔ آخر تمہیں کس چیز کی جلدی ہے؟" وہ دبا دبا سا غرایا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ افزا کا منہ توڑ ڈالے جس نے بیٹھے بٹھائے اس کے لیے مشکل کھڑی کر دی تھی۔

"میں اپنے اندر کی اس خواہش کو مزید دبا نہیں سکتی۔"

"اور میں اپنے پیروں میں ایسی کسی زنجیر کا اضافہ نہیں کر سکتا۔"

افزا نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

"تم اپنی اولاد کو زنجیر کہہ رہے ہو؟ کیا تم مجھے گرل فرینڈ بنا کر رکھنا چاہتے تھے کہ تم بیوی کے ہر حق سے مجھے دستبردار کر ڈالو جس میں سب سے اولین اولاد کا حق ہے؟ اور اب بھی تم یوں ری ایکٹ کر رہے ہو جیسے یہ کوئی گناہ ہو۔"

"میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے فی الحال اولاد نہیں چاہیے بس..... بہتر ہے کہ تم کسی اچھی ڈاکٹر کے پاس جاؤ اور وہ کرو جو تمہیں کرنا چاہیے۔" افزا نے مزید بے یقینی سے کچھ دیر اسے دیکھا تھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اپنے پیچھے اس نے بہت سے برتنوں کے گرنے کی آواز سنی تھی لیکن اسے پرواہ نہیں تھی اب۔ سب بگڑ چکا تھا۔ وہ رات واقعی یادگار ثابت ہوئی تھی۔

☆☆☆

اسے جن دنوں اپنی پریگنینسی کا پتا چلا تھا ان ہی دنوں اس کے موبائل پہ رمیض کی کال آئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی اور اپنی اسی خوشی کو علی سے شیئر کرنے جا رہی تھی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ علی اس بات کو سن کر اس طرح کبھی خوش نہیں ہوگا جیسے۔ وہ تھی۔ لیکن اسے لگتا تھا کہ وہ علی کو منا لے گی۔ یہ ٹھیک تھا کہ اسے اولاد کی خواہش نہیں تھی لیکن اسے یقین تھا کہ وہ یہ بات سن کر جلد یا بدیر اپنا لے گا۔ تب ہی رمیض کی کال نے اس پہ ایک عجیب بات کا انکشاف کیا تھا۔ یہ علی کے دوبئی جانے سے ہفتہ پہلے کی بات تھی۔

"بھابھی علی کی ان دنوں کیا مصروفیات ہیں؟" وہ سلام دعا کے بعد سیدھا اس موضوع کی طرف آ گیا تھا جس کے لیے اس نے فون کیا تھا۔

"آفس کے کاموں میں ہی خاصا بزی ہے۔ رات بھی اکثر لیٹ آتا ہے۔ اگلے ہفتے دبئی جا رہا ہے آفس کے کسی کام سے۔"

"کوئی اور ایسی تبدیلی جو آپ نے نوٹ کی ہو؟" وہ چونکی تھی۔

"آپ کھل کر بات کریں۔"

"علی اور نیلم..... میرا مطلب ہے کہ..... آپ سمجھ رہی ہیں نا؟" وہ کہتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ وہ نہیں سمجھ رہی تھی۔ اس بات کو سمجھنے سے اپنے ذہن کو روک رہی تھی جو اس کا ذہن اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ جس خدشے کو کتنے عرصے سے ٹال رہی تھی ایک بھیانک حقیقت بن کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا جسے اب وہ کسی اور کے منہ سے سن رہی تھی۔

"آپ کو کس نے کہا یہ سب؟"

"میں نے خود ان دونوں کو ساتھ دیکھا ہے بہت بار..... نیلم تو اسی قسم کی عورت ہے بھابھی جسے میں پچھلے سات سالوں سے مختلف مردوں کے ساتھ دیکھتا آ رہا ہوں۔ وہ کبھی میرے ہی دوست ہوتے ہیں، کبھی اس کی دوستوں کے دوست یا اس کی دوستوں کے شوہر..... میرے لیے کچھ نیا نہیں ہے لیکن علی..... وہ آپ کا گھر خراب کر رہی ہے۔ علی کو سمجھائیں..... اپنا گھر بچائیں۔" اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس عورت کے شوہر کے منہ سے ایسی بات سن رہی تھی جس کی علی دن رات تعریف کرتا تھا۔ لیکن وہ اسے کیوں بتا رہا تھا۔ اپنی بیوی کو دل لگا کر سدھارتا کیوں نہیں تھا۔ اپنی بیوی کے اتنے افیئرز کو جان لینے کے بعد بھی خاموش تھا۔

"آپ ایسی عورت کے ساتھ رہ کیوں رہے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہیں جس کے اتنے مردوں سے ریلیشن رہے ہیں۔ آپ کیسے ایسی عورت کو اپنی بیوی کے طور پہ برداشت کر رہے ہیں؟'' وہ بے حد حیران تھی اور اس نے اپنی حیرت کو چھپایا بھی نہیں تھا۔

''اسے برداشت کرنا میری مجبوری ہے کیونکہ وہ کچھ ایسی باتیں جانتی ہے جو میں نہیں چاہتا کہ دنیا میرے بارے میں جانے۔ اس لیے اس جیسی عورت کو میں نہیں چھوڑ سکتا۔ دوسرے لفظوں میں اس بلیک میلر کو برداشت کرنا میری مجبوری بن چکی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھاتی ہے۔'' وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر بتا رہا تھا۔

''اور وہ آپ کو کیوں نہیں چھوڑ دیتی؟''

''چھوڑ دے گی جس دن اسے مجھ سے زیادہ دولت مند انسان اپنانے کو تیار ہوگا۔ ابھی تک تو اسے جو بھی ملتا ہے دل لگی کے لیے ہی ملتا ہے۔ اپنانے کو کوئی تیار نہیں ہوتا۔'' وہ طنز سے ہنس دیا تھا۔ افزا تو مسکرا تک نہ سکی تھی۔

''اور علی.....؟ کیا وہ سیریس ہے؟'' اس نے کسی خواب کی سی کیفیت سے پوچھا تھا۔

''یہ میں نہیں جانتا لیکن آپ کو علی کو سمجھانا ہو گا۔ اپنے گھر کو بچانا ہوگا۔ ابھی بھی وہ علی کے ساتھ دبئی جا رہی ہے۔ اور وہاں سے وہ دونوں قطر جائیں گے۔ کیا آپ اسے محض دوستی کا نام دیں گی؟'' اور وہ بالکل نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ اس کا محبوب شوہر کرتا کیا پھر رہا ہے۔

علی دو دن کا کہہ کر دوبئی چلا گیا تھا اور وہ پیچھے سے دعائیں کرتی رہی تھی کہ کاش وہ دو دن بعد لوٹ آئے۔ دو دن دوبئی میں رہنے کے بعد اسے کال کر کے بتا رہا تھا کہ اسے آفس کے کسی کام سے قطر جانا ہے۔ رمیض کی بات حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی تھی۔ اسے اس سب کا یقین کرنا ہی پڑا تھا۔ لیکن اسے اب آگے کیا کرنا تھا۔ کیا وہ علی سے دوٹوک بات کرے یا وہ نیلم کو جا کر سبق سکھائے۔ لیکن وہ نیلم سے جا کر کیا کہے گی بھلا۔ یہ کوئی یک طرفہ کہانی تو تھی نہیں۔ نیلم کے ساتھ ساتھ اس کا شوہر بھی اسی کہانی کا حصہ تھا۔ دکھ اسے اس بات کا تھا کہ اس کا محبوب شوہر کسی اور کی زلفوں کا اسیر ہو چکا تھا وہ بھی اس قدر جلدی۔۔۔ ابھی تو ان کی شادی کو محض دو سال ہی ہوئے تھے۔ اس نے اپنی روٹھتی محبت اور بکھرتے گھر کو بچانے کا تہیہ کرتے علی سے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

اگلے چند دن ان دونوں نے ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کیا تھا۔ اتنے دن افزا محض روتی رہی تھی۔ اس نے کھانا پینا بھی ترک کر دیا تھا۔ وہ علی اور اپنے کمرے میں سونے کے بجائے گیسٹ روم میں سوتی تھی۔ یہ سب کچھ علی جانتا تھا لیکن اس نے پھر بھی کوئی پروا نہیں کی۔ اسے اس بات سے بھی جیسے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ اس سے اتنے دنوں سے بات نہیں کر رہی۔

''مجھے لگتا ہے کہ میں کچھ گھنٹے تم سے بات نہ کروں تو میرا دل بیٹھ جائے گا۔'' وہ یونیورسٹی کے دنوں کی بات تھی جسے یاد کر کے وہ بہت روئی تھی۔

اب چار دن گزر چکے تھے اور اس نے افزا سے بات نہیں کی تھی نہ ہی افزا نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''ہائے ری محبت۔ کیسی پیاری یادیں چھوڑ جاتی ہے جو بعد میں کوڑے کی طرح لگتی اور پھوڑے کی طرح دکھتی ہیں۔'' آنکھ میں آئی نمی اس نے طنزیہ مسکراہٹ لیے انگلی کی پور سے صاف کر ڈالی تھی۔

☆☆☆

''تم نے کیا سوچا ہے پھر ہماری زندگی کے بارے میں؟'' رات اس نے علی کے کمرے میں خود ہی جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ جوان دونوں کا مشترکہ کمرا تھا اب اسے بس علی کا کمرہ لگنے لگا تھا۔ وہ وہاں کہیں نہیں تھی۔ بھلے اس کا سامان جا بجا بکھرا تھا لیکن اس کا وجود وہاں نہیں تھا۔

''میں نے تم سے کچھ کہا تھا، کیا تم نے وہ کیا؟'' وہ الٹا اس سے جرح کر رہا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''تمہیں شرم نہیں آتی اپنی اولاد کا قتل کرواتے؟''

''ہاں نہیں آتی۔ اب تم اپنی یہ ڈراما بازی بند کرو اور جو میں نے کہا ہے وہ کرو۔'' انتہائی ڈھٹائی سے اس نے افزا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔

''تم نیلم کو چھوڑ دو گے اگر میں نے یہ کیا تو.....؟''

''نیلم کہاں سے آ گئی بیچ میں؟ اس کا اس معاملے سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ اس کا نام مت لو۔''

''نیلم ہی تو آئی ہے بیچ میں۔ اسی کا تو سارا لینا دینا ہے۔ وہ نہ ہوتی تو تم ایسے نہ ہوتے۔ پھر شاید محبت سے ہی سہی میں تمہیں منا لیتی۔ اور اب شرط یہی ہے کہ اگر میں تمہاری بات مانوں گی تو تمہیں بھی میری بات ماننا ہوگی..... تمہیں نیلم کو چھوڑنا ہوگا اور وعدہ کرنا ہوگا کہ دوبارہ کبھی اس سے تعلق نہیں رکھو گے۔ بتاؤ تم ایسا کرو گے؟''

''میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔'' کمال ڈھٹائی تھی جو اس پہ ختم تھی۔

''تو پھر مجھ سے بھی ایسا کرنے کو مت کہو۔''

علی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ تھپڑوں سے اس کا منہ لال کر ڈالے۔

''تم میری بات نہ مان کر اپنا گھر اور ہمارا رشتہ تباہ کر رہی ہو۔''

افزا تڑپ اٹھی تھی۔ وہ کس رشتے کی بات کر رہا تھا جو وہ خود اپنے ہاتھوں تباہ کر رہا تھا، وہ بھی ایک دوسری عورت کو بیچ میں لا کر۔

''اپنے بچے کی قاتل بن جاؤں؟ کیا اس سے ہمارا رشتہ مضبوط ہو جائے گا؟ کیا اس سے میرا تباہی کے کنارے کھڑا مکان جو کبھی گھر ہوا کرتا تھا، بچ جائے گا؟ تم تو پھر بھی نیلم سے کنارہ نہیں کرو گے۔ اسے نہیں چھوڑو گے۔ وہ تو اب ہمارے درمیان ہی رہے گی تو پھر میں کیوں اپنے بچے کا قتل کروں تمہارے لیے۔ میں کیوں اس کمزور رشتے کے لیے اتنی بڑی قربانی دوں۔ سب کچھ میں ہی کیوں کروں؟''

''چار مہینے.....؟'' وہ شاکڈ ہوا تھا۔ اس نے باقی کچھ نہیں سنا تھا۔ واحد کام کا جملہ ہی یہی تھا جو اس نے سنا تھا۔

''اور تم اب مجھے بتا رہی ہو؟'' وہ غصے سے اتنا پاگل ہو گیا تھا کہ اس نے افزا کا گلا دبوچ لیا تھا۔ اور عنقریب تھا کہ وہ اسے دبا ہی ڈالتا۔

''تم نے میری مصروفیات کا فائدہ اٹھا کر مجھے دھوکے میں رکھا۔ چھپایا مجھ سے اتنے عرصے۔ جھوٹی، مکار، دغاباز عورت۔'' افزا اپنا آپ اس سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک جھٹکے سے اس نے اس کی مضبوط گرفت سے خود کو آزاد کر لیا تھا۔ وہ اب بری طرح کھانس رہی تھی۔ کھانستے ہوئے اس جانور نما انسان کو دیکھا جو اپنا غصہ قابو کرنے کی کوشش میں گہرے گہرے سانس بھر رہا تھا اور ایک ہاتھ سے اپنے ہی بالوں کو نوچ رہا تھا۔

''ہاں چھپایا ہے کیونکہ تم جیسے باپ اسی قابل ہوا کرتے ہیں کہ ان سے اولاد کی خوشی چھپائی جائے۔'' وہ کھانستے ہوئے اسے کہہ رہی تھی۔

''جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ وہ اولاد کی خوشیاں کھا جانے والے ہوتے ہیں۔'' علی پھر سے اس پہ جھپٹا تھا لیکن اب کی بار افزا نے اسے پرے دھکیل ڈالا تھا۔

''تم جو اچھے شوہر نہیں بن سکے، اچھے باپ کیا بنتے؟ بیوی تمہیں بیڑی لگتی ہے اور اولاد زنجیر۔ تم تو کسی قسم کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہی نہیں ہو تو شادی کیوں کی تھی مجھ سے؟ بولو؟ جواب دو؟ کیوں شادی کی تھی، جب یہی سب کرنا تھا۔ مجھے برباد کرنا تھا۔ میرا دل اجاڑنا تھا۔ اپنی اولاد کو قتل کرنا تھا۔ تم جیسے مرد بیوی اور اولاد کی ذمہ داریاں نہیں نبھا سکتے۔'' وہ چلائی تھی۔ علی دور کھڑا اسے دیکھتا اور سنتا رہا تھا۔

''ہاں نہیں کرنا چاہیے تھی مجھے تم سے شادی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بالکل نہیں کرنا چاہیے تھی۔ غلطی ہوگئی مجھ سے..... اب کیا کروں جب ہوگئی غلطی تو..... کیسے سدھاروں اس غلطی کو؟'' وہ یک دم پھٹ پڑا تھا۔

افزا وہیں سن رہ گئی تھی۔ پتھرائی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

کیا یہی سنسارہ گیا تھا بس۔ وہ جو اسے زندگی کا حسین اتفاق کہتا تھا کیسے اسے بدترین حقیقت ٹھہرا رہا تھا۔ جس محبت کے وہ دم بھرتا تھا، اب کھڑا کیسے نفرت سے اس کا ذکر کر رہا تھا۔ جو بھی تھا اس نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ نیلم کو پسند کرنے لگا ہے وہ تسلیم کر چکی تھی، اسے اولاد کو مارنے کا کہہ رہا ہے وہ سمجھ رہی تھی، اسے ایک طرف لگا رہا ہے وہ جان چکی تھی لیکن اس کی محبت کو بڑی غلطی کہہ کر نفرت سے تھوک رہا ہے یہ ماننے کو وہ تیار نہیں تھی۔ وہ سب کی توقع کر سکتی تھی سوائے اس ایک چیز کے۔

''اسی غلطی کو سدھارنا چاہتا ہوں تبھی نیلم کو زندگی میں لایا ہوں اور اسے اب میں کسی قیمت پہ نہیں چھوڑوں گا۔'' افزا کتنی دیر اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی تھی۔

''اگر کسی کو چھوڑنا ہے تو وہ تم ہو افزا احمد۔'' وہ یک دم افزا علی سے افزا احمد ہوگئی تھی۔ یک دم زندگی اتنی بدل گئی تھی۔

''اگر کسی کو اس گھر سے میری زندگی سے دفع ہونا ہے تو وہ تم ہو اگر تم نے اس بچے کی ضد کی تو۔'' دل سے تو وہ نکال ہی چکا تھا۔ اب زندگی اور گھر میں رہ کر اسے کرنا ہی کیا تھا؟

لیکن نہیں..... اتنی آسانی سے یہ سب نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ کیسے اتنی آسانی سے سب چھوڑ سکتی تھی۔ ہر شے سے دستبردار ہو سکتی تھی۔ یہ زندگی تھی، ان دونوں کی زندگی، کوئی اسٹیج کا ڈراما نہیں کہ ایک اچھا نہ لگا تو چلو اگلے کے اچھے ہونے کی امید رکھتی۔

''مت کرو یہ سب علی۔'' وہ یک دم پگھل گئی تھی۔ شاید یہی مصالحت کی آخری کوشش تھی جو اسے اپنانا تھی۔

عورت گھر بچانے کے لیے آخری حد تک کوشش کرتی ہے، وہ مرد کی طرح ایک وار میں گھر تباہ نہیں کر ڈالتی۔ اسے بھی یہی کوشش کرنا تھی۔

علی اسی طرح غصے سے بھرا کھڑا تھا۔ اس کی طرف اب دیکھ تک نہیں رہا تھا۔ شاید وہ دیکھے جانے کے قابل بھی نہیں رہی تھی اس کے لیے۔

''ہم پھر سے پہلے جیسے ہو سکتے ہیں۔'' وہ جیسے بھیک مانگنے پہ آ گئی تھی۔ اپنی ساری انا اس نے کچل ڈالی تھی، اپنے گھر، اس رشتے اور اپنی محبت کے لیے۔

''دیکھو ہماری اولاد بیٹی بھی ہو سکتی ہے۔ اسے تمہاری ضرورت ہوگی، اپنے باپ کی۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے، اپنے شوہر کی۔ ایسے ہمارا گھر مت خراب کرو۔ تم، میں اور وہ کتنی اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔'' اسے اپنا آپ بھکاری لگ رہا تھا۔ ایک بڑے گھر کی بیٹی ایک بڑے گھر کے بیٹے سے بڑی چیز کتنی چھوٹی بن کر مانگ رہی تھی۔

''مجھے اولاد خاص کر بیٹی نہیں چاہیے۔ بالکل بھی نہیں چاہیے۔ اسے میری ضرورت ہوگی، تمہیں میری ضرورت ہوگی لیکن مجھے تم دونوں کی ضرورت نہیں ہے اب۔'' وہ پتھر بنا کھڑا تھا اور وہ اسے موم کرنا چاہ رہی تھی۔ یہی غلط کر رہی تھی۔

''بیٹی کو بیچ میں لا کر تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتیں، ہاتھ جوڑ کر، پاؤں پڑ کر مجھے میرے فیصلے سے ہٹا نہیں سکتیں۔ نیلم کو میں کسی قیمت پہ نہیں چھوڑ سکتا اور تمہاری اولاد کو کسی قیمت پہ نہیں اپنا سکتا۔ اب تم اس بارے میں سوچو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ تمہیں اس گھر میں میرے ساتھ رہنا ہے یا چلے جانا ہے، اس سب کا دارومدار تمہارے فیصلے پہ ہے۔ ایک بات یاد رکھنا کہ مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا اگر تم اس گھر کو چھوڑ کر چلی جاؤ گی، جسے فرق پڑے گا وہ تم خود ہوگی۔'' افزا یک دم خاموش ہوگئی تھی۔ بے یقینی، شاکڈ اور حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کتنی بڑی بات کتنی آسانی سے کہہ گیا تھا۔ نہ صرف کہہ گیا تھا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بلکہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ اس کی ساری کوششیں جھاگ ثابت ہوئی تھیں۔ وہ اسے سب صاف سمجھا گیا تھا کہ وہ نیلم کو نہیں چھوڑے گا۔ اپنی اولاد کو نہیں اپنائے گا جسے وہ سراسر اس کی اولاد کہہ کر چلتا بنا تھا۔ دونوں رستے اس کے لیے ناقابل قبول تھے کہ وہ اب علی کے لیے ناقابل قبول ہو چکی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں کھڑی اپنا سامان سمیٹ رہی تھی۔ بالکل میکانکی انداز میں چند ضرورت کی چیزیں اپنے ٹرالی بیگ میں رکھ رہی تھی۔ اب اس کے لیے کچھ اہم نہیں رہا تھا کہ وہ ہر شے اپنے ساتھ لے کر جاتی۔ بس جو ضروری تھا وہ لے جا رہی تھی۔ کچھ کپڑے، کاغذات اور زندہ رہنے کے لیے سانس۔

وہ جو کہتا تھا کہ اسے چاہنے کے لیے بس ایک ہی وجہ کافی ہے اور وہ محبت ہے تو اس نے اسی ایک وجہ کو بے وجہ تمام کر ڈالا تھا۔ اب چاہنے کی کوئی وجہ نہیں رہی تھی۔ محبت نہیں رہی تھی۔

وہ کمرے سے ٹرالی بیگ گھسیٹ کر اب باہر لے جا رہی تھی۔ باہر کہیں کوئی نہیں تھا۔ علی شاید اس سے پہلے ہی گھر سے جا چکا تھا۔

وہ اب اپنے بیگ سمیت گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ گھر کو مڑ کر اس نے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔ جو اپنا نہیں رہا تھا اسے اب کیا دیکھنا۔

جس محبت کے بارے میں وہ اس سے پوچھتا تھا کہ وہ کہیں اس سے مکر تو نہیں جائے گی، آج وہ اسی محبت سے خود مکر گیا تھا۔ گاڑی گیٹ سے باہر جا رہی تھی۔

وہ جو کہتا تھا کہ ہمارا گھر ہم سے ہے اور ہم ہماری محبت سے۔ اس نے ہم کو ہی الگ کر کے اب 'تم' اور 'میں' بنا ڈالا تھا۔ اب نہ گھر باقی تھا نہ محبت۔

ارد گرد کے مناظر تیزی سے گزر رہے تھے، جیسے زندگی کے دو برس تیزی سے گزر گئے تھے۔

وہ جو کہتا تھا کہ تم نے مجھ پہ کوئی طلسم کر ڈالا ہے افزا۔ میں تمہاری قید میں ہوں۔ طلسم کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ وہ آزاد ہو چکا تھا۔

وہ جو کہتا تھا کہ تم میری زندگی ہو اور میں کبھی تمہارے بنا زندہ رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس نے زندگی بنا زندہ رہنے کا سامان کر لیا تھا۔ اپنی ساری سوچ بدل ڈالی تھی اور نئی سوچوں، نئی زندگی میں وہ کہیں نہیں تھی۔

بس سب تمام ہوا۔۔۔ محبت، زندگی اور افزا بھی۔ زندگی کا ایک باب، سب سے اہم باب رو بہ زوال ہوا۔

☆☆☆

اس کے والدین اس کے سسرال والوں سے رابطے میں تھے۔ دونوں خاندانوں کے لیے یہ سب حیران کن تھا۔ دونوں طرف ہی ایک جیسی پریشانی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یک دم علی کو ہوا کیا ہے اور افزا سمجھا نہیں پا رہی تھی کہ یہ سب یک دم نہیں بہت آہستہ اور بتدریج ہوا ہے۔ وہ بہت پہلے سے بدلتے بدلتے اب مکمل بدل چکا تھا۔

اعظم صاحب نے علی کو فون کر کے ٹھیک ٹھاک ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ اسے ہر طرح سے دھمکایا تھا۔ عاق کر دینے کا بھی کہا تھا لیکن وہ کسی طور اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ عنقریب نیلم سے شادی کر رہا تھا۔ نیلم اور رمیض میں طلاق ہو چکی تھی اور یہ طلاق نیلم نے اپنی مرضی سے لی تھی۔ رمیض کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ تو کب سے اسے چھوڑنا چاہتا تھا یہ تو نیلم ہی تھی جو اس کی دولت کے سبب اس سے چپکی بیٹھی تھی۔ اب اسے علی کی صورت ایک بہتر آپشن نظر آیا تو اس نے رمیض سے پیچھا چھڑا لیا تھا۔

''نجانے کیسی بلا اسے چمٹ گئی ہے کہ وہ کسی صورت نہیں مان رہا۔'' مام نے افسوس سے سر ہلایا۔

ہاں وہ خوب صورت اور بے باک بلا تھی جس کے مقابل اب کوئی عورت نہیں ٹھہر سکتی تھی اور افزا تو کبھی نہیں۔ افزا نے بس مام کو دیکھ کر سوچا تھا۔

''کہیں یوں اپنا گھر چھوڑ کر نہیں آنا چاہئے تھا

Pakistanipoint.com

افزا۔ اس کا مقابلہ کرنا چاہیے تھا۔" یہ سحرش تھی، اس کی بڑی بہن۔

وہ ضرور مقابلہ کرتی اگر کہیں مقابلہ ہو رہا ہوتا۔ وہ تو بلا مقابلہ ہی ہار چکی تھی۔ کم از کم علی نے تو اسے یہی باور کروایا تھا کہ اس کا اور نیلم کا کوئی مقابلہ ہے ہی نہیں۔ گھر والا اس کا اپنا نہیں رہا تھا تو وہ کس حیثیت سے گھر کو اپنا کہتی۔ کس حق سے اس میں رہتی۔

"تم دونوں کی محبت تو مثالی تھی پھر یہ سب کیسے ہو گیا؟" یہ زرش تھی اس کی یونیورسٹی فیلو، ان کی محبت کی گواہ۔

وہ تو خود سوچ رہی تھی کہ ایسی مثالی محبت کا ایسا مثالی انجام۔ یہ سب کیا ہو گیا اس کا جواب تو وہ خود بھی جاننا چاہتی تھی۔ کاش کوئی اسے بھی تو بتا سکتا کہ یہ سب جو ہوا تھا یہ کیوں ہوا تھا؟

"کوئی اپنا شوہر کسی دوسری عورت کے لیے کیسے چھوڑ سکتا ہے؟" اس کے بھائی نے کہا تھا۔

یہ وہ نہیں تھی جو اپنا شوہر کسی دوسری عورت کے لیے چھوڑ کر آئی تھی، یہ تو اس کا شوہر تھا جس نے کسی دوسری عورت کے لیے اسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہنستے ہنستے رو دی تھی۔ اپنی کم مائیگی کا احساس اور بڑھ گیا تھا۔

نجانے کتنے لوگ تھے اور کتنی باتیں تھیں جو ختم نہ ہونے میں آ رہی تھیں۔ وہ کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیتی تھی۔ اسے کسی بات کا کوئی جواب معلوم ہی کہاں تھا۔ جتنا باقی سب حیران تھے اس سے کہیں زیادہ حیران وہ خود تھی۔ جتنا باقی سب نہیں سمجھ پا رہے تھے کہ ہوا کیا ہے اس سے کہیں زیادہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ہوا کیا ہے۔ وہ کسی سے کوئی بات نہیں کرتی تھی۔ نہ کوئی شکوہ نہ شکایت۔ نہ وہ روتی تھی نہ ہی سوچتی تھی۔ سب منجمد ہو گیا تھا۔ اس کے آنسو، اس کی سوچیں، دل اور افزا خود بھی۔

جس دن اسے علی اور نیلم کی شادی کی خبر ملی تھی۔ اس روز وہ بے تحاشا روئی تھی۔ شاید اب تک اسے امید تھی کہ یہ سب خواب ہے اور کبھی بھی اس کی آنکھ کھل جائے گی پھر سب کچھ اسے ٹھیک ملے گا، پہلے جیسا۔ شاید اسے لگتا تھا کہ علی بدل جائے گا، وہ اپنا فیصلہ واپس لے لے گا اور آ کر کہے گا کہ بدھو بن گئیں نا، کیسا مذاق کیا میں نے کہ ہلا ڈالا۔ اس کی محبت اسے واپس لے آئے گی۔ شاید اسے خوش فہمی تھی کہ اس کے گھر سے چلے جانے پہ وہ اس کی کمی محسوس کرے گا، دو سال ساتھ رہنے سے ایک دوسرے کی جو عادت پڑ گئی تھی وہ عادت ہی اسے مجبور کر دے گی۔ نجانے کتنے شاید تھے جو یونہی بیچ میں رہ گئے۔ کہیں کچھ نہیں ہوا تھا۔ ہوا تھا تو بس اتنا کہ اب وہ پہلی بیوی اور گزشتہ محبت بن کر رہ گئی تھی اور نیلم دوسری اور موجودہ محبت۔

"میں زندہ کیسے ہوں.....؟ میں زندہ کیسے رہوں گی.....؟" بس اس روز اس نے یہ سوال اپنے آپ سے کیا تھا اور تب ہی اس کے وجود میں موجود ایک دوسرے وجود نے انگڑائی بھر کے اسے بتا دیا تھا کہ وہ زندہ کیوں اور کیسے ہے۔ اسے زندہ رہنا تھا کیونکہ اسے زندہ رکھا گیا تھا اس کے لیے جس کے لیے اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا۔ ہماری زندگی میں بس ایک ہی رشتہ تو نہیں ہوتا جس کے لیے ہم جیتے ہیں۔ دوسرے بہت سے رشتے بھی ہوتے ہیں جن کے لیے ہمیں زندہ رہنا پڑتا ہے، اس کے پاس بھی اب ایک ایسا رشتہ تھا۔

"اب بھلے میں بیوی رہوں یا نہیں، میں ماں ہوں اور مجھے اسی ایک رشتے کا ساری زندگی سوچنا ہے۔" آنکھ میں آئے سبھی آنسو اس نے بہا ڈالے تھے۔ آخری بار..... اس شخص کے لیے..... جو اس کا شوہر تھا..... جسے اب مزید اس کا شوہر نہیں رہنا تھا۔

☆☆☆

"میں طلاق چاہتی ہوں۔" اس نے کئی ہفتے گزارنے کے بعد ایک روز خود سے علی کو فون کیا تھا۔

جب اس شخص کے ساتھ رہنا ہی نہیں تھا تو وہ اس کے نام کا ٹیگ لگا کر کیوں پھرتی۔ کیوں دنیا کو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

دکھانے کے لیے کہ میں ایک شادی شدہ عورت ہوں اور ایک عدد شوہر رکھتی ہوں اس کا نام لیے لیے گھومتی۔ وہ اپنے ماں باپ پہ کبھی بھی بوجھ نہیں بنے گی۔ نہ وہ اس گھر پہ بھاری تھی نہ والدین اور بھائیوں کی جیب پر۔ اس کی اپنی پراپرٹی تھی جسے وہ استعمال کرسکتی تھی۔ اس کے طلاق لینے کے اس فیصلے میں اس کے باپ بھائیوں نے اس کی تائید کی تھی۔

''جب وہ اسے رکھنا ہی نہیں چاہتا اور نہ یہ رہنا چاہتی ہے تو ختم کریں اس رشتے کو۔'' بڑے بھائی نے ڈیڈ سے کہا تھا۔ ڈیڈ بھی یہی سوچ رہے تھے لیکن وہ افزا کی طرف دیکھ رہے تھے جو اب بھی خاموش تھی۔ وہ اس سلسلے میں اس کی رائے جاننا چاہتے تھے کیونکہ اب تک وہ خود بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

''تم کیا کہتی ہو افزا؟ کیا تم واپس جانا چاہتی ہو؟ کیا تم علی کے ساتھ رہنا چاہتی ہو جو تمہارے ہونے والے بچے کا باپ ہے؟'' ڈیڈ نے اس سے پوچھا تھا۔

''میں اس سے تعلق پہ فاتحہ پڑھ چکی ہوں۔ اب میں واپس کیوں جاؤں گی؟ اولاد میری ہے، اس کا علی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اسے تھوک چکا ہے کسی گناہ کی طرح تو میں دوبارہ کیوں اپنی اولاد کی تذلیل کروانے اس کے پاس جاؤں؟''

''تو پھر میں خلع کا نوٹس بھجوا دیتا ہوں۔'' ڈیڈ اسی فیصلے پہ پہنچے تھے۔

''نہیں۔ وہ مجھے طلاق دے دے گا۔ میں جانتی ہوں۔ آپ کو کسی قسم کا نوٹس بھجوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھ سے کہیں زیادہ وہ اس رشتے کو ختم کرنے میں دلچسپی رکھتا ہوگا۔'' بڑی تکلیف محسوس کی تھی اس نے اس جملے کی ادائیگی میں۔

اسی رات افزا نے اسے کال کی تھی۔ گھر چھوڑنے کے تین ماہ بعد اور نیلم سے علی کی شادی کے دو ماہ بعد۔

''اگر تم یہی چاہتی ہو تو میں اسے تمہاری آخری خواہش سمجھ کر ضرور پورا کروں گا۔'' اس نے ایک سے دوسری کوئی بات نہیں کی تھی۔ افزا کا دل اندر ہی اندر رویا تھا لیکن باہر سے وہ ساکت رہی تھی۔ کسی پتھر کی طرح۔ وہ کتنی خوشی خوشی اس کی آخری خواہش پوری کرنے پہ آمادہ ہوگیا تھا۔ ایسے اس رشتے کو اتار کر پھینک دینا چاہتا تھا جیسے کسی گلے پڑے بوجھ کو جو کندھے جھکا ڈالتا ہے۔

''ابھی طلاق نہیں ہوسکتی۔ تم میری بیٹی کی پیدائش کے بعد مجھے طلاق بھجوا دینا۔'' اس نے 'میری بیٹی' پہ زور دیا تھا۔ علی نے سب سن کر خاموشی سے فون رکھ دیا تھا۔ اپنی اس تذلیل پہ وہ اس رات بہت تڑپی تھی۔ بہت روئی تھی۔ اس کی حیثیت بس اتنی سی تھی۔ ایک بار بھی اس شخص نے اس سے اس تعلق کو قائم رکھنے کی بات نہیں کی تھی۔ ایک بار ہی سہی اسے کہہ دیتا کہ وہ اس رشتے کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ وہ اسے طلاق نہیں دینا چاہتا۔ جھوٹا ہی سہی، مان رکھ لیتا۔

رحمت کی پیدائش کے ٹھیک پینتالیس دن کے بعد طلاق کے کاغذات اس کے ہاتھ میں تھے جسے بس وہ کسی صحیفے کی طرح ازبر کیے جارہی تھی۔ روئے بغیر، آنسو بہائے بغیر۔ اب وہ باہر سے نہیں اندر سے رویا کرتی تھی۔ باہر سے جی کر اندر سے مرجایا کرتی تھی۔

کتنا آسان ہوتا ہے اتنا مضبوط رشتہ ختم کر ڈالنا۔ بس دو بول بنا دیتے ہیں اور دو بول بگاڑ دیتے ہیں۔ لیکن انسان دل کا کیا کرے جس میں کہیں کچھ جڑیں گڑ جاتی ہیں محبت کی۔'' وہ کئی کئی بار اس کاغذ کو نکال کر پڑھا کرتی تھی۔

جو رشتے جسم میں کسی کانٹے کی طرح پیوست ہوجائیں کہ بس چبھتے اور دکھتے رہیں انھیں نکال کر الگ کر دینا ہی اچھا ہوتا ہے، کم از کم آپ کو درد نہیں رہتا۔ بالآخر پورے دو ماہ اس کاغذ کو ازبر کرنے کے بعد اس نے اسے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا بالکل ویسے ہی جیسے اس کا رشتہ ہوچکا تھا۔

''اب اور نہیں رونا مجھے۔ مجھے اپنی بیٹی کے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لیے آگے بڑھنا اور جینا ہے۔ زندگی اس ایک رشتے پہ ختم نہیں ہوگئی، زندگی ایک نئے رشتے پہ شروع ہونے جارہی ہے۔'' اس نے خود کو مضبوط کرنے کا سوچا تھا۔ وہ ماں تھی، اسے اب مضبوط ہی رہنا تھا۔

☆☆☆

''میں پہلے آنا چاہتا تھا لیکن سوچا کہ تم ابھی عدت میں ہوگی۔'' رمیض اس سے ملنے کراچی آیا تھا۔ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس سے افسوس کررہا تھا، اس نقصان پہ جو اس کا ہوا تھا۔ دونوں کی ایک سی کہانی تھی۔ ایک کا شوہر، دوسرے کی بیوی..... لیکن فرق تھا۔ بہت فرق تھا..... جس کہانی کے اختتام پہ وہ مرگئی تھی اسی کہانی کے اختتام پہ وہ جی اٹھا تھا۔ جس حقیقت کو اسے قبول کرنے میں بہت دقت اور وقت لگا تھا اسے وہ نجانے کب کا خوشی سے قبول کیے بیٹھا تھا۔

''نیلم نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی، اسے بس میرے پیسے سے پیار تھا اسی لیے اس نے مجھ سے شادی کی تھی۔'' چلو وہ یہ کہہ کر تو خود کو سمجھا سکتا تھا، تسلی دے سکتا تھا لیکن وہ یہ تک نہیں کہہ سکتی تھی۔

''علی نے بڑی غلطی کی ہے تمہیں چھوڑ کر۔ اس نے نیلم کو چنا ہے، ہیرے کو چھوڑا ہے۔ میرے نزدیک یہ گھاٹے کا سودا ہے۔'' اب اسے فرق کیا پڑنا تھا۔ بھلے وہ ہیرا ہو، یاقوت ہو، مرجان ہو یا نیلم۔ اب تو وہ بس خاک ہی رہ گئی تھی۔

''لیکن میں وہ شخص بننا چاہتا ہوں جو نفع کا سودا کرے۔ پتھر کے بدلے ہیرا چن لے۔'' افزا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا تم مجھ سے شادی کروگی افزا؟'' افزا نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہو۔ اتنی بڑی بات، اتنی آسانی سے کہہ ڈالی تھی اس نے۔

''جب وہ دونوں شادی کرسکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں؟'' وہ اس کے تاثرات کو سمجھ رہا تھا، تب ہی کہہ رہا تھا۔

''کیا آپ یہ شادی اس لیے کرنا چاہتے ہیں کہ آپ علی سے بدلا لے سکیں، نیلم کو تڑپا سکیں؟'' اسے یک دم غصہ آگیا تھا۔ بھلا اس سے شادی کا اور کیا مقصد ہوسکتا تھا۔

''ہرگز نہیں۔ میں بس تم سے بنا کسی سبب اور وجہ کے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''یہ جو رشتے بلاوجہ ـــ بنتے ہیں، یہ آگے چل کر بڑا دکھ دیتے ہیں۔''

''ایک بار تم نے دھوکا کھایا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ساری دنیا ہی دھوکے باز ہے۔ ایک بار اعتبار ٹوٹے تو دوبارہ اعتبار کرنا پڑتا ہے۔ مجھ پہ اعتبار کرو۔ میں تمہاری بیٹی کو اپنی بیٹی بنانا چاہتا ہوں، اسے نام دینا چاہتا ہوں، اس کا باپ بننا چاہتا ہوں۔''

''جب اس کا سگا باپ اس کا باپ نہیں بن سکا تو آپ کو کیا پڑی ہے اس کا باپ بننے کی؟'' وہ تلخ ہوگئی تھی۔

''اولاد کے لیے میں اتنے سالوں سے تڑپ رہا ہوں افزا! اب مجھے کسی ایسی عورت سے ہی شادی کرنا ہے جس کی اولاد ہو۔ اس کی اولاد کو میں اپنی اولاد کہہ سکوں۔ اپنی اولاد بنا سکوں۔'' وہ جیسے اسے اور رحمت کو اپنانے کے لیے تیار ہوکر آیا تھا۔

''بہتر ہوگا کہ آپ کسی ایسی عورت سے شادی کرلیں جو آپ کو آپ کی اولاد دے سکے۔ اس طرح جب آپ کی اپنی اولاد ہوگی تو آپ اس پرائی اولاد سے انصاف نہیں کرسکیں گے۔'' وہ دوسرے لفظوں میں اسے انکار کررہی تھی۔

''ایسا ہوسکتا اگر تو نیلم کو کیوں اتنے عرصے برداشت کرتا؟ کب کا اسے طلاق دے کر کسی اور سے شادی کرکے خوش باش زندگی نہ گزار رہا ہوتا۔'' افزا نے اسے ناسمجھی سے دیکھا۔

''تم نے مجھ سے پوچھا تھا نا کہ میں نیلم کے بارے میں سب جان لینے کے باوجود اس کے ساتھ کیوں رہ رہا ہوں، اسے چھوڑتا کیوں نہیں ہوں۔ تو اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ جانتی تھی کہ میں باپ بننے کی

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

صلاحیت نہیں رکھتا اور وہ اس بات کو اپنے طور سے کیش کرا کے میری عزت کا جنازہ نکالنا چاہتی تھی۔ میری کمی کا ڈھنڈورا پیٹ کر میری خود اعتمادی مار ڈالنا چاہتی تھی۔ میں اسی بات سے ڈرتا تھا۔ اسی لیے اسے برداشت کرنے پہ مجبور تھا۔ تم سے شادی کی بھی یہی وجہ ہے افزا کہ میں رحمت چاہتا ہوں لیکن اس سے محروم ہوں۔ میں کبھی باپ نہیں بن سکتا لیکن میں باپ بننے کا ایک راستہ جانتا ہوں جو اپنا رہا ہوں۔"

"میں ہی کیوں.....؟ کوئی اور کیوں نہیں؟"

"تم ہی کیوں نہیں؟ کوئی اور کیوں؟ کیا تم اسی طرح ایک رشتے کے پیچھے خود کو ختم کر ڈالو گی۔ کیا زندگی پہ تمہارا کوئی حق نہیں ہے؟ اپنی بیٹی کا سوچو جسے ماں کے ساتھ باپ کی محبت بھی چاہیے۔ تم دونوں میری ضرورت ہو افزا۔ جیسے میں تم دونوں کی ہوں۔ ایک رشتہ بہت سے رشتے جوڑ ڈالے گا۔

"میں اتنی جلدی اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتی۔"

رمیض نے اسے وقت دیا تھا کہ وہ سوچ کر ہی فیصلہ کرے جبکہ فیصلہ اس نے اسی وقت کر لیا تھا کہ اسے رمیض سے شادی کر لینا چاہیے۔ اسے اپنی بیٹی کو ایک باپ کا نام دینا چاہیے۔ رمیض بخوشی اس کے لیے تیار تھا تو وہ کیوں رحمت کے لیے یہ فیصلہ نہ کرتی۔ وہ کیوں اپنی جھوٹی انا کا لبادہ اوڑھے پھرتی۔ اسے اپنے لیے، رحمت کے لیے زندگی کو آسان بنانا تھا۔ محبت کے لیے نہ سہی، رحمت کے لیے ہی سہی اسے رمیض کا ساتھ اپنانا تھا۔

☆☆☆

"یہ تم نے کیسی گھٹیا حرکت کی ہے؟" اس کی رمیض سے شادی کے ہفتے بعد ہی علی نے اسے کال کی تھی۔ وہ بری طرح چلایا تھا۔

"میں نے ایسا کیا کیا ہے سوائے ایک شادی کے۔" وہ کون تھا جو اس سے وضاحت طلب کر رہا تھا۔

"تمہیں شادی کے لیے یہی شخص ملا تھا؟"

"ہاں جیسے تمہیں شادی کے لیے بس وہی عورت ملی تھی۔" اس نے ٹھنڈے سے انداز میں اپنی بالوں کی لٹ کو انگلی پہ لپیٹتے کہا تھا۔

"تم جانتی تھیں کہ وہ نیلم کا شوہر رہا ہے۔ تب بھی؟" افزا کو بری طرح ہنسی آ گئی۔ یہ کون سی غیرت تھی جواب امڈ رہی تھی۔

"ہاں تب بھی..... جب تم نے نہیں سوچا کہ تم کسی کے شوہر ہو، نیلم کسی کی بیوی ہے تو میں کیوں کسی کے بارے میں سوچوں۔ میں نے اس سے شادی کا فیصلہ تب کیا جب وہ کسی کا شوہر نہیں تھا نہ میں کسی کی بیوی تھی اور تب بھی میں غلط ہوں۔ تم نے شادی کا فیصلہ تب لیا جب تم کسی کے شوہر اور نیلم کسی کی بیوی تھی تب بھی تم ٹھیک ہو۔ علی اعظم! تم ہوتے کون ہو مجھے یہ جتانے والے کہ میں نے غلط کیا۔ یہ میری زندگی ہے اور اس کے تمام فیصلوں کا حق بھی میرا ہے بالکل اسی طرح جس طرح تمہاری زندگی کے بھی فیصلوں کا حق تمہارا ہے۔"

"تم نے مجھ سے بدلا لینے کے لیے رمیض سے شادی کی ہے۔ کیا میں جانتا نہیں ہوں۔" وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

"اول تو میں نے ایسا کچھ نہیں کیا لیکن اگر کیا بھی ہے تو بہت اچھا کیا ہے۔" اس سے بدلہ لینے کی نیت سے اس نے یہ شادی نہیں کی تھی یہ سچ تھا لیکن اب اسے اپنے فیصلے پہ پہلے سے زیادہ طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔ علی کا یوں تڑپنا اسے عجیب طرح سے مزا دے گیا تھا۔ وہ اس شادی سے بے سکون تھا، اس بات سے اسے سکون مل رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں اس رمیض کو۔ اس نے ہم دونوں سے بدلہ لیا ہے۔ مجھ سے اور نیلم سے۔ وہ مجھے یہ دکھانا چاہتا تھا کہ اگر میں نے اس کی بیوی سے شادی کی ہے تو اس نے میری بیوی سے شادی کر لی ہے۔ وہ نیلم کو دکھانا چاہتا تھا کہ وہ اسی عورت کو اپنا رہا ہے جسے اس کا شوہر چھوڑ رہا ہے۔ تم نے ایسے شخص سے شادی کر کیسے لی؟ شاید تم بھی مجھے دکھانا چاہتی تھیں کہ تم اسی مرد سے شادی کرو گی جس کی بیوی نے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تمہارے شوہر سے شادی کی ہے۔ دیکھنا یہ شادی کتنی ناپائیدار ثابت ہوگی۔ بس چند دن اور بس..... جونہی رمیض کو لگے گا کہ اس کے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو گئی ہے وہ تم سے یہ رشتہ ختم کر ڈالے گا۔ تب تمہیں احساس ہوگا کہ تم نے کس قدر غلط فیصلہ کیا تھا اس سے شادی کر کے۔''

افزا ایک پل کو ڈر گئی تھی۔ اگر ایسا ہی ہوا جیسا علی کہہ رہا ہے تو کیا ہوگا؟ کیا وہ ایک بار پھر سے تماشا بن جائے گی۔ پھر سے ایک مرد کے ہاتھوں تباہ ہو گی۔ پھر سے ایک گھر پا کر، بے گھر ہو جائے گی۔

اس نے علی کی اس کال کے بعد دن رات اللہ سے دعائیں کی تھیں کہ ایسا کچھ بھی نہ ہو۔ ایک بار برا ہو جانے کے بعد آگے سب اچھا ہی ہو۔ وہ اتنی بری بھی نہیں ہے کہ اسے بار بار دھوکا ہی ملے۔ افزا بہت ڈر گئی تھی۔ ہر پل اسے یہی دھڑکا لگا رہتا تھا کہ ابھی رمیض آئے گا اور اسے علی کی طرح اس رشتے سے آزاد کر دے گا لیکن پورا سال گزرنے کے باوجود بھی ایسا کچھ نہیں ہوا۔

اس کی دن رات کی دعائیں عجیب طرز سے قبول ہوتی دکھائی دے رہی تھیں۔ رحمت سے وہ اتنی محبت کرتا تھا کہ شاید ہی علی کبھی کر پاتا۔ وہ آفس سے گھر آجانے کے بعد اپنا سارا وقت رحمت کو دیتا تھا۔ اسے اٹھائے پھرتا تھا، اس سے کھیلتا تھا، گود میں اٹھا کر اسے سلانے کے لیے کمرے کے چکر لگاتا رہتا تھا، وہ رحمت کی آنکھ میں کبھی آنسو نہیں دیتا تھا۔ رات رات بھر اس کے ساتھ جاگتا تھا، بیماری میں افزا کے بجائے وہ اس کا خیال رکھتا تھا۔ افزا سے کہیں زیادہ وہ رحمت کا خیال رکھتا تھا۔ رحمت بھی افزا کی نسبت دن بہ دن رمیض سے زیادہ مانوس اور قریب ہوتی جا رہی تھی۔ افزا اس بات پہ جتنا شکر کرتی کم تھا کہ اس بن باپ کی بچی کو اس کا باپ مل گیا تھا۔

رمیض ایک اچھا باپ ہونے کے ساتھ ایک اچھا شوہر بھی ثابت ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ افزا کو احساس ہونے لگا تھا کہ وہ اس کا علی سے کہیں بڑھ کر خیال رکھتا ہے۔ بعض باتوں میں علی اور اس کا کوئی میچ نہیں تھا۔ علی بہت سی باتیں محض کہتا تھا، کرتا نہیں تھا جبکہ رمیض عملی قدم اٹھانے پہ زیادہ یقین رکھتا تھا۔ علی کی محبت میں شدت تھی لیکن وہ ایسے پانی جیسی تھی جو تیز بہاؤ کا ہوتا ہے، گرتا ہے اور بہہ کر آگے نکل جاتا ہے، پیچھے اپنا نشان نہیں چھوڑتا۔ رمیض کی محبت ہلکی بوندا باندی کی سی تھی، جو آہستہ آہستہ مٹی پہ گرتی اور جذب ہو کر اسے سیراب کر دینے والی ہوتی ہے، آباد کر دینے والی، خوشحالی لانے والی۔ ایک محبت نے اسے تباہ کیا تھا اور ایک محبت نے اسے پھر سے جینا سکھایا تھا۔ محبت کے خلا کو محبت نے ہی بھر ڈالا تھا، محبت کے خلا کو محبت ہی بھرا کرتی ہے۔ وہ پچھلی محبت کو کھو کر اس محبت کو پا کر بے حد مطمئن تھی اور ایک بھرپور زندگی گزار رہی تھی جس پہ اس کی پچھلی زندگی اور پچھلی محبت کی کوئی چھاپ نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

اس کی پرسکون زندگی میں انتشار کا پتھر پندرہ سال بعد تب گرا تھا جب اسے ایک روز مال میں اچانک علی دکھائی دیا تھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور عورت تھی جو نیلم نہیں تھی۔ افزا نے علی کو پہچان لیا تھا لیکن وہ اس کے ساتھ چلتی اس عورت کو نہیں پہچان سکی تھی۔ گزرتے وقت نے علی پہ کوئی ایسا خاص اثر نہیں چھوڑا تھا کہ وہ اسے پہچان نہ پاتی پھر انسان اپنے ستم گر کو کیسے بھول سکتا تھا۔ وہ بھی نہیں بھولی تھی۔ اسے دیکھ کر بھی افزا نے ان دیکھا کر دیا اور آگے بڑھ گئی۔ علی تب تک اسے دیکھ چکا تھا اور اپنے ساتھ موجود اس عورت کے کان میں کچھ کہہ کر افزا کے پیچھے آیا تھا۔

''افزا..... رکو۔'' وہ اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ ہلکے بھورے رنگ کی پینٹ پہ اس نے ہلکے آسمانی رنگ کی برانڈڈ شرٹ پہن رکھی تھی۔

افزا رک کر اجنبی نظروں سے اسے دیکھ رہی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تھی۔ علی کی نظروں میں اس کے لیے گہری شناسائی تھی، اپنائیت، لگاوٹ اور بہت کچھ جو وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''مجھے پہچانا نہیں کیا؟ میں علی ہوں۔'' وہ بھلا اسے کیسے نہ پہچانتی جس نے اسے تباہی کی آخری حد پہ لے جا کر کھڑا کر دیا تھا۔ وہ اسی طرح سرد اور اجنبی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

''مجھے لگتا تھا کہ اب تم مجھے کبھی نہیں مل سکو گی۔ میں کتنے عرصے سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔ میں نے تمہاری فیملی سے بھی تمہارا ایڈریس نکلوانے کی پوری کوشش کی لیکن کوئی مجھے تمہارے بارے میں کچھ بتانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ رمیض کی ریٹائرمنٹ کے بعد کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اچانک یوں مجھے یہاں مل جاؤ گی۔ شاید میری دعائیں قبول ہو گئی ہیں۔ شاید اللہ کو مجھ پہ رحم آ گیا ہے۔''

وہ بہت پرجوش تھا یوں جیسے برسوں کا بچھڑا کوئی بہت پیارا مل گیا ہو۔ افزا نے قدرے حیرت سے اس کے انداز اور لہجے میں موجود خوشی کو محسوس کیا تھا۔ اتنے برسوں بعد آخر اسے افزا کے ملنے کی اس قدر خوشی کیوں ہو رہی تھی۔ وہ کب سے اسے اتنی پیاری ہو گئی تھی کہ وہ اس کے ملنے کی دعائیں مانگتا رہا تھا اور اب مل جانے پہ خوشی سے بے قابو ہو رہا تھا۔

''یہاں کینیڈا میں کب سے ہو؟'' وہ ایسے دوستانہ لہجے میں بات کر رہا تھا جیسے وہ اپنا اور اس کا ماضی بھول چکا تھا۔

''پانچ سال سے۔'' وہ لوگ رمیض کی ریٹائرمنٹ لے لینے کے بعد ہی کینیڈا منتقل ہوئے تھے۔

رحمت کی ہائر اسٹڈیز کے لیے انھوں نے یہ فیصلہ لیا تھا کہ انہیں پاکستان سے کسی دوسرے ملک منتقل ہو جانا چاہیے اور ایک وجہ سامنے کھڑا شخص بھی تھا کہ وہ دونوں ہی نہیں چاہتے تھے کہ وہ انسان زندگی کے کسی موڑ پہ بھی رحمت سے ملے۔ اس سے مل کر اس پہ اپنا کسی قسم کا تعلق ظاہر کرے۔

''میں بھی پچھلے پانچ سال سے ہی تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔ تب میں یہ نہیں جانتا تھا کہ تم وہاں ہو ہی نہیں جہاں میں تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔ میری بیٹی کیسی ہے افزا!''

افزا اس کے منہ سے یہ آخری جملہ سن کر بری طرح چونکی تھی۔ وہ اس سے اس بچی کی بات کر رہا تھا جس کے وجود کو وجہ بنا کر وہ دونوں الگ ہوئے تھے۔ اس اولاد کو 'میری' کہہ رہا تھا جسے وہ پندرہ سال پہلے 'اُس کی' اولاد کہہ کر ٹھکرا چکا تھا۔

''تم کس بیٹی کی بات کر رہے ہو؟ کم از کم میں تمہاری کسی اولاد کو نہیں جانتی۔'' اس نے تنفر بھرے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ اب اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ جلد از جلد اس سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔

''میری بات سنو افزا! میں اپنی بیٹی سے ملنا چاہتا ہوں۔ پلیز مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں اور کیسی ہے؟'' وہ اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ لہجے میں بے چینی تھی اور اسی بے چینی سے وہ قدم قدم اس کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔

''تمہاری نہیں، میری بیٹی..... وہ میری بیٹی ہے اور میں تمہارا سایہ بھی اپنی بیٹی پہ نہیں پڑنے دینا چاہتی ہوں۔ تمہارا اس بچی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''وہ میری بھی بیٹی ہے۔ تم اس سے میرا تعلق نہیں توڑ سکتیں۔''

''یہ تعلق تم نے خود توڑا تھا، میں نے نہیں۔''

''اس وقت میں پاگل تھا۔ غلطی ہو گئی تھی مجھ سے۔''

''لیکن میں پاگل نہیں ہوں اور نہ ہی میرا غلطی کرنے کا کوئی ارادہ ہے۔''

''پلیز افزا! مجھے میری بیٹی سے ملوا دو۔ میں پچھلے پانچ سال سے پاگلوں کی طرح اسے دیکھنے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔ وہ میری اکلوتی اولاد ہے۔ مجھے ایسی سزا مت دو۔ مجھے اس سے یوں دور مت کرو۔'' افزا چونکی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"مجھ سے غلطی ہوئی کہ نیلم کو تمہارے مقابلے میں چنا۔ کہاں تم اور کہاں وہ۔۔؟ تم دونوں کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔" افزا نے اس کی بات پہ اسے طنزیہ مسکرا کر دیکھا تھا۔

"ہاں کہاں میں تھی اور کہاں وہ؟ میں رمیض جیسا اچھا انسان ڈیزرو کرتی تھی اسی لیے اب میں اس کے ساتھ ہوں اور وہ تمہارے جیسا گھٹیا مرد اس لیے وہ تمہارے ساتھ ہے۔"

"وہ اب میرے ساتھ نہیں ہے۔ وہ مجھے چھوڑ کر جا چکی ہے۔ اس نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ نہ گھر کا سکھ، نہ وفا، کچھ نہیں۔ اولاد تک نہیں۔" اس کے لہجے میں اپنے لیے ہمدردی تھی اور وہ یہی چاہتا تھا کہ وہ بھی اس سے ہمدردی جتائے۔ اس پہ ترس کھائے لیکن افزا کو نہ اس سے ہمدری تھی اور نہ ہی اس پہ ترس آیا تھا۔ وہ اسی قابل تھا۔ جس گھر کے سکھ اور سکون کو لات مار کر وہ نیلم کے پاس گیا تھا وہ بھلا اسے مل بھی کیسے سکتا تھا۔ جس اولاد کو وہ ٹھوک کر گیا تھا وہ اسے کیسے مل جا سکتی تھی۔ وہ خود کیا تھا جو وفا کے لیے تڑپ رہا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اس کے ساتھ، اچھا ہوا تھا۔ یہ اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی تھی۔ وہ اسی سلوک کے لائق تھا۔

"نیلم کے جانے کے بعد میں نے ارم سے شادی کی لیکن اس سے بھی میری کوئی اولاد نہ ہو سکی۔ پھر ڈاکٹرز نے مجھے بتایا کہ چھ سال پہلے ہونے والے کار ایکسیڈنٹ میں، میں باپ بننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا ہوں۔ دیکھو مجھے کیسی سزا ملی ہے قدرت کی طرف سے۔ جب قدرت نے مجھے اولاد دینا چاہی تو میں نے اسے اپنانے سے انکار کر دیا اور جب میں نے اولاد چاہی تو قدرت نے مجھے دینے سے انکار کر دیا۔"

وہ جیسے رو دینے کو تھا پھر بھی افزا کو اس پہ ترس نہیں آیا۔ اسے اس شخص پہ کبھی ترس آ بھی نہیں سکتا تھا۔ واحد جذبہ جو وہ اس شخص کے لیے محسوس کر سکتی تھی وہ نفرت کا تھا۔

"یہ سب مجھے بتانے کا مقصد؟" افزا کا لہجہ ہنوز سرد تھا۔

"دیکھو میں اپنے کیے کی سزا پا رہا ہوں اور یہ سزا مجھے قدرت دے رہی ہے۔"

"تم نے جو کچھ کیا، اس کی سزا قدرت ہی دے سکتی تھی۔"

"مجھے میری بیٹی سے ملنے دو۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اسے گلے لگا کر اولاد کی ٹھنڈک پانا چاہتا ہوں۔" وہ اب جیسے بھیک مانگ رہا تھا۔ ایک وقت تھا کہ یہی بھیک افزا نے مانگی تھی، اب وہ مانگ رہا تھا۔ اس نے کتنی بے رحمی سے کہا تھا کہ اسے اب افزا اور اس کی بیٹی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیسے اب وہ اسی افزا کے آگے اسی بیٹی کے لیے ہاتھ جوڑ رہا تھا۔ اسی بیٹی سے ملنے کو ترس رہا تھا۔

"وہ نہیں جانتی کہ اس کا باپ کوئی اور ہے، وہ رمیض کو ہی اپنا باپ سمجھتی ہے اور میں بھی اسے بتانا بھی نہیں چاہتی کہ اس کا باپ تم جیسا گھٹیا انسان ہے۔ براہ مہربانی اسے اپنے وجود سے انجان ہی رہنے دو تو اچھا ہے۔"

"تم نے اس سے میری شناخت چھپائی ہے؟" وہ یوں بے یقین ہو رہا تھا جیسے اس کی اولاد ہونا رحمت کے لیے کوئی قابل فخر اعزاز ہو۔

"تو کیا اسے میں یہ بتاتی کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کو اُس کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا؟ کیا میں اسے یہ بتاتی کہ اس کا باپ کسی گالی کی طرح اُس کے وجود کو اُس کی ماں کے منہ پہ مار کر چلتا بنا تھا؟ کیا تم سے جڑی کوئی چیز بھی ایسی تھی جو میں اپنی بیٹی کو بتاتی؟" وہ پھٹ پڑی تھی۔ اس کی آواز اتنی اونچی ہو گئی تھی کہ ارد گرد کھڑے کچھ لوگوں نے مڑ کر انھیں دیکھا تھا۔ لیکن اسے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔

"تمہیں اسے سچ بتانا چاہیے تھا کہ اس کا باپ میں ہوں..... پھر وہ فیصلہ کرتی کہ وہ اپنے سوتیلے باپ کو اپناتی ہے یا اپنے اصلی باپ کے پاس جانا چاہتی ہے۔" ڈھٹائی کل بھی اس شخص پہ ختم تھی،

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ڈھٹائی آج بھی اسی شخص پہ ختم ہو رہی تھی۔

"میں نے جس دن اسے سچ بتایا نا علی اعظم اس دن میں اسے پورا سچ بتاؤں گی، آدھا نہیں۔ اس دن وہ اپنے سوتیلے باپ کو مزید چاہے گی اور اپنے اصلی باپ کو دیکھنا بھی نہیں چاہے گی۔"

"مجھے ایک بار اس سے ملنے کی اجازت دے دو۔ یہ میرا حق ہے اور تم مجھے اس سے نہیں روک سکتیں۔" وہ منت کر رہا تھا یا دھونس جما رہا تھا جو بھی تھا افزا کے لیے ناقابل قبول تھا۔

"یہ حق تم پندرہ سال پہلے ہی کھو چکے تھے۔ میری بیٹی سے دور رہو یہی تمہارے حق میں اچھا ہے۔" وہ اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

"تم مجھ سے میرا حق نہیں چھین سکتیں۔" وہ اسے جاتا دیکھ کر پیچھے سے ہی چلایا تھا۔ افزا نے اپنے قدموں کو مزید تیز کر لیا تھا۔ وہ جلد از جلد اس شخص سے دور ہو جانا چاہتی تھی جو کسی بھوت کی طرح اس کے رستے میں کھڑا ہو گیا تھا اور کسی سائے کی طرح اس کی بیٹی کی تاک میں تھا۔

☆☆☆

افزا کے منع کرنے کے باوجود وہ شخص اس کا پیچھا کرتا ہوا اس کے گھر تک آ پہنچا تھا۔ اب وہ پوری ڈھٹائی سے اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بات کر رہا تھا۔ اس کی بیٹی سے ملنا چاہتا تھا اور اس پہ اپنا حق جتا رہا تھا۔ رمیض اور وہ غصے اور بے بسی سے اسے اپنے گھر میں، اپنی چھت تلے بیٹھا دیکھ رہے تھے۔ رمیض کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ دھکے مار کر اسے باہر نکال دے لیکن یہ مسئلے کا حل نہیں تھا۔ وہ رحمت سے کہیں باہر مل سکتا تھا، باہر مل کر اس کا برین واش کر سکتا تھا۔ اسے سچی جھوٹی کہانیاں سنا کر افزا اور رمیض کے خلاف کر سکتا تھا۔

"میں ایک بار تمہیں انکار کر چکی تھی پھر تمہیں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ نکلو یہاں سے ورنہ میں پولیس کو کال کروں گی کہ تم ہمارے گھر میں زبردستی گھس کر ہمیں ہراس کر رہے ہو۔"

"میں اپنی بیٹی سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں مل لوں پھر چلا جاؤں گا۔ یہ شرافت کی زبان تمہیں سمجھ میں نہیں آتی کیا؟ اور اگر پولیس کو بلوانا ہے تو بلواؤ۔ میں بھی یہ ثابت نہ کر دوں کہ اس کا اصلی باپ میں ہوں تو کہنا۔" وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا اور نہ ہی اس کا ہلنے کا کوئی ارادہ لگتا تھا۔

"کس بیٹی سے ملنا چاہتے ہو تم؟ جس کا نام بھی شاید تمہیں معلوم نہیں ہوگا۔ اگر اتنی محبت امڈ رہی ہے نا بیٹی کی تو اس پہ رحم کھاؤ اور یہاں سے چلے جاؤ۔ جو لڑکی ساری زندگی یہی سمجھتی رہی کہ رمیض اس کا باپ ہے، اسے اب تم یہ بتانے آئے ہو کہ تم اس کے باپ ہو۔ اس کی شخصیت کو تباہ کرنے آئے ہو۔ اس کے ماں باپ کو اس کی نظروں میں جھوٹا ثابت کرنے آئے ہو۔ اس کے اعتبار کی دھجیاں اڑانے آئے ہو۔ کیا وہ وجہ نہیں جاننا چاہے گی کہ تمہاری جگہ رمیض کیوں ہے؟ تب تم اسے کیا بتاؤ گے؟ کون سی کہانی سناؤ گے کہ کس مجبوری کے تحت تم نے اسے اور اس کی ماں کو چھوڑا تھا؟ اتنا ہی خیال ہے بیٹی کا تو اس پہ احسان کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔"

اس نے خاموشی سے افزا کی باتوں کو سنا تھا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

افزا نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔

"تم ایک ایسے انسان سے بحث میں سر کھپا رہی ہو جس نے پندرہ سال پہلے نہ تمہاری سنی تھی، نہ ہی پروا کی تھی۔ وہ اب بھی نہ تمہاری سن رہا ہے نہ پروا کر رہا ہے۔ اسے محض اپنا مفاد عزیز ہے۔ بہتر ہے کہ ایسے شخص کو اس کے حال پہ چھوڑ دیا جائے۔" رمیض نے افزا کا ہاتھ نرمی سے تھام کر اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"یہ رحمت کو ہمارے خلاف کرنے آیا ہے۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ اس کے اس طرح چلے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آنے سے کیا تباہی آئے گی ہماری زندگی میں۔ رحمت کی زندگی میں؟'' وہ رو دینے کو تھی۔ اس کے گھر کا سکون برباد ہونے جا رہا تھا۔

''اگر ہم نے رحمت کی تربیت اچھے سے کی ہے تو ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ وہ کسی ایسے انسان کی باتوں کا یقین نہیں کرے گی جسے رشتوں کا پاس ہی نہ ہو۔'' رمیض نے روتی ہوئی افزا کا ہاتھ تھام کر اسے سمجھاتے ہوئے تنفر سے سامنے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھے اس انسان کو دیکھا جو کبھی اس کا کولیگ، افزا کا شوہر اور اس لمحے رحمت کا باپ تھا۔

''ماما آپ لوگ یہاں لان میں کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں تو کچھ دیر تک مووی کے لیے نکلنا تھا نا؟'' سامنے پتھروں کی روش پہ چلتی ہوئی پندرہ سالہ لڑکی، پونی ٹیل کو لہراتے، ان کی طرف آ رہی تھی۔

افزا نے پہلے رحمت کو دیکھا تھا اور پھر رمیض کو۔ وہ دونوں خاموش تھے اور علی یک دم رحمت کو دیکھ کر اپنی جگہ کھڑا ہو گیا تھا۔

''میری بیٹی.....'' وہ فرط جذبات سے آگے بڑھا تھا۔ افزا اسے روکنے کو آگے بڑھی تھی لیکن رمیض نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روکتے ہوئے سر کے اشارے سے نفی میں سر ہلایا تھا۔ افزا بے بسی سے ہونٹ بھینچ کر رہ گئی تھی۔

علی نے فوراً سے رحمت کو جھپٹ کر گلے سے لگا لیا تھا۔ رحمت نے حیرت سے اسے دیکھا اور غیر آرام دہ حالت میں اسے پیچھے کیا تھا۔ علی نے اسے بغور دیکھا تھا، اس کی آنکھیں اور ناک بالکل اس جیسی تھیں۔ باقی وہ افزا سے مشابہت رکھتی تھی۔

''بیٹا میں تمہارا ڈیڈی ہوں۔'' وہ بہت پرجوش سا ہو کر کہہ رہا تھا۔

اس ایک جملے نے پیچھے کھڑے رمیض اور افزا کو تڑپا ڈالا تھا۔ رمیض نے کرب سے آنکھیں موند لی تھیں۔ افزا نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

''کون ہیں آپ اور کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ حیران کھڑی اس شخص کی دماغی کیفیت پہ شبہ کر رہی تھی۔

''میں تمہارا باپ ہوں بیٹا۔ تمہارا اصل باپ۔ علی اعظم۔'' رمیض وہیں سامنے بیٹھ گیا تھا۔ رحمت نے ماں کی طرف دیکھا تھا۔

''ماما یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کون ہیں یہ؟'' افزا نے آگے بڑھ کر رحمت کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے ساتھ گھسیٹ کر اندر لے جانے لگی۔

''تم ایسے میری بیٹی کو نہیں لے جا سکتیں۔'' وہ بیچ میں آیا تھا۔

''مجھے رحمت سے بات کرنی ہے۔ پھر تم اپنی بات کر لینا۔'' افزا اسے پرے دھکیل کر، رحمت کا ہاتھ تھامے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ علی وہیں رمیض کے برابر بیٹھ گیا تھا۔

''ماما وہ انکل کیا کہہ رہے ہیں؟'' رحمت پریشان ہو کر افزا سے پوچھ رہی تھی پندرہ سال بعد کوئی آ کر آپ کے سامنے کھڑا ہو کر آپ کی شناخت کو مشکوک بنا دے تو کیسا لگتا ہے؟ اسے بھی ویسا ہی لگ رہا تھا۔ عدم تحفظ کا شکار وہ بے حد پریشان سی ماں سے پوچھ رہی تھی۔

''میری بات غور سے سنو رحمت! وہ شخص جو باہر کھڑا ہے وہ تمہارا باپ ہے۔ تمہارا حقیقی باپ..... وہ انسان جو تمہیں دنیا میں لانے کا سبب بنا تھا لیکن اس نے تمہیں قبول نہیں کیا تھا۔ تمہیں جس شخص نے قبول کیا ہے وہ تمہارے بابا رمیض ہیں۔ جنھوں نے تمہیں پالا ہے، تمہیں پیار دیا ہے، تمہارے سارے لاڈ اٹھائے ہیں وہ رمیض ہیں، تمہارے پیارے بابا۔ وہ شخص نہیں جو اب خود کو تمہارا باپ کہہ رہا ہے۔ تم سمجھ رہی ہو نا؟'' اور وہ نہیں سمجھ رہی تھی پھر بھی ہاں میں سر ہلا رہی تھی۔

''وہ میرا پہلا شوہر تھا، تمہارا باپ تھا۔ رمیض میرے دوسرے شوہر ہیں۔ وہ ہمارا ماضی تھا اور رمیض ہمارا حال ہیں۔'' وہ پھر سے ہاں میں سر ہلا رہی تھی حالانکہ اس کا سر منوں وزنی ہو چکا تھا جسے ہلانے میں اسے بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

''اس نے ہمیں گھر سے، اپنی زندگی سے الگ کر دیا تھا کیونکہ وہ تمہیں نہیں چاہتا تھا۔ وہ تمہارے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

وجود سے انکاری تھا۔ کیا تم سمجھ رہی ہو؟'' وہ سمجھ رہی تھی، تبھی رو رہی تھی۔

افزا نے اسے پیار سے گلے لگا لیا تھا۔ رحمت ماں کے گلے لگتے ہی کھل کر رونے لگی تھی۔

اب اس سے سچائی چھپانا حماقت تھی سو افزا نے اسے سب صاف بتا دیا تھا۔ رحمت پتھرائی نظروں سے اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی، سائیں سائیں کرتے کانوں سے انہیں سن رہی تھی۔ حرف حرف، لفظ لفظ۔

''اب وہ تم سے ملنے آیا ہے کیونکہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے تمہارے سوا۔ وہ تمہیں جھوٹی سچی بہت سی کہانیاں سنائے گا۔ تمہارا دل بہلائے گا۔ تمہیں بس اپنی ماں کی بات پہ یقین رکھنا ہے۔ اپنے بابا کا مان رکھنا ہے۔ تم ایسا کرو گی نا میری پیاری بیٹی؟''

آنکھ سے چھلکتے آنسوؤں کو اس پیاری بیٹی نے صاف کرنے کی زحمت بھی نہ کی اور نہ ہی سر ہلا سکی تھی۔ وہ اب اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلی آئی تھی جہاں سے لان کا منظر واضح تھا اور وہ ساتھ ساتھ بیٹھے ان دونوں انسانوں کو دیکھ رہی تھی جو اس کے باپ تھے۔ ان دونوں انسانوں میں سے اپنا باپ تلاش کر رہی تھی..... اپنا اصل باپ۔

اسے اب اپنے باپ سے ملنے جانا تھا، اس باپ سے جو پندرہ سال بعد اس کا باپ بن کر اس کی زندگی کا سکون برباد کرنے چلا آیا تھا۔ اسے اس باپ کی کہانی بھی سننا تھی۔

☆☆☆

اس کے باپ کی کہانی اس کی ماں کی کہانی سے مختلف تھی جس میں سوائے اپنے دفاع اور اس کی ماں کی خطا کے کچھ نہ تھا۔

''میں قصوروار تھا لیکن مجھ سے زیادہ قصوروار تمہاری ماں تھی۔ وہ چاہتی تو اپنا گھر بچانے کی پوری کوشش کر سکتی تھی۔ نیلم کو قبول کر سکتی تھی۔ اس کے ساتھ گزارا کر سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے اپنی انا کا مسئلہ بنا کر الگ ہونا پسند کیا۔'' وہ محض نیلم کی بات کر رہا تھا، رحمت کی نہیں۔ وجہ نیلم کو بنا رہا تھا، رحمت کو نہیں۔

''وہ نیلم کو قبول کر بھی لیتیں تو آپ کی شرط کیسے قبول کرتیں۔'' یہ وہ محض سوچ سکی تھی، کہا نہیں تھا۔ ابھی اس نے بولنا نہیں تھا، محض سننا تھا۔

''وہ خود گھر چھوڑ کر گئی تھی، میں نے اسے نہیں نکالا تھا۔ نہ میں نے اسے جانے کا کہا تھا۔ یہ سراسر اس کا اپنا فیصلہ تھا تو برا میں کیوں بن گیا؟'' وہ اپنے کہے سب جملوں سے مکر گیا تھا جنھوں نے اس کی ماں کو وہاں سے جانے پہ مجبور کیا تھا، یہ رشتہ توڑنے پہ مجبور کیا تھا۔ وہ جملے بھی شاید اس کے نزدیک مذاق ہی تھے جیسے یہ رشتہ۔

''ہاں آپ نے صرف انہیں یہ کہا تھا کہ اس گھر میں رہنے کے لیے انہیں آپ کی بات ماننا ہوگی، مجھے مارنا ہوگا اور بس..... اسے نکالنا نہیں کہتے لیکن اسے بسانا بھی نہیں کہتے۔'' وہ سب ہی جواب اندر ہی اندر خود کو دے رہی تھی، اپنے باپ کو نہیں۔

''ایک بار جانے کے بعد وہ دوبارہ لوٹ کر نہیں آئی کیونکہ وہ لوٹنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی تھی۔'' وہ مظلوم بن گیا تھا اور اس کی ماں کو ظالم بنا ڈالا تھا۔ خود بے قصور تھا، سارا قصور اس کی ماں کا تھا۔

''وہ.....؟ یا آپ.....؟'' رحمت نے لب بھینچ لیے تھے۔

''اس نے مجھ سے خود طلاق مانگی تھی، میں نے ایسا کچھ نہیں چاہا تھا۔''

''کوئی رستہ آپ نے چھوڑا تھا ان کے لیے؟''

''اس نے شاید پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ وہ اب مجھ سے طلاق چاہتی ہے اسی لیے اس نے میری شادی پہ کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اس نے میری شادی کے فوراً بعد ہی مجھ سے طلاق مانگ لی تھی۔''

''اس سے پہلے جو وہ بھیک مانگ کر آئی تھیں وہ آپ نے دینا گوارا نہ کیا، طلاق فوراً دے ڈالی۔''

''میں پھر ایسی عورت کو کیسے بساتا جو خود بسنا نہ چاہتی ہو..... اور وہ کیوں بسنا نہیں چاہتی تھی اس کا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

جواب مجھے بہت جلد مل گیا تھا۔ وہ رمیض سے شادی کرنا چاہتی تھی اور اس نے یہی کیا۔ اپنی عدت کے ختم ہوتے ہی اس نے رمیض سے نکاح کرلیا۔"

سامنے کھڑے مرد نے اپنی طرف مضبوط کرنے کے لیے آسان کام کیا تھا، ایک عورت پہ الزام لگا دیا تھا۔

"تو آپ چاہتے تھے کہ وہ ساری عمر آپ کے نام پہ بیٹھی رہتیں۔ ماتم مناتی رہتیں۔ مرد اپنی چھوڑی ہوئی عورت کو کبھی ہنستا اور بستا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔"

یہ آخری جملہ سوچ کر وہ مزید کوئی صفائی اور وضاحت سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس انسان کے پاس اپنے حق میں دینے کے لیے جھوٹی صفائیاں اور اس کی ماں کو دینے کے لیے بہت سے الزام تھے جو اسے اب نہیں سننا تھے۔ اس کے سامنے اس کی ماں کی گزشتہ پندرہ سالہ زندگی تھی اور سامنے کھڑے شخص کی زندگی کے پندرہ گھنٹے بھی نہ تھے پھر وہ کیسے اپنی ماں کی کسی بات پہ اعتبار نہ کرتی اور اس شخص کی ہر بات آنکھیں بند کر کے مان لیتی۔ ٹھیک ہے ہوگی اس کی ماں بھی قصوروار اس کا کیا قصور تھا کہ وہ پندرہ سال اس سے بے خبر رہا۔ بیویوں کو تو بہت مرد چھوڑ دیتے ہیں، اولاد کو کون ایسے چھوڑتا ہے؟ بیوی کو تو طلاق دے کر رشتہ ختم کر ڈالا تھا تو اسے کس کھاتے میں ڈالا تھا اس شخص نے؟ پھر وہ کیسے ایسا بے چارہ بن کر کھڑا تھا کہ جیسے اس نے کچھ کیا ہی نہ ہو۔ جیسے اس کے سارے حساب صاف ہوں۔

اس کی ساری کہانی میں سرے سے رحمت کا کوئی تذکرہ تھا ہی نہیں۔ وہ اپنا گناہ چھپا کر اس کی ماں پہ گناہوں کا سارا ملبہ ڈال چکا تھا۔ خود ہر قسم کے الزام سے بری الذمہ ہو کر مظلوم بنا کھڑا تھا اور اس کی ماں کو ظالم بنا چکا تھا۔

"اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" وہ اصل بات پہ آ گئی تھی۔ اس شخص کا مقصد جاننا چاہتی تھی کہ پندرہ برس بعد وہ اس کی تلاش میں وہاں کیوں آیا تھا۔ اس سے کیوں ملنا چاہتا تھا۔ اس پہ کون سا حق جتانے آیا تھا۔ پندرہ برس بعد اسے دھتکاری ہوئی بیٹی کیسے یاد آ گئی۔ کیسے اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ کسی کا باپ بھی ہے؟

"میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنا باپ قبول کر کے، میری مجبوریوں کو سمجھ کر میرے ساتھ چلو۔"

رحمت نے اس خود غرض شخص کو دیکھا جو اس کا باپ تھا۔

"میری کوئی اولاد نہیں ہے ایک تمہارے سوا..... تم میری اکلوتی اولاد ہو۔ میری ساری پراپرٹی کی مالک۔ میری ساری محبت کی حق دار۔ میں اب تمہاری کمی بہت محسوس کرنے لگا ہوں۔ مجھے اب تمہارے بنا رہنا بے حد مشکل لگنے لگا ہے اور خاص کر اب جب کہ میں تم سے مل بھی چکا ہوں۔" کوئی ایک بات کوئی ایک جملہ رحمت کے دل کو اس کے حق میں نرم نہیں کر پایا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے جانے کی بات کر بھی کیسے سکتا تھا؟ اور اسے لگتا تھا کہ وہ راضی بہ رضا اس کے ساتھ چل پڑے گی۔ کیا یہ سب اس کے لیے اتنا آسان تھا؟ شاید اتنا ہی آسان تھا تب ہی وہ ایک رشتے کو چھوڑ کر با آسانی دوسرے کو اپنا لیا کرتا تھا۔ وہ اس کا خون ضرور تھی لیکن اس کی تربیت نہیں تھی کہ اپنے ماں باپ کی محبت کو بھول کر اس کے ساتھ چل پڑتی۔ رشتے احساس کے ہوا کرتے ہیں، جذبات سے بنا کرتے ہیں۔ سامنے کھڑے شخص سے بھلے اس کا خونی رشتہ ہو مگر نہ اس کے دل میں اس کے لیے کوئی احساس تھا نہ ہی کوئی جذبہ۔

"مجھے ایک بار اپنی ماں سے بات کرنی ہے۔ پھر میں آپ کو جواب دوں گی۔" اس کے اس جملے میں علی کو ایسی امید دکھائی دی تھی کہ وہ یک دم کھل اٹھا تھا۔

"ہاں ہاں..... کیوں نہیں..... میں یہیں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

☆☆☆

"وہ کہتے ہیں کہ سارا قصور آپ کا تھا۔" اس نے نم آنکھوں سے ماں کو دیکھا تھا۔ وہی آنکھیں جو ہو بہو اس کے باپ کی تھیں۔

"اس سے کم وہ کچھ کہتا تو مجھے حیرت ہوتی؟

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اسے یہی کہنا چاہیے تھا۔" افزا نے ہولے سے مسکرا کر رحمت کو دیکھا۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے؟" وہ اب ماں کو دیکھ رہی تھی، اس سے سوال کر رہی تھی۔

"تمہارے سامنے اپنی ماں کی گزشتہ پندرہ سالہ زندگی ہے اور اپنے باپ کی چند گھنٹوں کی باتیں..... یا تو تم اس کے الفاظ پہ یقین کر لو یا اپنی ماں کی زندگی پر۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سپاٹ سے لہجے میں بولی تھی۔ اس سے پہلے اس نے کبھی ماں کو ایسے لہجے میں بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اس سے پہلے ایسی کوئی سچویشن ان کی زندگی میں آئی بھی تو نہیں تھی۔

"تو پھر آپ کو میرے سامنے ایک عدالت لگانا ہوگی، جس کی وکیل آپ ہوں گی اور جج میں۔ کیا آپ اپنی بیٹی کے لیے اس شخص کے سامنے نہیں جا سکتیں۔ اس سے پچھلے سارے حساب نہیں مانگ سکتیں؟" وہ ماں کے ہاتھ دونوں ہاتھوں تھام کر التجا کر رہی تھی۔

"تمہیں اب بھی گواہ اور دلیل چاہیے میری بات کا یقین کرنے کے لیے؟" اسے لگا تھا کہ رحمت اس کی بات کا یقین نہیں کر پا رہی۔

"آپ کا حرف حرف میرے لیے ایمان کا درجہ رکھتا ہے۔ کسی آسمانی صحیفے کی طرح جس پہ ایمان بند آنکھوں اور کھلے دل سے لایا جاتا ہے۔ مجھے صرف اس شخص کے منہ سے سچ سننا ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ کیا آپ کو سامنے پا کر بھی وہ شخص جھوٹ بولے گا یا وہ سچ کہے گا۔"

"بہت سال پہلے میں عدالت لگا چکی ہوں، تب ایک فیصلہ اس نے سنایا تھا اور ایک میں نے۔ اب یہ کام تمہیں خود کرنا ہوگا۔ اپنا وکیل اور جج تمہیں خود بننا ہوگا۔ آج کی تاریخ میں سب تمہارے ہاتھ میں ہے، مقدمہ بھی اور فیصلہ بھی۔" افزا نے سب اس پہ چھوڑ دیا تھا۔ رحمت نے اپنے قدموں کو ایک پل کو کمزور ہوتے پایا اور پھر اس نے دروازے پہ کھڑے اپنے باپ کو دیکھا جو خاموش تھا لیکن سب سن رہا تھا۔

"آپ بھی وہی کہیں گے جو ماما کہہ رہی ہیں؟"

رمیض نے ہاں میں سر ہلایا تھا۔

"میں نے ان کی سب باتیں سن کر بھی ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ یہی میری تربیت تھی۔ کیا مجھے انہیں دو ٹوک سب کہنا چاہیے؟ کیا مجھے ان سے ان کے گناہوں کا حساب مانگنا چاہیے؟"

"اس کہانی کی سب سے مضبوط کڑی تم ہو رحمت۔ یہ کہانی اس ڈگر پہ تمہاری وجہ سے ہے۔ تمہاری ماں نے اسے تمہاری وجہ سے چھوڑا۔ تمہارے رمیض ماما نے تمہاری ماں کو تمہاری وجہ سے اپنایا۔ تمہارا باپ بھی اس چھت تلے تمہاری وجہ سے موجود ہے۔ اب جو کرنا ہے تمہیں کرنا ہے۔۔۔ اللہ نے کہانی کے انجام کے لیے تمہیں چنا ہے۔ اللہ کی رحمت کو۔ تم وہ کرو گی جو تمہیں ٹھیک لگے گا، اپنا فیصلہ تم خود سناؤ گی، اپنی منزل تم خود چنو گی۔ تمہارے باپ نے تمہاری ایسی تربیت نہیں کی کہ تم کسی قدم پہ بھی کمزور پڑو۔ تم ایک مضبوط ماں کی مضبوط بیٹی ہو۔ تمہیں مضبوط ہی رہنا ہے، کمزور نہیں پڑنا۔ اپنے ارادے کی مضبوطی دکھاؤ اور فیصلہ لو جو تمہیں ٹھیک لگتا ہے۔" وہ اس کے کاندھے پہ ایک امید بھرا ہاتھ دھرتا اسے مضبوطی دلا رہا تھا، وہ چند ثانیے اسے دیکھتی رہی اور پھر ایک گہری سانس بھر کر باہر کی جانب بڑھ گئی۔ افزا اور رمیض نے اسے جاتا دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو۔

"وہ کیا کرے گی؟"

"وہی کرے گی جو اسے کرنا چاہیے۔" رمیض نے ایک تھکن زدہ مسکراہٹ سے افزا کو دیکھا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

☆☆☆

علی نے سر اٹھا کر اسے سامنے کھڑا دیکھا تھا جو سینے پہ ہاتھ باندھے بنا کسی تاثر کے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ذرا کی ذرا مسکرا دیا۔ پیچھے لان کے سرے پہ اس کے ماں باپ کھڑے تھے۔ خاموش اور سہمے ہوئے۔ علی نے ایک نظر ان پہ ڈالی تھی اور اسے لگا تھا کہ رحمت اس کے ساتھ جانے پہ آمادہ ہو گئی ہے تب ہی ان کے چہرے ایسے سیاہ ہیں۔ اسے اپنی کامیابی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ان دونوں کے چہروں پہ دکھائی دے۔ رہی تھی۔ وہ جو کرنے آیا تھا، کر ڈالا تھا۔

"میں جانتا تھا کہ تم میری بات کا یقین کر کے میرے ساتھ چلو گی۔ تم اپنے باپ کی مجبوری کو سمجھو گی۔ خون میں اتنی کشش تو ہوا ہی کرتی ہے کہ وہ اپنے خون کو کھینچ لے۔ اسے اپنا لے۔ اپنا بنا لے۔ تم نے اپنے باپ کو معاف کر دیا۔ اسے اپنا لیا۔ تمہارے باپ کے لیے یہ دن اس کی زندگی کا حسین ترین دن ہے۔" وہ ضرورت سے زیادہ پر امید ہو چلا تھا۔ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو جانے سے اس نے کتنے مفروضے اپنی جانب سے گھڑ ڈالے تھے۔ سچے کم، جھوٹے زیادہ۔ اسے خوش فہمی تھی یا غلط فہمی، جو بھی تھی رحمت کو ہنسی آ گئی تھی۔

"میری کوئی بھی بات سنے بنا آپ کیسے اتنی بڑی بڑی باتیں کر سکتے ہیں۔ کیسے آپ یہ مان سکتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ جانے پہ آمادہ ہوں، آپ کے ساتھ رہنے پہ آمادہ ہوں؟ یہ اتنا آسان کیوں لگتا ہے آپ کو؟"

علی نے اسے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔ اس کے مسکراتے لب بھنچ گئے تھے۔

"پہلے میرے کچھ سوالوں کا جواب تو دے دیں پھر ساتھ بھی لے جایئے گا۔"

"کیسے سوال.....؟" وہ ذرا چونکا۔

"آپ کی کہانی میں، رحمت تو کہیں ہے ہی نہیں۔ اسے بھی تو کہیں ہونا چاہیے نا کیونکہ یہ کہانی تو ہے ہی رحمت کی۔ پھر وہ آپ کی کہانی سے نکل کیسے گئی؟"

علی نے اس کی مسخرانہ ہنسی کو دیکھا تھا اور اسے لگا تھا جس بازی کو وہ جیت سمجھ رہا تھا وہ اس کی ہار بن چکی ہے۔

"ماما ایک بری عورت تھیں جنھوں نے رمیض بابا سے شادی کر لی لیکن یہ تو آپ نے بتایا نہیں کہ انھوں نے یہ شادی نیلم اور آپ کی شادی کے بعد کی تھی یا پہلے.....؟ مجھے صرف سچ سننا ہے کیونکہ میرے پاس نیلم کا کانٹیکٹ نمبر ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ اب صرف سچ ہی بولے گی۔ کم از کم آپ کے لیے وہ اب جھوٹ نہیں بول سکتی۔" اس نے سامنے کھڑے اس شخص کا رنگ اڑتے دیکھا تھا۔

"آپ نے یہ بھی نہیں بتایا کہ پہلے افیئر کس کا چلا تھا؟ ماما اور بابا کا یا آپ کا اور نیلم کا؟" اب سامنے کھڑے شخص کا رنگ سیاہ پڑا تھا۔

"اس نے یہ شادی میری اور نیلم کی شادی کے بعد کی تھی کیونکہ اس کی طلاق تمہاری پیدائش کے بعد ممکن تھی۔ تب تک اسے انتظار کرنا پڑا تھا۔ یہ اس کی مجبوری تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مجھ سے باوفا تھی۔ اس نے رمیض سے شادی کے لیے ہی مجھ سے طلاق لی تھی..... ورنہ وہ طلاق لینے میں اتنی جلدی نہ کرتی، نہ ہی اپنی عدت کے ختم ہوتے ہی شادی کر لیتی۔ اس کے دل میں رمیض کے لیے کہیں کوئی نرم گوشہ تھا تو ہی ایسا ہوا تھا ورنہ یہ سب اتنی جلدی کیسے ہو سکتا تھا؟"

"تو گویا پہلے شادی آپ نے کی پھر میری ماں نے؟ پھر وہ بدکردار اور آپ بلند کردار کیسے ہو گئے؟ اور اس سب سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ انھوں نے آپ سے طلاق بابا کے لیے لی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے آپ سے طلاق آپ کی دوسری شادی کی وجہ سے ہی لی ہو اور بعد میں بابا سے شادی کر لی ہو۔ آخر وہ کب تک اکیلے زندگی گزارتیں؟ انھیں کسی نہ کسی سے تو شادی کرنا ہی تھی تو بابا سے کر لی۔ اس میں برا کیا ہے بھلا؟ آپ کو اس بات پہ اعتراض ہے کہ یہ شادی اسی مرد سے کیوں کی گئی جس کی بیوی سے آپ نے شادی کی تھی یا آپ کو یہ اعتراض ہے کہ یہ شادی اتنی جلدی کیسے کر لی گئی۔۔۔؟ ایک طلاق یافتہ عورت کا شادی کرنا اسے بدکردار بنا دیتا ہے تو ایک شادی شدہ مرد کا دوسری شادی کرنا اسے پاک باز کیسے بناتا ہے؟"

"تو اسے کیا ضرورت تھی طلاق لینے کی؟ کیا وہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی پہلی بیوی بن کر؟ دنیا بھر کی عورتیں شوہروں کی دوسری شادیاں برداشت کرتی ہیں، وہ نہیں کر سکتی تھی کیا؟ میں نے شادی ہی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کی تھی گناہ تو نہیں کیا تھا، پھر اسے کیا ضرورت تھی اپنا اچھا بھلا گھر تباہ کرنے کی؟'' وہ بری طرح چلایا تھا۔ جن کے پاس دلیل نہیں ہوا کرتی وہ اپنے لہجوں کو اونچا کرلیا کرتے ہیں تاکہ اگلے کی دلیل کو دبا سکیں۔

''وہ ضرور برداشت کرلیتیں اگر آپ انہیں ماں بننے دیتے تو..... وہ بطور بیوی تو سب ہی برداشت کر رہی تھیں لیکن بطور ماں وہ یہ سب برداشت نہیں کرسکتی تھیں جس پہ آپ انھیں مجبور کر رہے تھے۔'' علی کے قدم لرزے تھے۔ افزا نے اسے سب بتادیا تھا۔ صاف صاف اور واضح۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

رحمت مسکرادی تھی۔ وہ اب بھی جھوٹ بول رہا ہے وہ جانتی تھی۔ اس کی ماں ٹھیک کہتی تھی کہ وہ کبھی اپنی غلطی نہیں مانتا۔ بس جھوٹ پہ جھوٹ بولتا سچ کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔

''آپ نے ان سے کہا نہیں تھا کہ وہ اپنا بچہ یعنی کہ مجھے ماردیں کیونکہ میں آپ کی خواہش نہیں تھی.....؟''

''میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ.....'' وہ ذرا ہکلایا تھا۔ اب کی بار جھوٹ بولنا اسے اتنا آسان نہیں لگا تھا۔

''آپ نے کہا تھا کہ نہیں؟'' اس کی بات کاٹ کر وہ چلائی تھی۔

''میں.....'' وہ لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔

اس بار وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ خاموشی، اعتراف کی نشانی تھی۔ رحمت کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں لیکن اس نے خود کو اگلے پل مضبوط کرلیا تھا۔ وہ رمیض اور افزا کی بیٹی تھی، اسے مضبوطی سے لڑنا تھا۔

''جب ماما نے آپ سے کہا کہ آپ بیٹی کے باپ بننے والے ہیں تو آپ نے کہا تھا نا کہ آپ کو اولاد خاص کر بیٹی بالکل نہیں چاہیے..... کہا تھا کہ نہیں.....؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ علی کا سر جھک گیا تھا۔ رحمت کی آنکھوں سے اب کی بار ایک آنسو چھلکا تھا۔ جس شخص نے اس کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا وہ اب اس کے لیے کیسے پسندیدہ ہوگئی تھی۔ جسے وہ کبھی دنیا میں لانا ہی نہیں چاہتا تھا کیسے پندرہ سال بعد اسے اپنی دنیا بنانا چاہتا تھا۔

''جب ماما نے کہا کہ آپ اللہ کی رحمت سے انکار کررہے ہیں تو آپ نے کہا تھا کہ آپ کو اللہ کی رحمت نہیں چاہیے..... کہا تھا کہ نہیں.....؟'' وہ چلائی تھی۔

''بیٹا..... میں.....'' وہ روہانسا ہوکر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن وہ کچھ نہیں سننا چاہتی تھی۔ کوئی صفائی یا دلیل کچھ نہیں۔ اسے صرف ہاں یا نہ میں جواب چاہیے تھا اور بس۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

''کہا تھا یا نہیں؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر پہلے سے بھی زیادہ اونچی آواز میں چلائی تھی۔

علی نے کرب سے آنکھیں موند لی تھیں۔ اس میں ہاں کہنے کی ہمت نہیں تھی اور نہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اب۔

''جس کے لیے یہ سب کہا وہ آپ کے سامنے کھڑی ہے۔ پندرہ سال پہلے جس رحمت کو مارنا چاہتے تھے اس کو پانے کے لیے پندرہ سال بعد تڑپ رہے ہیں۔ جس کا وجود قابل قبول نہیں تھا اب اسے کیسے قبول کرنے چلے آئے ہیں؟ آپ کو تو اللہ کی رحمت نہیں چاہیے تھی تو پھر اب آپ کو رحمت ہی کیوں چاہیے؟''

اس نے نفرت سے اپنے سامنے کھڑے شخص سے سوال کیا تھا جس کے جواب میں وہ خاموش رہا تھا، آنسو بہاتا رہا تھا، شکست خوردہ سا سر جھکائے کھڑا تھا، نادم تھا۔ رحمت نے اپنی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کی دھار کو سختی سے رگڑ کر صاف کیا اور روہانسی لہجے کو مضبوط کیا۔ اسے کمزور نہیں پڑنا تھا، اسے کمزور نہیں دکھنا تھا۔

''آپ نے کہا نا کہ آپ کو اللہ کی رحمت نہیں چاہیے تو دیکھ لیں علی اعظم! اللہ نے آپ کو رحمت نہیں دی، اللہ نے آپ کو اپنی رحمت سے دور کردیا۔ ہمیشہ کے لیے..... جو اتنے بڑے بول بول ڈالے اسے پھر اپنے کہے کی کی قیمت بھگتنا پڑتی ہے، آپ بھی بھگتیں گے اور ساری عمر بھگتیں گے۔ بیٹیوں کو دھتکارنے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

والوں کو بیٹے بھی نہیں ملا کرتے پھر۔ بھلے وہ سو شادیاں کر ڈالیں۔" ایک پل کو رک کر اس نے علی کو دیکھا جس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ اب گھٹنوں کے بل زمین پہ گر گیا تھا۔ اس کے ہاتھ ہوا میں بلند ہوئے تھے اور اس نے سر اٹھا کر رحمت کی جانب دیکھا تھا۔ ڈبڈبائی نظروں اور لرزتے ہونٹوں کے ساتھ۔

"دیکھو اپنے باپ کو جو آج تمہارے قدموں میں گر کر معافی مانگنے آیا ہے۔ ایک امید لے کر آیا ہے کہ تم اسے معاف کر دو گی۔ سمجھو گی کہ وہ غلطیوں کا مداوا کرنے آیا ہے۔ مجھ سے گناہ ہوا، تم تو گناہ مت کرو۔ میں پتھر دل بن گیا تم تو موم ہو جاؤ۔ میں کم ظرف تھا، تم اعلیٰ ظرفی دکھا دو۔ تمہاری ماں نے تمہارا نام رحمت رکھا، کچھ تو اپنے باپ پہ رحم کھاؤ۔ اسے ایسے مت دھتکارو۔ میں اولاد کے لیے، اسے پانے کے لیے پل پل مرا ہوں، مجھے ایسے مت مارو۔ ایک بار معاف کر کے میرے گلے لگ جاؤ..... اپنے باپ پہ بس اتنا سا ترس کھا لو۔ اتنا سا ہی سہی لیکن تعلق جوڑ لو۔ اولاد کی ٹھنڈک کیا ہوتی ہے، ایک پل کو ہی سہی لیکن اسے محسوس کرنے دو۔ تم میرے ساتھ نہیں جانا چاہتیں تو مت جاؤ بس مجھے باپ مان کر مجھ سے مل لیا کرو۔"

رحمت تلخی سے مسکرائی تھی۔ پیچھے کھڑی افزا نے اپنا رخ آنسو چھپانے کے لیے موڑ لیا تھا۔ رمیض نے اپنا سر جھکا لیا تھا۔ سامنے گھٹنوں کے بل گرے شخص کو انھوں نے ساری زندگی اکڑ کر کھڑے دیکھا تھا، اس کا جھکنا جیسے ان سے برداشت نہیں ہوا تھا۔

"اولاد جب چھوٹی ہوتی ہے تو کچھ دے نہیں سکتی، تب دینے کی باری ماں باپ کی ہوتی ہے۔ پہلی باری ان کی ہوتی ہے اور انھیں ہی پوری کرنی ہوتی ہے۔ دوسری باری اولاد کی ہوتی ہے جو اولاد کی جوانی اور ماں باپ کے بڑھاپے سے شروع ہوتی ہے۔ تب انھیں دینا ہوتا ہے۔ اپنی باری پوری کرنا ہوتی ہے۔ جو ماں باپ اپنی باری پوری کیے بنا چاہتے ہیں کہ دوسرے کی باری سے فائدہ اٹھائیں، وہ ہمیشہ خالی ہاتھ ہی رہ جاتے ہیں۔ جنھوں نے دینا نہیں ہوتا وہ پانے کے لیے کیوں تڑپتے ہیں؟ انہیں اسی طرح نامراد لوٹ جانا چاہیے، یہی ان کی سزا ہے اور یہی آپ کی سزا ہونی چاہیے۔" اس نے دکھ سے علی کے جڑے ہاتھوں کو دیکھا۔ جو اب ہاتھ گود میں گرائے سر نیچے جھکائے پھوٹ پھوٹ کر کسی بچے کی طرح رو رہا تھا۔ رحمت کی اپنی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ اس نے آنسوؤں کا ایک گولا اپنے حلق میں اتار دیا۔

"میری ماں نے میرا نام رحمت رکھا، وہ بچپن سے مجھے اللہ جی کی رحمت کہہ کر بلاتی اور اٹھاتی رہی ہے۔ میں اس نام کی لاج رکھوں گی۔ رحمت بن کر بس آپ کو معاف کر سکتی ہوں لیکن آپ سے ملوں گی یا آپ کے ساتھ جانے پہ آمادہ ہو جاؤں گی یہ آپ بھول جائیں۔ آپ کو باپ کہہ کر بلاؤں گی یہ خیال دل سے نکال دیں۔ آپ کی آنکھوں اور دل کی ٹھنڈک بنوں گی اس سوچ کو مار ڈالیں۔ میں اپنے ماں باپ کے ساتھ اپنی زندگی میں بہت خوش ہوں، پرسکون ہوں مجھے سکون سے رہنے دیں۔ دو کشتیوں کا سوار بنا کر مجھے ڈبونے کی کوشش مت کریں۔ اگر واقعی آپ کے دل میں اپنی بیٹی کے لیے ذرا سی بھی محبت ہے تو اسے ان رشتوں کے ساتھ سکون سے جینے دیں جنہیں وہ اپنا مانتی ہے۔ اسے بار بار ذہنی آزمائش سے دوچار کرنے اس کی زندگی میں مت چلے آئیں۔"

علی نے ایک آخری امید سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ رحمت نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں علی اعظم! وقت نے یہی فیصلہ سنانا تھا اور یہی فیصلہ سنایا ہے کہ رہزنوں کو کبھی رہبر نہیں ملا کرتے۔"

وہ واپس لوٹ گئی تھی اور چلتے ہوئے افزا اور رمیض کے برابر آ کر کھڑی ہوئی، دونوں کا ایک ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور انہیں آنکھوں سے لگاتے ہوئے مڑ کر زمین پہ بیٹھے، لٹے پٹے انسان کو دیکھا جو خالی دامن خالی ہاتھ تھا۔ وہ اب اپنے دونوں ماں باپ کو دیکھ کر مسکرا دی جن کی وہ بیٹی تھی، ان کی رحمت تھی۔

☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ناولٹ

نعیمہ ناز

# شہر تمنا

عالیہ بیگم اپنی بیٹی حمنہ کے رشتے کے لیے خاندانی لوگوں کی تلاش میں تھیں۔ جب کہ ان کی ساس کا کہنا تھا کہ رشتہ کے لیے دین داری اور شرافت کو ترجیح دینی چاہیے۔

عائشہ اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ ایک چھوٹے سے گھر میں رہتی تھی۔ رشتوں کے نام پر اس کی ایک خالہ تھیں جن کے دو بچے فہد اور علیزے تھے۔ فہد اپنے باپ کے پاس امریکہ میں پڑھنے گیا تھا۔ اس کی والدہ سلائی کر کے اپنے بچوں کو پڑھا رہی تھیں۔ عائشہ کی سہیلیاں اس کی بے پناہ خوب صورتی کو سراہتی تھیں۔

سید صاحب کو مسجد کمیٹی کا صدر منتخب کیا جا رہا تھا۔ ان کی بیٹی نائلہ ایک خود سر لڑکی تھی، اس کی اپنے شوہر سے بالکل نہیں بنتی تھی۔ وہ آئے دن اپنے شوہر سے لڑ جھگڑ کر باپ کے گھر آ بیٹھتی۔ اس میں ماں کے مزاج کی جھلک تھی۔ اسے اپنی خوب صورتی پر بہت ناز تھا۔ سید صاحب اس کی طرف سے بہت پریشان تھے۔ نائلہ کے شوہر کا دوست جمال اس پر مرمٹا ہے۔

چنبیلی کا تعلق بازار حسن سے ہے طلال شیخ ایک نامور سیاست دان اور جاگیردار کا بیٹا ہے جو چنبیلی کے حسن پر مرمٹا ہے۔

شاہ میر رسول بخش کا سب سے چہیتا شاگرد تھا، جو ان کے ساتھ ہی رہائش پذیر تھا۔

احمد فجر کے بعد جلدی جلدی گھر سے نکلا۔ آج ڈبل سواری پر پابندی کی وجہ سے پڑوس کے کامران انکل اسے اپنی موٹر سائیکل پر لفٹ نہیں دے سکے۔ اسے کافی انتظار کے بعد بس کی کھچا کھچ بھری چھت پر جگہ ملی۔ انتہائی تیز رفتاری سے موڑ کاٹتے ہوئے کچھ مسافر نیچے جا گرے جن میں احمد بھی شامل تھا۔

سرمد سو رہا ہوتا ہے تو جمال کا فون آتا ہے۔ اپنی بدقسمتی پر کڑھتی نائلہ کو جمال کی کال ایک نعمت لگتی ہے۔ جمال اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اسے پھر سبز باغ دکھاتا ہے۔ اچانک نائلہ کی نظر اٹھتی ہے تو سامنے کھڑا سرمد اسے عجیب نظروں سے دیکھتا نظر آتا ہے۔

طلال چنبیلی کے شادی پر اصرار کرنے پر ہامی بھر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ جلد مہک جان سے بات کرے گا۔ مہک جان سے بات کر کے وہ اس کی شرائط مان کر چنبیلی سے نکاح کر کے لے جاتا ہے۔

احمد کے انتقال کے بعد عائشہ اور اس کی امی بہت سارے مسائل کا شکار ہوتی ہیں لیکن اپنی غیور طبیعت کی وجہ سے کسی سے قرض ادھار نہیں لیتیں۔

ایک سلائی کے سوٹ کے لیے لیس اور دھاگہ خریدنے کے لیے عائشہ کو بازار جانا پڑتا ہے۔ شام زیادہ ہو جاتی ہے، وہ بس کے انتظار میں کھڑی ہوتی ہے مانی بصد اصرار اسے لفٹ دیتا ہے۔ مانی کی امی اور بہن ماریہ گاڑی میں مانی کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھتی ہیں لیکن پہچان نہیں پاتیں۔ مانی پوچھ گچھ پر ماریہ کے سامنے عائشہ کا نام لے دیتا ہے۔

جمال دوپہر میں فون کر کے نائلہ کو ہوٹل لے جانے کی بات کرتا ہے۔ دروازہ بجنے پر وہ باپ کو دیکھ کر وہ حیران رہ جاتی ہے۔ سید صاحب اس کا فون اٹھاتے ہیں۔ جمال اسے اپنے نوتعمیر شدہ بنگلے میں لے جاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ یہ تمہارا گھر ہے۔

چنبیلی طلال کے ساتھ شادی ہو جانے پر بہت خوش ہے۔ طلال اسے بتاتا ہے کہ ہر چیز جو اسے پسند آ جائے وہ قید کر لیتا ہے اور اس قید سے رہائی اس کی مرضی کے بغیر ممکن نہیں۔

سید صاحب اپنے بیٹے فرحان سے اس کی شادی کی بات کرتے ہیں تو وہ پھر ٹال دیتا ہے حمنہ کے نکاح والے دن مانی، عائشہ کا انتظار کرتا ہے۔ ماریہ جو اس کی ہے اس سے پوچھتا ہے تو وہ بتاتی ہے کہ وہ اپنی امی کو اکیلا چھوڑ کر نہیں آ سکتی۔

عائشہ کی خالہ کا فون آتا ہے وہ عائشہ کی امی سے کہتی ہے کہ جوان بچی کے ساتھ اکیلی کیسے رہو گی میرے پاس آ جاؤ، عائشہ کی امی انکار کر دیتی ہیں اور سوچتی ہیں کہ کب تک بہن کو انکار کروں گی اگر مجھے کچھ ہو گیا تو عائشہ کا کیا ہو گا۔ وہ عائشہ کے رشتے کی بات کرتی ہیں۔

جھمکا جان بڑی بی کو ڈانٹتی ہے کہ تم اس انتظار میں رو رو کے کیوں مر رہی ہو، وہ نہیں آئے گا۔ پتا نہیں زندہ بھی ہے یا مر مرا گیا۔ تارا جھمکا جان کو کبیر صاحب کے آنے کی اطلاع دیتا ہے۔

نائلہ جمال کے گھر سے آنے کے بعد بھی اسی تصور میں کھوئی ہوئی تھی۔ سرمد آتا ہے تو اسے بخار ہوتا ہے۔ وہ نائلہ سے چائے بنانے کا کہتا ہے نائلہ منع کر دیتی ہے اور گلی کے نکڑ سے اسے چائے لانے کا کہتی ہے۔ واپس آ کر سرمد، نائلہ سے پوچھتا ہی ہے کہ وہ آج دن میں کہاں گئی تھی۔

چنبیلی طلال کو ماں بننے کے متعلق بتاتی ہے تو وہ ناراض ہوتا ہے کہ ہم خاندانی لوگ ہیں ہمارے یہاں خاندانی بیوی سے بچہ پیدا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ کہتا ہے کہ ہم چھ بھائی ہیں اور چھٹا بھائی لاڈلا چہیتا یہ شادی کے چھٹے مہینہ پیدا ہوا تھا۔

ماریہ، عائشہ کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ اس کے رشتے کے لیے شام میں کچھ لوگ آ رہے ہیں۔ مانی اتفاقاً وہاں سے گزرتے ہوئے سن لیتا ہے۔

ظفر صاحب کی بیٹی کو فائرنگ کے ذریعے ڈرا کر ان کو عملی دھمکی دی جاتی ہے۔

چنبیلی بیٹے کی پیدائش پر طلال کی توجہ پا کر پھر اپنا خیال رکھتی ہے لیکن طلال نشے میں چور گھر آ کر اس سے کہتا ہے کہ وہ اپنی محبوبہ کے پاس سے آ رہا ہے۔ چنبیلی کے سوال پر کہتا ہے کہ تو تو بیوی ہے محبوبہ تو وہ ہے جو فلیٹ میں رہتی ہے۔

جان محمد کی بیٹی کو ایکسیڈنٹ کے ذریعے مروا دیا جاتا ہے۔ اس کی بیوی بین کرتی ہے اور چلا چلا کے قاتلوں کے نام

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لیتی ہے اس کی رشتہ دار اسے چپ کرانے کی کوشش کتی ہیں لیکن وہ اپنے حواسوں میں نہیں ہوتی۔ میڈیا کے لیے یہ بہت بڑی خبر تھی کیس کے اہم گواہ کی بیٹی کی ایکسیڈنٹ میں موت۔ میڈیا کی بڑی تعداد اس کے گھر جمع تھی۔

ماریہ، شاہ میر کے ہاتھ کا سلا سوٹ دیکھ اس کی تعریف کرتی اور اسے کہتی ہے کہ تم اپنے چاچا کو تنگ کیوں کرتے ہو۔ انہوں نے تمہاری شکایت کی ہے۔ نائلہ سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود اپنی کیفیت خود نہیں سمجھ پاتی۔ وہ ڈرتی ہے کہ باہر جانے پر پہچان لی جائے گی۔ جمال اس کا یہ حل نکالتا ہے کہ اسلام آباد شفٹ ہو جائے۔

امداد بروہی پریس کانفرنس کر کے صفائی پیش کرتا ہے کہ جان محمد کی بیٹی کو مارنے میں اور ظفر صاحب کی بیٹی پر فائرنگ میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔

جان محمد کے جیل میں سارے عیش و آرام ختم ہو چکے تھے، اسے انتہائی بدبودار اور غلیظ کوٹھڑی میں قید کر دیا گیا تھا۔ جب سے اس نے گولی نہ چلانے کا بیان دیا تھا اس پر شدید تشدد ہو رہا تھا۔

ترنم نے روتے روتے ارمانوں سے کرایہ پر لیا گھر خالی کیا، اماں دو ملازم ساتھ لائی تھی جو سارا سامان پیک کر رہے تھے۔ اسے تو ہوش نہ تھا ایک سوچ پریشان کر رہی تھی کہ ایسی کیا بات تھی جو اس نے دل پر لے لی اور دل دھڑکنا ہی بھول گیا۔

سامان لوڈ ہو گیا تو اماں نے اسے اور بچوں کو ٹیکسی میں بٹھایا۔ خلیل نے جاتی ٹیکسی دیکھ کر کہا، پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

ایک درمیانے درجے کے ریسٹورنٹ میں ایک عورت چاچا سے ملنے آتی ہے اور پوچھتی ہے کہ میری امانت ہے تمہارے پاس۔ کیسا ہے وہ۔ چاچو کہتے ہی کہ ٹھیک ہے۔ وہاں ماریہ بھی چاچا سے ملتی ہے، وہ اپنی دوستوں کے ساتھ وہاں آتی ہے۔ عورت اٹھ کر چلی جاتی ہے، چاچا کسی سوچ میں گم تھے۔ شاہ میر ایک یتیم خانے میں اپنی آمدنی کا بڑا حصہ خرچ کرتا ہے۔

عالیہ بیگم بیٹی کی شادی کے لیے زیورات نکالتی ہیں، شوہر مانی کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کی پسند کی لڑکی کے گھر کب جانا ہے، وہ انکار کر دیتی ہیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

عائشہ کی خالہ کا بیٹا ذوہیب گھر والوں کو سرپرائز دینے کے لیے ایک ہفتے پہلے آ جاتا ہے۔

ظفر صدیقی صاحب کو وفاقی وزیر بچل شاہ پولیس کے اعلا افسر کے ہمراہ اپنے گھر بلا کر انہیں مقدمے کو ختم کرنے کا کہتا ہے۔ پولیس افسر کرم الٰہی بھی انہیں سمجھاتا ہے کہ جان محمد اب بیان ولی شاہ کے حق میں دے گا۔ بچل شاہ ایک لفافے میں بلینک چیک دیتا ہے کہ اپنی مرضی کا اماؤنٹ بھر لیں۔ مانی یہ جان کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ ظفر صاحب نے قصاص کے پیسے لے لیے۔

ترنم کی عدت ختم ہو جاتی ہے۔ ماں اسے کہتی ہے کہ وہ کچھ ہار سنگھار کر لے۔ ترنم اپنے بیٹے کی بسم اللہ کرنے کے لیے کہتی ہے۔

جمال فون سن کر زرد پڑ جاتا ہے۔ وہ نائلہ سے کہتا ہے کہ اپنا پرس اٹھاؤ اور چلو۔ وہ نائلہ کو خوب پیدل گھماتا پھراتا آگے بڑھتا ہے وہ کسی گھبراہٹ کا شکار تھا۔ ایک جگہ جا کر وہ موٹر سائیکل کی پاس رکتا ہے اور اس پر بیٹھے ایک عجیب و غریب حلیے والے لڑکے کو کہتا ہے کہ نائلہ کو محفوظ جگہ پہنچا دے۔ وہ اسے انتہائی نچلے متوسط علاقے کے ایک گھر میں لے آتا ہے اور وہاں ایک عورت آ کر پوچھتی ہے کہ تم کون ہو۔

طلال کے پاس اس کے باپ کا فون آتا ہے کہ وہ ظفر صدیقی والے کیس سے دور رہے کیونکہ ان کے مفادات اس سے وابستہ ہیں۔ جھنڈے والی گاڑی کا خواب طلال کو اس کیس سے دور کر دیتا ہے۔

پریا طلال کی دیوانگی سے تنگ آ جاتی ہے۔ طلال اسے کہتا ہے کہ جو چیز اس کی ہوتی ہے وہ کسی اور کے قابل نہیں رہتی۔ وہ اس کے چہرے پر تیزاب ڈالنے کی دھمکی دیتا ہے۔ نائلہ کو پتا چلتا ہے کہ وہ جمال کا گھر ہے، راکٹ اس کا بھائی اور وہ لڑکی اس کی بھابھی ہے۔

چنبیلی طلال سے لڑ کر اپنا سامان پیک کرتی ہے۔ طلال اسے مارتا ہے اور دھمکی دیتا ہے کہ باہر نہ جانا۔ چنبیلی انتہائی بری حالت میں کوٹھے پر پہنچتی ہے۔ سب اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔

اچانک چنبیلی کی چیخوں سے پورا گھر لرز جاتا ہے۔

چنبلی کی چیخ سن کر جب سب اس کے کمرے میں پہنچتے ہیں تو اس کا چہرہ تیزاب کی وجہ سے موم بتی کی طرح پگھل رہا

تھا۔

ترنم کا بیٹا سپارہ پڑھنا شروع کر چکا ہے۔ ترنم بہت خوش ہے۔ اس کی ماں کہتی ہے کہ اپنے بارے میں بھی کچھ سوچو۔ وہ اسے شیخ صاحب کا بتاتی ہے۔ ترنم کہتی ہے کہ میں اپنے دونوں بچوں کو نہیں چھوڑوں گی۔

سومی، نائلہ کو بتاتی ہے کہ جمال پہلے یہاں ہی رہتا تھا۔ چھ مہینے پہلے گیا ہے اور وہ راکٹ کا بڑا بھائی اور اس کا جیٹھ ہے۔ راکٹ کے آنے پر بات ٹل جاتی ہے۔

جھکا جان طلال کے خلاف ایف آئی آر درج کراتی ہے۔ چاچڑا اسے سمجھاتا ہے کہ پرچہ تو کٹ جائے گا مگر طلال کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

عائشہ جس اسکول میں پڑھاتی ہے وہاں کچھ غنڈے آکر ان کا سامان اٹھا کر پھینکتے ہیں اور انہیں ڈرا دھمکا کر جاتے ہیں۔

مانی کے لیے یہ بات انتہائی صدمے کا باعث تھی کہ شاہ زین کے گھر والوں نے اس کے قاتلوں سے مذاکرات کر کے کیس ختم کر دیا تھا۔

کھانا کھاتے ہوئے ذوہیب اپنی امی سے باتیں کر رہا تھا عائشہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی کہ اچانک ذوہیب ماں کی آواز پر چونکتا ہے وہ بتاتی ہیں کہ ان کے سینے میں شدید درد اٹھا ہے۔ ذوہیب عائشہ سے کہتا ہے کہ ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔ خالہ کی حالت پر عائشہ خود پریشان ہو جاتی ہے۔

## سترہویں قسط

وہ آواز، وہ سرگوشی، ایک آسیب بن کر ان پہ مسلط ہو کر ساتھ ساتھ تھی۔ حالانکہ اس عورت کو وہاں سے گئے بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ کرخت مگر مانوس نقوش والی عورت؟ بس ایک لمحے کو ہی اس کی زبان بے قابو ہوئی تھی اور پھر یکا یک وہ وہاں سے یوں غائب ہوئی، جیسے اس کے سامنے کوئی بھوت کھڑا ہو۔ سید صاحب نے اسے جاتے ہوئے..... دور جاتے ہوئے اور اپنی نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ روکنا چاہتے تھے، اس عورت کو مگر ان کی زبان جیسے تالو سے چپک گئی۔ وہ پیچھے جانا چاہتے تھے اس عورت کے، مگر ان کے قدم زمین نے یوں روک لیے کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکے۔ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی جگہ منجمد ہو گئے کہ ہل بھی نہ سکے۔ اس پتھر کے بت میں جان تب پڑی جب عارف نے ان کے پاس آ کر انہیں چھوا۔

''ابو! آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ وہ بینچ سامنے ہے نا، وہاں بیٹھ جائیں۔ میں انکل صدیقی کا روم معلوم کر کے ابھی آتا ہوں۔''

عارف ان کا بازو پکڑ کر انہیں بینچ پہ بٹھا گیا۔ اپنے پڑوسی اور انتہائی قریبی دوست کی عیادت کے لیے وہ اسپتال آئے تھے اور اب یہاں بیٹھے بیٹھے انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ان کی دنیا اور زندگی آج بدل گئی ہو، جیسے برسوں پہلے کبھی بدلی تھی۔

☆☆☆

اسپتال سے واپسی پر ان کے دل و دماغ مختلف خیالات کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ دو ہفتے بعد عارف کی شادی تھی۔ اگرچہ تیاریاں مکمل ہی تھیں۔ شاپنگ کے لیے ایک معقول رقم انہوں نے فروا کو دے دی تھی۔ ولیمے اور کچھ دیگر انتظامات عارف کے ذمے تھے۔ ان کی ذہنی اور جذباتی کیفیت اس وقت اپنے بیٹے سے بالکل مختلف تھی جو آنے والے خوش گوار وقت اور روپہلی سنہری زندگی کے تانے بانے بن رہا تھا۔ وہ اپنے تصور میں اپنی آئندہ زندگی کھوج رہا تھا۔ کتنی حسین کھوج تھی، کسی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے بھٹک جانے کو جی چاہتا تھا۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

اس کے برعکس سید صاحب آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے اور بند آنکھوں کے پیچھے پچھلی زندگی اور گزرا وقت جیسے کسی فلم کی مانند گزر رہے تھے۔ وہ سب کچھ جو انہوں نے فراموش کر دیا تھا یا فراموش کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ تمام لوگ، وہ تمام مناظر ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ ان کا دل دھیرے دھیرے ڈوب رہا تھا یا وہ خود دھیرے دھیرے ڈوب رہے تھے۔

☆☆☆

باہر رات کا اندھیرا چھا چکا تھا۔ سڑک کنارے لگے پولز سے نکلتی روشنیاں اس تاریکی پر حاوی تھیں اور سڑک کے سامنے جو وسیع و عریض اور عالی شان بنگلہ تھا، وہاں اندر باہر سے پھوٹتی روشنیوں نے رات میں بھی دن کا اجالا پھیلایا ہوا تھا۔

ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بڑی شان سے وہ صوفے پر پھیل کر بیٹھا ہوا تھا۔ چہرے پر رعونت کے ساتھ ساتھ فتح کے آثار بھی تھے۔ لہجے میں کرختگی کے ساتھ ساتھ کامیابی کی کھنک بھی تھی۔

''تو کل دن کا پروگرام ڈن ہے۔'' طلال ملک نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا۔

''سر جی! بڑے ملک صاحب نے سختی سے منع کیا ہے، جب تک الیکشن نہیں ہو جاتے کسی بھی ایڈونچر میں ہاتھ پیر نہ گھسائیں۔'' حضور بخش نے بڑے ملک صاحب کے الفاظ دہراتے ہوئے طلال کو اس کے ارادوں سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

''یہ ایڈونچر نہیں ہے حضور بخش! حساب کتاب چکتا کرنا ہے اور یہ کام جب تک میں اپنے ہاتھوں سے نہیں کروں گا، مجھے سکون نہیں ملے گا۔'' طلال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے سر جی! آپ حکم کریں۔ لا کر آپ کے قدموں میں ڈال دیں۔ ویسے بھی ٹھکانہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے۔'' حضور بخش کا خوشامدی لہجہ سن کر بھی طلال کا ارادہ نہ بدلا۔

''قدموں میں لا کر ڈالنے کا وقت گزر گیا۔ اب تو میں خود اس کا شکار کروں گا۔ ایسا شکار۔ کہ نہ جیے گی نہ مرے گی۔'' طلال کے لہجے میں بلا کی سفاکی تھی۔

''بڑے ملک صاحب کو پتا چل گیا تو.....'' حضور بخش آگے یہ نہ کہہ سکا کہ وہ پہلے حضور بخش کو ذلیل کریں گے۔ پھر اپنے بیٹے کو کچھ کہیں گے۔

''کون بتائے گا انہیں.....تو.....؟'' طلال کی استہزائیہ نگاہیں حضور بخش پر مرکوز تھیں۔

''انہیں پتا چل ہی جاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں۔''

''میں ایک بار اپنا کام کر لوں، پھر بے شک پتا چلتا رہے بڑے میاں کو۔ کوئی پروا نہیں، تو اپنا کام کر۔ جو کہا ہے، جیسا کہا ہے، ویسا ہی انتظام کر۔'' طلال اٹھ کھڑا ہوا۔

''جی سر!'' حضور بخش اچھی طرح جانتا تھا کہ اس اڑیل گھوڑے کو رام کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ یہ کام تو بس بڑے ملک صاحب ہی کر سکتے تھے۔ وہ حضور بخش سے پہلے ہی ساری معلومات لے چکے تھے اور آج رات شہر آ رہے تھے تاکہ اپنے اتھرے گھوڑے جیسے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے لگام ڈال سکیں۔

☆☆☆

پہلا پوتا، پہلی سالگرہ۔ ترنم تو جو نہ کرتی وہ کم تھا۔ بڑا ہال، کمرے، برآمدے، صحن سب کچھ سجے ہوئے تھے۔ رنگ برنگے ربن، غبارے اور دیگر آرائشی اشیاء۔ کوئی شے باقی نہیں بچی تھی جسے سجایا نہ گیا ہو۔ شہر کی مشہور اور بڑی بیکری کو کیک کا آرڈر دیا گیا تھا۔ ترنم کا بس نہیں چلتا تھا، پوری بلڈنگ سمیت آدھے شہر کو مدعو کر لیتی اپنے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بچوں کی خوشی میں۔ مگر اچھی طرح جانتی تھی کہ بیٹے کو یہ بات پسند نہیں آئے گی لہٰذا بس اردگرد کے دو چار افراد ہی اکٹھے کرنے پر اکتفا کیا۔ لیکن پلاؤ کی دیگیں قریبی یتیم خانے بھجوانا نہ بھولی۔ دونوں بچوں کے لیے ایک سے ایک کھلونوں، کپڑوں، جوتوں اور دوسرے تحائف کے ڈھیر لگا دیے تھے۔

''امی نے تو اتنا کچھ خرید لیا کہ کئی ماہ تک کچھ بھی خریدنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔'' صائمہ بچوں کی چیزیں سمیٹ کر اور سنبھال کر رکھ رہی تھی۔

اس کی بات سن کر چاند مسکرایا مگر مضمحل سی مسکراہٹ جیسے زبردستی کی ہو۔

''کیا ہوا؟ کس سوچ میں گم ہیں؟'' صائمہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''مکان کا بندوبست کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کرائے پہ رہنا بھی ایک جھنجھٹ ہے۔ اپنا مکان خریدنے کے لیے اچھی خاصی رقم چاہیے۔ پتا نہیں کب جمع ہوگی۔''

''آپ اتنے پریشان نہ ہوں، کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ آپ امی سے بات کریں تو.....''

''نہیں۔ مجھے جو کرنا ہے اپنے بل بوتے پر کرنا ہے۔'' چاند نے فوراً ہی اس کی بات کاٹی۔

''میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے جو آپ کو دے دیتی۔'' صائمہ نے سر جھکایا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' چاند نے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''دیکھو ہم دو سے چار ہو گئے ہیں۔ اللہ نے بیٹا بھی دے دیا، بیٹی بھی۔ میں بس اب یہاں نہیں رہنا چاہتا۔ اپنی دنیا الگ بسانا چاہتا ہوں۔ ویسے تو بہت عرصے سے یہاں سے نکلنا چاہتا تھا مگر کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ اب آگے راستہ بھی نظر آ رہا ہے اور تم بھی ساتھ ہو۔ ہم اپنا نیا گھر بنائیں گے۔ میں، تم، ہمارے بچے۔'' چاند کی آنکھوں میں ویسے ہی خواب روشن تھے جو برسوں پہلے اس کے باپ نے بھی دیکھے تھے۔ ایک چھوٹا سا، پیارا سا گھر اور عزت دار گھرانہ۔ جسے دوسرے لوگ معنی خیز نگاہوں سے نہ دیکھتے ہوں، خواب بھی شاید نسل در نسل سفر کرتے ہیں۔ باپ سے سفر کرتے کرتے بیٹے کی آنکھوں میں آ گئے تھے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆☆☆

شام کی ہوا خوش گوار اور سبک رو تھی۔ خالہ کچن میں کک کے سر پر کھڑی ہدایت نامہ جاری کر رہی تھیں۔ آج ان کے شریک حیات کا یوم پیدائش تھا جسے وہ اور ان کے بچے چھوٹے پیمانے پر مگر بڑے جوش و خروش کے ساتھ سیلی بریٹ کرتے تھے۔ اس بار انہوں نے ڈنر کا پروگرام باہر کے بجائے گھر پر ہی رکھا تھا لہٰذا گھر پر ہی ایک اسپیشل ڈنر کی تیاریاں تھیں۔ وہ ایک طویل ہدایت نامہ جاری کر کے کچن سے باہر آ گئیں۔ ویسے تو وہ باقاعدگی سے پارلر اور جم کا وزٹ کرتی تھیں۔ کل انہوں نے پارلر سے خصوصی ٹریٹمنٹ لی تھی۔ ان کا نیا ہیئر اسٹائل اور ہیئر کلر جچ رہا تا ان پہ۔

رات میں پہننے کے لیے ان کا ڈیزائنر جوڑا بھی بہت خوب تھا۔ علیزے آج خلاف معمول جلدی آ گئی تھی۔ شاور لے کر، چھینچ کر کے فریش ہو کر بیٹھی تھی اور ماں کی مصروفیات دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ عائشہ بھی کچھ دیر پہلے ہی واپس آئی تھی۔ بازار جانے کا تو وقت نہیں ملا تھا اسے۔ انکل کا گفٹ اس نے آن لائن منگوایا تھا۔

آلوچے، خوبانی اور آڑو کے کٹے ہوئے ٹکڑے شیشے کے باؤل میں سامنے رکھے تھے۔ علیزے اور عائشہ نے پیالیوں میں نکال لیے اور کھانے لگیں۔ خالہ کچھ کھانے کے نہیں بلکہ باتوں کے موڈ میں تھیں۔

''کیا ڈیسائیڈ کیا تم نے؟ دو ہفتے بعد مدثر کی بہن کی شادی ہے۔ اگر تم اس ویک اینڈ پر تھوڑا سا ٹائم نکال لو تو بہتر ہوگا۔''

''سارے ویک اینڈز بہت بزی ہیں ہما! میں شیڈول دیکھ کر پھر کچھ کرتی ہوں۔'' علیزے نے آڑو کاٹتے

میں پھنسایا۔ مدثر کا نام سن کر عائشہ کی ساری حسیات خالہ اور علیزے کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ اس نے کوئی سوال نہیں کیا تاکہ اس کی نگاہوں کا استفہام شاید خالہ نے پڑھ لیا تھا۔

''علیزے کے لیے رشتہ بتایا تھا ہماری ایک دوست نے۔ وہ صحافی ہے۔ ٹی وی پہ تو نہیں آتا مگر..... اخبار کے لیے لکھتا ہے۔ شاید تم نے نام سنا ہو مدثر احمد۔'' خالہ اپنی بھانجی کی کیفیت سے بے خبر اسے بتا رہی تھیں۔ علیزے بے نیازی سے انہیں سن رہی تھی اور پھل کھا رہی تھی مگر عائشہ کا چہرہ متغیر ہو چلا تھا۔

''میں نے علیزے سے کہا ہے کہ مل کر دیکھ لو۔ سمجھ میں آئے تو بات آگے بڑھاتے ہیں۔ کیوں، ٹھیک ہے نا؟'' انہوں نے عائشہ کی رائے جاننی چاہی۔

''علیزے کیا کہتی ہے؟'' عائشہ نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''میں میٹنگ کے بعد ہی کچھ کہہ سکتی ہوں۔ اس سے پہلے کیا کہوں؟'' علیزے نے کندھے اچکائے۔

''یہ بھی ٹھیک ہے۔'' عائشہ نے بدقت مسکرانے کی کوشش کی۔

☆☆☆

جیسے ہی اطلاع ملی، سب بھاگے بھاگے اسپتال پہنچے۔ ابو، امی، دادی، مانی اور ماریہ بھی..... فروا نے فون پر ان کی خیریت دریافت کی تھی۔

''ارے بھئی، یہ کیا کرلیا آپ نے۔ ہم سب کو بلانا تھا تو یوں ہی بلا لیتے۔'' ابو جان۔ بشاشت سے بولتے ہوئے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پہ براجمان ہوئے تھے۔ ویسے عارف بتا چکا تھا کہ خطرے کی اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں، معمولی سا انجائنا کا اٹیک تھا مگر پھر بھی احتیاطاً ایک دو دن کے لیے انہیں انڈر آبزرویشن رکھا گیا تھا۔

''آپ سب ناحق پریشان ہوئے۔ میں ٹھیک ہوں ویسے۔'' سید صاحب ایک مضمحل مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے۔

امی اور دادی نے مختصر مگر شائستہ الفاظ میں ان کی عیادت کی۔ ابو جان خوش مزاجی کے ساتھ چٹکلے چھوڑتے رہے۔ سید صاحب سمیت سب دھیمے دھیمے مسکراتے رہے۔

''جلدی سے ٹھیک ہو جائیے انکل! ہمارے پارٹنر صاحب نے آپ کے لیے بڑی زبردست سی شیروانی تیار کی ہے۔ بہت ہی سوبر، ساتھ میں جناح کیپ۔ کیا کہتے ہیں اسے؟'' ماریہ بولتے بولتے ایک لمحے کو رکی۔

''قراقلی ٹوپی۔'' ابو جان نے لقمہ دیا۔

''ہاں، وہی۔ دیکھیے گا، کتنے شان دار لگیں گے آپ۔ ہوسکتا ہے اپنے سمدھی صاحب کو بھی مات دے دیں۔'' سب کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی، سید صاحب کی بھی۔

کتنے مخلص اور کتنے اچھے لوگوں کو دھوکا دے رہا ہوں میں؟ ایک لحظے کو انہیں خیال آیا۔ مسکراہٹ ماند پڑ گئی۔ اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ ایک نظر جملہ حاضرین پر ڈالی اور پھر اپنے بیٹے پر، جو کل تک بہت خوش تھا۔ اس وقت باپ کی بیماری کی وجہ سے اس کے چہرے پر فکرمندی اور پریشانی کے آثار تھے۔

''میرے بیٹے کی خوشیاں؟'' ان کے دل نے دہائی دی اور آئینہ دکھا تا ضمیر خاموش ہوگیا۔

''قصور میرا ہے، میری اولاد کو کس بات کی سزا ملے گی؟'' دل جذباتی ہو کر سوال کر رہا تھا۔ ضمیر کے پاس کوئی جواب نہ تھا یا پھر وہ دانستہ چپ رہا۔ تھک ہار کے انہوں نے آنکھیں موند لیں مگر آنکھیں بند کرنا بھی ایک قیامت تھی۔ کھلی آنکھوں سے حال اور بند آنکھوں کے پیچھے ماضی دیکھتے دیکھتے نگاہیں پتھرا رہی تھیں۔

☆☆☆

لاؤنج کی ساری لائٹس آف کر کے چھوٹے سے مگر بے حد خوب صورت اور منفرد ڈیزائن کے کیک پہ لگی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

موم بتی علیزے نے روشن کی۔

''ویسے ڈیڈ! اگر اس کیک پر کینڈل کی جگہ ایک بلب لگا لیتے تو..... وہ بھی شاید سوٹ کرتا۔''

''اگلے پچاس برسوں تک میرا بوڑھا ہونے کا کوئی ارادہ نہیں اور سکسٹی (ساٹھ برس) کا ہونے میں بھی بہت وقت ہے ابھی۔'' ڈیڈ نے زندہ دلی سے جواب دیا۔

''ابھی تو میں جوان ہوں اور آئندہ بھی جوان ہی رہوں گا۔''

لاؤنج کے کھلے دروازے سے پہلے ذوہیب کی آواز آئی اور پھر وہ خود اندر آیا۔ سرپرائز دینا اس کی عادت تھی۔ اور یہ بھی کہ ہر تہوار یا فیملی سے وابستہ خوشی کا دن، وہ سب کے ساتھ مل کر منا تا تھا۔ سو اس بار بھی وہ حاضر تھا۔ مام ڈیڈ سے باری باری گلے مل کر علیزے سے ملا اور پھر عائشہ کے آگے سر خم کیا۔

''آپ کیسی ہیں مادام؟''

''فائن۔'' عائشہ کے بجھے بجھے چہرے پہ رونق اور چمک آ گئی تھی اسے دیکھ کر۔ خوش تو خیر سب ہی تھے مگر عائشہ جو اپنی پریشانی میں گھری ہوئی تھی، ذوہیب کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا، جس نے اس کی مدد کے لیے ایک فرشتہ بھیج دیا تھا۔

''تو ہمیشہ کی طرح میں آج بھی عین وقت پر مگر ٹھیک وقت پر پہنچا ہوں۔ لیٹ نہیں ہوا۔ آپ جلدی سے پہلے کیک کاٹیں، میں نے پچھلے بارہ گھنٹوں سے کچھ نہیں کھایا۔ یقیناً ہماری مام نے ایک زبردست سے ڈنر کا اہتمام کر رکھا ہے اپنے پیارے اور اکلوتے ہزبینڈ کی برتھ ڈے کی خوشی میں، جو کہ وہ انتہائی محبت اور.....''

''اب بس کرو اور اپنے ڈیڈ کو کیک کاٹنے دو۔'' مام نے مسکراتے ہوئے اس کا کان پکڑا تھا۔

''اف..... آپ نے غلط کان پکڑا ہے ممی۔ اگر آپ ڈیڈ کا سیل فون چیک کریں تو آپ کو علم ہوگا کہ درست کان کون سا ہے، جو آپ کو پکڑنا چاہیے۔'' ذوہیب بولنے سے باز نہ آیا تھا۔

''اسٹاپ مائی سن۔'' ڈیڈ بڑی متانت کے ساتھ کھنکھارے تھے اور علیزے اتنی ہی شرارت سے ہنسی تھی اور عائشہ بھی مگر اس کی ہنسی میں بے فکری تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی ساری فکرات، پریشانیاں اور الجھنیں ذوہیب اپنے سر لے کر اسے سبک رو کر دے گا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ عائشہ کی ساری مشکلات میں وہ اس کے ہم قدم رہے گا۔ اس کی راہ کے سارے کانٹے چننے میں عائشہ کی مدد کرے گا اور اتنے عرصے میں وہ یہ بات اچھی طرح جان چکی تھی کہ ذوہیب وعدے کرنا ہی نہیں، انہیں نبھانا بھی جانتا تھا۔ اس نے ایک نظر ذوہیب پر ڈالی جو اسے ہی دیکھ رہا تھا اور اس کی نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ ''مجھ پر بھروسا رکھو، میں آ گیا ہوں۔ اب سب کچھ ٹھیک کر دوں گا۔''

☆☆☆

ڈوری کھینچ کر اس نے دونوں پھندنے برابر کیے اور ڈیڑھ گرہ لگا دی۔ ڈوری کا پھول سا بن گیا۔ آستین ایک دم سج گئی، مزید خوب صورت لگنے لگی۔

''میں اب چلوں؟'' شاہ میر نے اجازت چاہی۔

''اگر بہت زیادہ ضروری نہ ہو جانا تو رک جاؤ مسٹر پارٹنر! آج تمہاری ضرورت ہے۔ کام زیادہ ہے، میں اکیلی ہینڈل نہیں کر سکتی۔'' ماریہ نے شاہ میر سے کہا جو جانے کے لیے کھڑا تھا۔

''آج کے دن مجھے جانا ہوتا ہے، وہ سب میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔'' شاہ میر کے چہرے پہ تذبذب تھا رکنے کے حوالے سے۔

''کون سب؟'' ماریہ چونکی۔

''بچے۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''کس کے بچے؟''

''آپ چلیں گی میرے ساتھ، آپ کو ملوا دیتا ہوں اپنے ساتھیوں سے۔ دوستوں سے۔'' شاہ میر کی مسکراہٹ سے اداسی چھلکی۔

''کیسے ساتھی؟ کیسے دوست؟ کون سے بچے؟'' ماریہ کے دل میں تجسس جاگا۔ اس مسٹری مین اور بند کمرے جیسے شخص کی ذات کا کوئی کھلا روزن شاید دیکھنے کو ملے۔ یہ سوچ کر وہ فٹافٹ چلنے کے لیے تیار ہوگئی۔

''کام؟''

''آ کر ہو جائے گا۔ تم واپس آؤ گے نا؟''

''جی۔''

''اُفوہ۔ کبھی تو اتنے باادب اور سیریس ہو جاتے ہو جیسے میں کلاس ٹیچر ہوں تمہاری، وہ بھی بہت سخت خوں خوار قسم کی۔''

''آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اس لحاظ سے آپ میری ٹیچر تو ہیں، مگر سخت اور خوں خوار قسم کی نہیں۔'' اس کے ہم قدم چلتے چلتے شاہ میر کہہ رہا تھا۔

''ارے واہ۔ مجھ سے کیا سیکھ لیا؟ تم تو خود اتنے ہنر مند ہو۔'' ماریہ کے سر کے ساتھ ساتھ اس کی پونی بھی ہل رہی تھی۔

''انسانوں سے صرف فن یا ہنر ہی نہیں سیکھا جاتا اور بھی بہت کچھ ہے سیکھنے کے لیے۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً..... زندگی گزارنے کا ہنر، اپنے اندر جھانکنے کا، خود کو دریافت کرنے کا ہنر۔''

''یہ سب مجھ سے سیکھا ہے؟ واؤ۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں اتنی عظیم شخصیت ہوں۔'' ماریہ نے فرضی کالر اکڑائے اور ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی پہ شاہ میر مسکرا دیا۔

آدھ گھنٹہ لگا تھا، وہاں پہنچنے میں۔ جہاں وہ جاتے ہی بچوں میں گھر گیا جو بھائی جان آ گئے..... بھائی جان آ گئے کہتے ہوئے اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے تھے اور پھر سب کی تجسس بھری نگاہیں ماریہ پہ مرکوز ہو گئیں۔

''یہ کون ہیں؟''

''یہ آپ کی نئی دوست ہیں۔'' شاہ میر مسکرا رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ لائی ہوئی مختلف چیزیں بچوں میں بانٹیں اور باری باری سب کے ساتھ ساتھ مختلف باتیں کرتا رہا۔ ماریہ حیرت سے اس شاہ میر کا یہ نیا روپ دیکھ رہی تھی۔

''کون ہیں مسٹر آپ؟ اور یہ سب کون ہیں؟'' ماریہ کچھ کچھ ہی سمجھی تھی مگر سب کچھ پھر بھی اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

''میں.....؟ میں تو وہی ہوں جو آپ کے سامنے ہوں اور یہ سب وہ ہیں، جن میں مجھے اپنا آپ نظر آتا ہے۔''

☆☆☆

دھوپ سرکتے سرکتے درخت کی شاخوں سے کھڑکی پہ آ گئی تھی۔ کمرہ دن کی قدرتی روشنی سے بھر گیا تھا۔ بڑی بی تکیوں کے سہارے بیٹھی تھیں۔ نہائی دھوئی، صاف ستھرے لباس میں ملبوس، بالوں میں تیل لگا کر پتلی سی چوٹی باندھی گئی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے بہری بوا نے انہیں کھانا بھی کھلا دیا تھا۔ جو خلاف معمول انہوں نے بغیر کسی شور شرابے اور ہنگامے کے چپ چاپ کھا لیا تھا اور اب بیٹھی وہ نانلہ کو نہ جانے کیا کیا بتا رہی تھیں، جو اس

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

کی سمجھ میں بالکل بھی نہیں آ رہا تھا۔

''اس کا بیاہ کرا میں نے اپنے ہاتھوں سے۔ ایسی پیاری دلہن جیسے کنول کا پھول، چاند کی چاندنی۔ یہاں تو کوئی اس کے پیروں کی دھول بھی نہیں۔ وہ حرافہ، قطامہ بھی اس کے آگے کچھ نہیں تھی۔'' بولتے بولتے بڑی بی کا لہجہ یکا یک کڑوا ہو گیا۔

''ہائے کیسی حسین، جوان لڑکی تھی اور کیسے چٹ پٹ ہو گئی۔ اس کے بعد تو پھر گھر ہی اجڑ گیا۔'' بہری بوا نے لقمہ دیا۔

''گھر نہیں، میں اجڑ گئی۔ میں برباد ہو گئی۔ میں اکیلی ہو گئی۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔'' بڑی بی کی آنکھوں میں وحشت بھرنے لگی۔

نائلہ اک دم ڈر گئی۔ اسے اب تک ان دونوں بوڑھیوں کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی، بس چپ کر کے انہیں دیکھتی رہتی یا ان کی باتیں سنتی رہتی۔

''وہ..... میرا بیٹا، میرا چاند، میرا راج دلارا۔ میرا سہارا وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں جنم جلی اکیلی رہ گئی۔'' بڑی بی کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر یکا یک ان کا رونا بند ہو گیا۔ انہوں نے نائلہ کی طرف دیکھا اور کڑک آواز میں بولیں۔

''میں نے اللہ سے دعا کی ہے، مولوی صاحب نے بتایا تھا کہ اللہ اپنے بندوں کی دعائیں سنتا ہے۔ انہیں پوری کرتا ہے۔ وہ آئے گا نا تو دیکھنا، کیسا بانکا، سجیلا بیٹا ہے میرا۔'' کڑک آواز میں فخر کے رنگ لہرائے۔

''پچیس سال ہو گئے ترنم! اب تو بوڑھا ہو گیا ہو گا۔'' بہری بوا نے بے دھیانی میں انہیں ٹوکا اور قیامت آ گئی۔

''ارے بڈھی ہو گی تو..... تیرے ہوتے سوتے، ہوں گے بڈھے۔ میرا لال کیوں ہونے لگا بوڑھا۔ اس کے کالے سیاہ، گھنے بال تھے، ایسی پیاری آنکھیں، اتنا اونچا قد۔ سارے جوانوں سے بھی بڑھ کر جوان تھا میرا چاند۔'' بڑی بی نے اتنا شور مچایا کہ منہ سے کف بہنے لگا۔ بہری بوا انہیں سنبھالنے لگیں۔ پھر کچھ دیر بعد نڈھال ہو کر انہوں نے تکیے پہ سر رکھا اور آنکھیں موند لیں۔ نائلہ کی خوف زدہ نگاہیں ان کا جائزہ لے رہی تھیں۔

کہیں کچھ ہو نہ جائے انہیں۔ ابھی دو دن پہلے تو اسپتال سے واپس آئی ہیں۔

سوچتے سوچتے اس کے خیالات کی رو جمال کی طرف مڑ گئی۔ زندگی میں آگے اپنی لغزشوں کی تعمیر شدہ دیوار تھی یا بھٹکے ہوئے قدموں کی تاریکی۔ کچھ بھی تھا، آگے راستہ مسدود نظر آ رہا تھا اور جب آگے بڑھنے کا راستہ ہی نہ ہو، زندگی ایک جگہ ٹھہر جائے تو کیا فائدہ ایسی زندگی کا؟ ختم ہی ہو جائے تو اچھا ہے۔ اس کا دماغ اب مایوسی کی انتہا پہ پہنچ کر بالکل منفی انداز میں سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

بالوں کو ڈھیلے ڈھالے جوڑے میں لپیٹے، اپنی وارڈ روب کی صفائی کر کے ابھی فارغ ہوئی تھی۔ اگرچہ پھیلاوا کوئی اتنا زیادہ بھی نہ تھا، اچھا بھلا سب کچھ سمٹا ہوا ہی تھا مگر بس یوں ہی خود کو مصروف رکھنا تھا۔ وہ لوگ خوش نصیب تھے جن کے عشق نے وقت کی تقسیم سیکھ لی تھی۔ ''وہ یاد تو آتا تھا مگر کام کے بعد'' عائشہ سے یہ خوش بختی ابھی دور بہت دور تھی۔

اس دشمن جان کا خیال ہر وقت یوں ساتھ ساتھ رہتا تھا، جیسے جسم میں دوڑتا لہو۔ وہ کتنا بھی چاہتی اس خیال سے فرار ناممکن تھا۔ اس احساس سے دامن چھڑانا، اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ فارغ اوقات میں خود کو ضروری، غیر ضروری کاموں میں مگن رکھتی پھر بھی، پھر بھی سکون کہیں نہیں تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھ کر خود کو گم کرنے کی کوشش کی مگر انگلیاں وہی مانوس کلکس کرتیں جہاں وہ تھا اور اس کی چھوٹی سی دنیا تھی۔ مدثر احمد کا پیج نکال کر وہ اس کے الفاظ پڑھتی رہتی اور نئے سرے سے اپنے اندر امید کی شمعیں روشن کرتی رہتی۔

''مجھے شکایت ہے۔''

میرا یہ خط، فقط ایک خط نہیں بلکہ میری حسرتوں، آرزوؤں کا پلندہ ہے۔ ان ہزاروں خواہشوں میں سے ایک خواہش۔ جس پہ شاعر کا نہیں بلکہ میرا ابھی دم نکلتا ہے۔ اپنے ارمان کو شکایت کے جامے میں لپیٹ کر پیش کرتا ہوں اور شکوہ کرنے کی جسارت کرتا ہوں جو مجھے تمام فیشن ڈیزائنر سے ہے، جی ہاں نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاک کاشغر تک اور لالی وڈ، بالی وڈ سے لے کر ہالی وڈ تک۔ کراچی، لاہور سے لے کر پیرس، لندن، نیویارک تک کے تمام فیشن ڈیزائنر سے شکایت ہے۔

جن کی تمام تر مہارت، فن، ہنر، لگن اور تنوع محض خواتین کے ملبوسات کے لیے ہے۔ ایسے ایسے لباس ڈیزائن کیے جاتے ہیں جو صنف نازک کی خوب صورتی اجاگر کرتے ہیں۔ ان کی دلکشی میں اضافہ کرتے ہیں۔ رہے بے چارے ہم لڑکے یا مرد حضرات، تو لے دے کے گنتی کے چند ملبوسات ہیں۔ ان ہی میں تھوڑا سا ردو بدل یا قطع برید کر کے ہمیں بہلا دیا جاتا ہے بلکہ ٹرخا دیا جاتا ہے۔

مانا کہ صنف نازک کا حق ہے، خوب سے خوب تر نظر آنا یا فقط نظر ہی نظر آنا۔ مگر دل تو ہمارا بھی ہے۔ اس دل میں ارمان بھی ہیں، دن رات ورزش کر کے، محنت کر کے ''سکس پیکس'' بناتے ہیں۔ ڈولے شولے بناتے ہیں، مگر ہمارے لیے تو تمام ڈیزائنرز نے جیسے قسم کھائی ہوئی ہے یا حلف اٹھایا ہوا ہے کہ ایسا لباس بنائیں گے کہ گردن سے لے کر ٹخنوں تک' شانوں سے لے کر کلائیوں تک، ڈھکا چھپا ہو۔

سر سے پاؤں تک مستور ملبوسات پہن پہن کر ہم تنگ آ چکے ہیں۔ میرا سوال بلکہ شکوہ ہے کہ آخر کیا خواتین کو ہی حق ہے، اپنی تمام تر دلکشی نمایاں کرنے کا؟ ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم بھی اپنی مردانہ وجاہت کا مظاہرہ کر سکیں؟ ہمارے لباس میں کبھی یہ تنوع نہیں کیا گیا کہ کبھی آستینیں غائب کر دیں یا کبھی آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے کہیں سے کوئی حصہ قطع برید کر دیں؟ تمام فیشن ڈیزائنرز سے میرا سوال ہے کہ آخر صرف خواتین کے لیے ہی کیوں یہ آسانی رکھی گئی ہے کہ چار گرہ کپڑے میں بھی انہیں لباس بنا کر دے دیا جاتا ہے اور ہمارے لیے وہی کئی کئی گز کے تھان استعمال ہوتے ہیں۔ آج اکیسویں صدی میں جبکہ دنیا چاند کیا مریخ پہ پہنچ چکی ہے۔ ہمارے لباس میں اتنا ہی کپڑا استعمال ہوتا ہے جتنا کہ اٹھارہویں، انیسویں اور بیسویں صدی میں ہوتا تھا جبکہ ان ہی صدیوں میں ایک خاتون کا لباس جتنے کپڑے میں بنتا تھا۔ آج اس میں چھ لڑکیاں نمٹا دی جاتی ہیں، ترقی تو صرف صنف نازک کے لیے ہوئی ہے۔ ہم تو آج بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں صدیوں پہلے کھڑے تھے۔

آج کی دنیا بہت بدل چکی ہے۔ ہر شعبے میں خواتین، مردوں کے شانہ بشانہ ہیں مگر فیشن انڈسٹری واحد شعبہ ہے جہاں ہم بے چارے لڑکے، ان لڑکیوں سے ان عورتوں سے کہیں پیچھے ہیں۔ مجھے فیشن ڈیزائنر سے سخت گلہ ہے کہ صنف نازک کا حسن غارت گر تو ان کے ملبوسات سے پھوٹا پڑتا ہے بلکہ نکلا پڑتا ہے مگر ہمارے لیے تو کبھی ایسے لباس بنانے کی کوشش کی ہی نہیں گئی۔ کیا ہم کسی سے کم ہیں؟ میرا پرزور مطالبہ ہے کہ ہمارے لیے بھی ایسی پوشاکیں ڈیزائن کی جائیں جن میں ہماری وجاہت، ہمارا وجود نمایاں ہو، لباس نظر آئے یا نہ آئے، ہم ہی ہم نظر آئیں۔ آخر ہم ہی کیوں یہ سر سے پاؤں تک ڈھکے ہوئے لباس پہنیں؟ موسم گرمی کا ہو یا سردی کا، ہمیں تو بخدا ان حسینوں، مہ جبینوں پہ رشک آتا ہے۔

''یاں آگا بھی کھل رہا ہے یہاں پیچھا بھی کھل رہا ہے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

یاں یوں بھی واہ وا ہے یاں ووں بھی واہ وا ہے
ہمارے لیے ہر موسم میں ملفوف لباس؟ کیا ہمیں واہ وا کی ضرورت نہیں۔ یوں بھی اور ووں بھی؟''

☆☆☆

لے جانے والا بڑے دھوم دھڑکے سے لے کر گیا تھا اور بھیجنے والوں نے بڑی شان سے رخصت کیا تھا مگر نصیب؟ اس کے نصیب میں کھوٹے سکے بھی نہیں بلکہ انگارے آئے تھے۔ لٹی پٹی، اجڑی بچھڑی وہ واپس آئی تو سب نے اسے دیکھ کر دانتوں تلے انگلیاں دبالیں۔ زرد رنگت، آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے، گداز بدن، ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا۔ چہکتی مینا سی بولی، دردناک صدا بن گئی تھی۔

''منی؟'' ترنم کا دل دھک سے رہ گیا، بیٹی کو اس حال میں دیکھ کر۔

''امی.....'' وہ ماں کے گلے لگ کر اتنا روئی اتنا روئی کہ بے ہوش ہوگئی۔ دو دن بعد جب اس کی حالت ذرا سنبھلی تو اس نے اپنی دل خراش داستان سنائی۔ زیادہ لمبی کہانی نہ تھی، مختصر ہی تھی مگر یہ سال سوا سال کا عرصہ اس کے لیے صدیوں پر محیط ہو گیا تھا۔ وہ دولہا بن کر آیا تھا اور شوہر بن کر اسے لے گیا تھا مگر یہ بس ایک ڈراما اور کھیل تھا۔ منی کو اس جاگیر زادے نے چند ماہ اپنے پاس رکھا، جب دل بھر گیا تو مال غنیمت کی طرح اپنے عیاش دوستوں میں بانٹ دیا۔ ایک کے بعد دوسرے، دوسرے کے بعد تیسرے۔ وہ چند مردوں کے درمیان کھلونا بنی رہی۔ اس دوران دو بار حاملہ بھی ہوئی اور دونوں بار اسے اس جھنجھٹ سے نجات دلا دی گئی۔

پچھلے ہفتے منی کا نام نہاد شوہر مخالفین کی فائرنگ سے ہلاک ہو گیا تھا۔ موقع پا کر یہ وہاں سے فرار ہوگئی۔

''نانی نے بڑا ظلم کیا ہے مجھ پر۔'' دن میں کئی بار بھل بھل اس کے آنسو بہتے رہتے اور ترنم کا دل کٹ کر رہ جاتا۔

''اب تو اماں بھی نہ رہیں دنیا میں۔ بس منی کی شادی کی ہی جلدی تھی انہیں۔ تین ماہ بعد ہی چٹ پٹ ہوگئیں۔''

''اماں نے تیرا بھلا ہی چاہا تھا۔ کیا پتا تھا، قسمت میں یہ انگارے لکھے ہیں۔'' ماں نے ایک آہ بھری۔

منی جب سے واپس آئی تھی، بیمار ہی تھی۔ کمزوری بھی بہت تھی۔ اندرونی تکلیف بھی روح پہ لگے زخموں کا تو کوئی شمار تھا نہ علاج۔ مگر تن کے زخموں کا علاج تو ہو سکتا تھا۔ ترنم نے علاقے کی مشہور اور قابل لیڈی ڈاکٹر کو دکھایا تھا اسے۔ چیک اپ اور مختلف ٹیسٹوں کے بعد ڈاکٹر نے بتایا۔

''آپ کا ابارشن کسی اناڑی ڈاکٹر نے کیا یا نرس وغیرہ نے۔ پراپر علاج نہیں ہوا، جس کی وجہ سے تکلیف باقی ہے۔ علاج اور دوائیوں سے آپ کی یہ تکلیف دور ہو جائے گی مگر مجھے یہ بتاتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ آپ دوبارہ کبھی ماں نہیں بن سکتیں۔''

منی پہ اصل قیامت اب گزری تھی۔ اسے تو یوں ہی لگا تھا مگر یہ اندازہ بالکل بھی نہیں تھا کہ آنے والے وقت میں اس سے بھی بڑی بڑی قیامتیں اس کی منتظر ہیں۔

☆☆☆

زیورات کی چھوٹی سی صندوقچی میں کچھ بندے، بالیاں اور انگوٹھیاں تھیں۔ ماریہ کبھی کبھی یہ خزانہ لے کر بیٹھ جاتی تھی۔

''دادی! انہیں کیا کہتے ہیں؟'' پرانی طرز کی ٹھوس سونے کی بنی بالیاں وہ اپنے کانوں سے لگاتی۔

''یہ ڈھاکہ بالیاں ہیں۔ مانی کی بہو کے لیے رکھی ہیں۔''

''اور یہ؟''

''یہ چاند بالی۔ یہ فروا کو دوں گی۔''

''اور یہ انگوٹھیاں؟ یہ بھی یقیناً مانی کی بہو کے لیے۔ میرے لیے کیا ہے؟''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''ارے یہ جھمکیاں ہیں نا۔'' دادی نے بے حد خوب صورت بندے نکالے، اوپر سونے کا پتا بنا ہوا، نیچے کٹوریاں لٹک رہی تھیں۔

''اچھی تو ہیں پر مجھے بالیاں اچھی لگتی ہیں۔'' ماریہ نے منہ بسورا۔

''اچھا بھئی، جب تمہارا بیاہ ہوگا، ان میں سے کوئی سی بالیاں لے لینا۔ اگر تب تک ہم حیات رہے تو۔''

''ہنوز دلی دور راست۔'' دادی کی سنگت اور صحبت میں ماریہ کی زبان بھی رواں ہوگئی تھی۔ ''ابھی کیا پتا میری شادی وادی کا۔ اتنا لمبا انتظار کون کرے گا۔ ابھی دے دیں۔''

''لمبا انتظار کیسا..... بس اب فروا کے بعد تمہاری باری ہے۔ اللہ رکھے، وہ خیر سے اپنے گھر کی ہو جائے پھر تمہارے لیے بھی کوئی کھونٹا دیکھیں گے۔''

''دادی!'' ماریہ نے لفظ کھونٹا پہ اعتراض بلکہ احتجاج کیا۔

''تو پھر کیسا دیکھیں؟'' دادی نے سوال کیا۔

''کوئی عقل کا اندھا، گانٹھ کا پورا۔'' مانی نے انٹری دی۔

''یا پیڑ سے پھوٹا؟'' فروا نے بھی لقمہ دیا۔

''اچھا، سب کے سب ایک منہ ہوگئے۔ دیکھتی ہوں، اپنے شاہی جوڑے، کیسے لوگے مجھ سے؟'' ماریہ نے منہ پہ ہاتھ پھیر کے دھمکی دی۔

''لو بھلا، ایک دادی اپنی پوتی سے مذاق نہیں کرسکتی؟'' دادی کے چہرے پہ معصومیت چھا گئی۔

''اور ایک بھائی اپنی بہن سے۔'' مانی بھی بے حد معصوم بن گیا۔

''اب تم بھی کچھ کہہ دو۔'' ماریہ نے فروا کی طرف دیکھا۔

''پریشان مت ہو، ہم سب مل کر ڈھونڈیں گے تمہارے لیے، کوئی اچھا سا نمونہ۔'' فروا نے اپنی مسکراہٹ دبالی تھی مگر مانی کھل کر ہنسا تھا اور ماریہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان کے ساتھ مل کر ہنسے یا احتجاجاً وہاں سے واک آؤٹ کرے؟''

☆☆☆

کمرے میں مکمل اندھیرا تھا، کھڑکیاں بند، پردے گرے ہوئے، دروازہ بھی بند تھا، جسے تارا نے ڈرتے ڈرتے کھولا تھا اور ویسے ہی ڈرتے ڈرتے آواز لگائی تھی۔

''باجی، باجی!'' دروازہ کھلنے سے تھوڑی سی روشنی اندر داخل ہوئی تھی اور کمرہ تاریک سے، نیم تاریک ہوگیا تھا۔

''تجھے چین نہیں ہے مردار۔'' جھمکا کی تلخ آواز، تارا کی سماعتوں تک پہنچی، وہ مسہری کے سرہانے کھڑی ہوگئی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری، جب سے اماں جی کو اسپتال سے واپس لائی ہو، کمرہ بند کیے پڑی رہتی ہو۔'' تارا نے ہمدردی سے اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھا۔ ''کھانا بھی نہیں کھایا، کچھ لاؤں؟''

جھمکا دھیرے سے اٹھ بیٹھی، الجھے الجھے بالوں کو سمیٹ کر گول مول کیا اور سرہانے رکھا کیچر ان میں لگایا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، پپوٹے سوجے ہوئے تھے جیسے بہت زیادہ روئی رہی ہو۔

''ہم سب انسان نہیں ہیں۔ شطرنج کے مہرے ہیں۔ قسمت کے ہاتھ اٹھا اٹھا کر ہماری جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی کہیں، کبھی کہیں، مگر بادشاہ اپنی جگہ ہو یا کسی بھی جگہ، بادشاہ ہی رہتا ہے، پیادہ، جہاں بھی ہو، پیادہ ہی رہتا ہے۔'' بیٹھی ہوئی آواز میں بولتے ہوئے جھمکا کی مضطرب نگاہیں سامنے فضا میں تھیں۔

''یا پھر ہم کٹھ پتلیاں ہیں، ہماری ڈوریں ہمارے ہاتھوں میں نہیں۔ ہم تو بس حرکت کرتے ہیں ڈوریوں کے اشاروں کے مطابق۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''کیا ہوا باجی؟ کچھ تو بتاؤ۔'' تارا کے چہرے اور لہجے سے پریشانی چھلکی۔
''بھائی جان ملے تھے اسپتال میں۔'' جھمکا نے اس ایک جملے کو کہنے کے لیے بڑی ہمت جمع کی تھی۔
''کک.....کون؟'' تارا کو ایک لمحے کو لگا جیسے اس سے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔
''میں نے پہچان لیا، چاچڑ، ہر دو چار ماہ بعد ان کی تصویریں اور رپورٹ لا دیتا ہے۔ میں نے تو اس جنم جلی کو بھی پہچان لیا تھا، اس کی شادی کی، شادی کے بعد شوہر کے ساتھ تصویریں میرے پاس ہیں، میں سب کو پہچان لیتی ہوں، مگر مجھے کوئی نہیں جانتا، نہ پہچانتا ہے۔'' وہ جب ساتھ رہتا تھا تب بھی انجان تھا۔ ہم سے دور چلا گیا تو بالکل ہی فراموش کر دیا۔'' جھمکا خود کلامی کر رہی تھی یا اسے بتا رہی تھی۔ تارا گنگ سی اسے دیکھ رہی تھی۔
''اب کیا ہوگا باجی؟''
''جو ہونا ہوگا وہی ہوگا، قیامت تو آنے سے رہی۔'' جھمکا کا لہجہ تیکھا ہوا۔
''ان کے بیٹے کی تو شادی ہو رہی ہے۔'' جھمکا کے ساتھ ساتھ تارا بھی ہر بات سے باخبر تھی، کبھی کبھی جاسوسی کا کام وہ بھی کرتی تھی۔
''قسمت کے کھیل کے آگے ہم سب بے بس ہیں اور کیا پتا خدا کو رحم آ گیا ہو، بڑی بی پہ، جو پچیس برسوں سے اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی ہے۔''
''کسی پہ رحم، کسی پہ قہر، اللہ کے کام نرالے ہیں۔''

☆☆☆

سورج کے طلوع ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا، ہوا بڑی جاں فزا تھی جس میں گہری گہری سانس لے کر دونوں باپ بیٹے خود کو فریش کر رہے تھے۔ پھر دونوں نے جاگنگ شروع کر دی۔ دونوں کے ٹریک سوٹ ایک جیسے تھے۔ سفید دھاریوں والے گہرے نیلے ٹراؤزر اور شرٹ، ذوہیب کے گھنے بال اس کی پیشانی پہ بکھرے ہوئے تھے۔
''ڈیڈ! آپ کو سبرینہ کیسی لگی؟''
''اوسم یار! بائی داوے، آر یو ریئلی سیریس؟''
''سیریس نہ ہوتا تو آپ سے کیوں ملواتا؟'' دوڑتے دوڑتے وہ جھنجھلایا۔
''عائشہ کا کیا ہوگا؟'' انہوں نے سوال کیا۔
''وہ، مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں ہے۔'' بس ممی کا لحاظ کر کے خاموش ہو گئی تھی، کچھ کہہ نہیں سکی، مگر مجھے اس نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔
''سب کچھ مطلب؟'' ڈیڈ نے سر گھما کے بیٹے کو دیکھا۔
''آپ ممی سے بات کریں میری اور سبرینہ کی۔'' ذوہیب نے ان کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اپنی بات کی۔
''یہ نیک کام تم خود کیوں نہیں کرتے ڈیئر سن۔''
''میرے سامنے شاید وہ ایموشنل ہو جائیں، آپ تو اچھی طرح ہینڈل کر سکتے ہیں انہیں، اٹھائیس برسوں کا تجربہ ہے آخر۔'' ذوہیب مسکرایا۔
''یہ تجربے ہی انسان کو مرواتے ہیں کبھی، چلو، اس مہم کو سر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

☆☆☆

آج بھی وہ بہت دیر سے گھر واپس آیا تھا، اور پچھلے چند ہفتوں کی طرح وہ آج بھی الجھا الجھا پریشان سا تھا۔ برائے نام کھانا کھا کر جلد ہی لیٹ بھی گیا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' بیٹے کو تھپکتے ہوئے صائمہ نے سوال کیا۔
''ہاں۔'' دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے چت لیٹا وہ چھت کو دیکھتا ہوا، جانے کیا سوچ رہا تھا۔
''پریشان کیوں ہیں؟''
''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یونہی بس کام کی ٹینشن ہے اور بس تم اپنا دھیان رکھو، میرے لیے فکرمند نہ ہو۔'' چاند نے خود کو سنبھالتے اسے تسلی دی۔ پھر اٹھ بیٹھا۔
''تمہاری آنکھوں کے گرد حلقے بہت گہرے ہو رہے ہیں اور رنگ دیکھو، کتنا پیلا ہو رہا ہے، تم اپنا خیال نہیں رکھتی ہو۔'' چاند نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا رخسار چھوا۔
''رکھتی تو ہوں اتنا خیال، ایسی حالت میں تو بس ایسا ہی ہو جاتا ہے چہرہ۔'' صائمہ نے اپنے بے ڈول سراپے پہ ایک نظر ڈالی۔
''بس کچھ عرصے کی بات ہے، ہم بہت جلد یہاں سے چلے جائیں گے۔''
''اماں اور منی؟''
''پتا نہیں وہ یہاں سے جائیں گی یا نہیں۔'' صائمہ کو خود بھی ٹھیک سے اندازہ نہیں تھا اس بات کا۔ وہ خاموش ہو گئی۔

☆☆☆

سیل فون پتا نہیں کب سے بج رہا تھا، بمشکل مندی آنکھیں کھول کر اس نے موبائل اٹھایا اور نمبر دیکھ کر ایک دم اس کی آنکھیں کھل گئیں اور نیند غائب ہو گئی۔
''جی سر؟''
''اوئے گدھے کی اولاد۔ اتنی دیر سے بیل جا رہی ہے، اب اٹھایا ہے۔ کتنی بوتلیں چڑھا کے سویا تھا الو کی دم۔'' طلال کی دھاڑ اور ناقابل اشاعت گالیاں سن کر حضور بخش کی آنکھیں بھی پوری طرح کھل گئیں اور باقی ماندہ نیند بھی غائب ہو گئی۔
''وہ..... وہ سر جی! رات کو دیر سے سویا تھا اس لیے۔'' حضور بخش بوکھلایا۔
''فوراً آ جا، پوری تیاری کے ساتھ۔'' اس کی وضاحت پہ دھیان دیے بغیر طلال نے حکم دیا۔
''ابھی، اس وقت؟'' حضور بخش کی نظریں سامنے دیوار پہ لگے وال کلاک پر گئیں جو صبح کے چار بجا رہی تھی۔
''یہی وقت بیسٹ ہے اس بانو بڑھیا کے بل میں گھسنے کا، وہیں چھپی ہے وہ حرام زادی۔'' رات بھر کے جاگے ہوئے بھی اس وقت نیند میں مدہوش ہوتے ہیں، ویسے بھی سارے انتظامات مکمل ہیں میرے۔''
''مگر سر جی، اوہ پروگرام تو کل کا تھا؟'' حضور بخش کی روح فنا ہونے لگی۔ بڑے ملک صاحب نے یقیناً اس کی کھال کھنچوا کر بھس کروا دینا تھا۔ حضور بخش نے انہیں طلال کا ایڈوانس کل کا بتایا تھا اور وہ آج دن میں آ رہے تھے۔
''اوئے کل دل کو چھوڑ، جو کرنا ہے بس آج ہی کرنا ہے۔ مجھے انفارمیشن ملی ہے کہ آج کل میں بڑے میاں آنے والے ہیں میرے پاس۔ ان کے آنے سے پہلے پہلے اپنا کام کرنا ہے مجھے۔'' طلال کی بات پر حضور بخش بے اختیار کراہ کر رہ گیا۔ دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔ ایک سیر دوسرا سوا سیر۔ دونوں نے اپنے اپنے مخبر ایک دوسرے کی جاسوسی کے لیے چھوڑے ہوئے تھے۔
''میں آ رہا ہوں جی۔'' حضور بخش نے مری مری آواز میں جواب دیا۔

☆☆☆

دنیا والوں کے نزدیک وہ بہت پر اعتماد، بہت بہادر تھا مگر پتا نہیں کیوں دل کا معاملہ آتے ہی کمزور پڑ جاتا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تھا۔ کہتے ہیں کہ محبت انسان کو طاقت ور بناتی ہے مگر یہی محبت انسان کو کمزور اور ڈرپوک بھی بنا دیتی ہے۔ مانی چاہتا تھا عائشہ سے صاف صاف بات کرنا، اپنے اور اس کے درمیان تعلق کی وضاحت مگر وہ سوچتا، ارادے باندھتا اور پھر ان ارادوں کو توڑ دیتا، کمزور پڑ جاتا۔ وہ سوچتا کہ اگر عائشہ نے جواب دیا کہ وہ دل سے اس رشتے پر راضی ہے تو؟ مگر اس کے ساتھ ساتھ اسے نہ جانے کیوں یہ بھی خیال آتا کہ وہ کچھ بھی بھولی نہیں ہے۔ اس کے دل میں مانی کا مقام اور جگہ الگ ہے، مگر اگلے ہی لمحے اسے اپنا یہ خیال اپنی خوش فہمی لگتا۔ خوش گمانی جو ہر محبت کے ساتھ ہوتی ہے۔ ہر پیار کرنے والے دل میں ہوتی ہے، یہ خوش فہمی اور خوش گمانی اس کے اندر بھی تھی۔

''ایک بار تو اپنی فیلنگز اسے بتانی ہی ہیں۔ کل کو زندگی میں یہ پچھتاوا نہ ہو کہ کاش میں اس سے بات تو کرتا۔'' مانی کا دل اسے سمجھا رہا تھا مگر ضمیر کی اپنی ہی اخلاقیات تھیں۔

''اب وہ کسی اور سے منسلک ہے، اب دل کی دہائی دینا یا محبت کے نام پر اسے پریشرائز کرنا، یہ ٹھیک نہیں۔ ویسے مدثر احمد تمہارا ماننا ہے کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز نہیں ہوتا۔'' ضمیر نے طنز نہیں کیا تھا، بس یاد دلایا تھا۔

''پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' وہ اپنے آپ سے سوال کر رہا تھا اور جواب؟ یا تو بہت سارے تھے یا ایک بھی نہیں تھا۔

''خود کو قسمت اور حالات کے دھارے پر چھوڑ دوں؟ اور اگر نتائج دل کی خواہش کے برعکس آئے تو؟''

''کسی اور کے لیے راضی کر لو گے خود کو؟'' دل سوال کر رہا تھا اور مدثر احمد کی آنکھوں میں کرچیاں سی چبھنے لگیں۔

کسی نے کہا تھا کہ کچی عمر کی محبت بڑی پکی ہوتی ہے۔ سچ ہی کہا تھا پہلی محبت، اولین خمار وہ شاید نہیں بھول سکتا تھا۔ اس لڑکی کے خواب جو ایک ٹین ایج لڑکے نے دیکھے تھے۔ اب ایک سمجھ دار اور باشعور مدثر احمد بھی ان خوابوں کو ایک طرف کر کے نئے راستے پہ قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ یہ خواب اس کی زندگی تھے اور زندگی کسے پیاری نہیں ہوتی؟

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

صبح کا اجالا دھیرے دھیرے پھیل رہا تھا اور چاند کی زندگی میں یکا یک ہی اندھیرا چھا گیا تھا۔ ایسا گھور اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ اس کو بھی نہ کچھ نظر آ رہا تھا، نہ کچھ سجھائی دے رہا تھا۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہا تھا مگر سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ بس ڈاکٹر کی کہی ہوئی بات، گرم سلاخ بن کر دل میں اتر گئی تھی۔

''آپ کا بچہ ٹھیک ہے، مگر ہمیں افسوس ہے، آپ کی بیوی کو نہ بچا سکے۔''

کیا یوں بھی ہوتا ہے کہ زندگی یکا یک ہاتھ چھڑا کے چل دیتی ہے؟ بے یقین دل سمجھ نہیں پا رہا تھا، لوگوں کی تسلی، دلاسا، سب بے کار تھے۔ کسی پتھر کے بت سے مخاطب تھے سب۔

''کچھ دن اندھیرے کمرے میں پڑا وہ اپنے غم کا ماتم کرتا رہا۔ اسے قبول کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر ابھی تک صبر ہنوز اس سے دور تھا۔ اسے اپنے بچوں کا بھی ہوش نہ رہا تھا۔ تینوں کو ترنم اور منی سنبھال رہی تھیں، نومولود کو تو اس نے ابھی تک دیکھا بھی نہیں تھا۔ جس کے لیے اس کے دل میں نفرت کا جو طوفان اٹھا تھا، وہ کم ہونے کے بجائے مزید تیز ہو رہا تھا۔

''یہ بچہ نہیں سانپ ہے جو میری زندگی نگل گیا۔'' چاند کے دل و دماغ میں آنے والا اولین خیال بہت جلدی جڑ پکڑ کر طاقت ور پیڑ بن رہا تھا۔ اپنے کمرے میں لیٹا لیٹا وہ جانے کیا کیا سوچ رہا تھا اور کبھی بالکل خالی الذہن ہو کر ایک ایک شے کو تک رہا تھا۔ اس کے سامنے دوپہر ہوئی پھر شام اور اب شام بھی ڈھل کر رات میں مدغم ہو گئی تھی۔ کمرے کی لائٹ بند تھی۔ بالکنی سے آنے والی تاریکی نے کمرے کے اندھیرے کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ مضمحل انداز میں وہ اٹھ بیٹھا اور بالکنی میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

زندگی ایک بار پھر بے سمت ہو گئی تھی۔ چلتے چلتے راستہ گم ہو گیا تھا۔ وہ حیران پریشان کھڑا دیکھ رہا تھا مگر اپنے چہار طرف اسے تاریکی کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔ برابر والے کمرے میں چند عورتیں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں

جو ترنم کے پاس بہو کی جواں مرگی پہ تعزیت کرنے آئی تھیں۔
''بے چاری ترنم! کیسے ارمانوں سے شادیاں کی تھیں بچوں کی۔ منی بھی لٹ پٹ کر گھر واپس آ گئی۔ جوان بہو چلی گئی۔ مرد کا کیا ہے، اسے تو اور کوئی بیوی مل ہی جائے گی۔ بچے بے چارے رل گئے۔'' یہ تاجی کی آواز تھی۔
''لڑکی کی تو خیر ہے، بڑی ہو کر ترنم کے کام آئے گی۔ دونوں پھوپھی بھتیجی آپا بیگم (منی کی نانی) کا چوبارہ سنبھال لیں گی۔ آپا کے بعد تو چوبارے کی رونق ہی ختم ہو گئی۔ ساری محفلیں اجڑ گئیں۔''
کسی دوسری عورت کی زکام زدہ آواز چاند کی سماعتوں سے ٹکرائی گویا کسی نے کانوں میں انگارے گھسیڑ دیے ہوں۔
''ارے منی! کب تک نہائے گی تیری ماں؟ کتنی دیر ہو گئی بیٹھے ہوئے۔''
''بس خالہ! ابھی آنے ہی والی ہیں۔ دراصل جب آپ آئی تھیں، تب ہی گئی تھیں وہ نہانے۔'' منی اپنی بھتیجی کو کندھے سے لگائے تھپک رہی تھی۔
چاند اپنے شل ہوتے اعصاب کے ساتھ وہیں بالکنی میں کھڑا تھا۔ وہ تو ابھی تک اپنے غم کا ماتم کرنے میں مصروف تھا جو باتیں اس نے ابھی سوچی ہی نہیں تھیں، وہ دوسرے لوگ سوچ رہے تھے۔
''میری بیٹی.....'' وہ بڑبڑایا۔ اس کے سامنے اپنی بہن اور بیٹی کے چہرے آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔

☆☆☆

صبیح، چمکتا ہوا چہرہ تھا۔ جس پر لائٹ سی پنک لپ اسٹک، آنکھوں پہ آئی لائنر اور مسکارا لگا کر آئینے میں جائزہ لیا گیا۔
''واؤ، بیوٹی فل۔'' ماریہ نے خود ہی اپنے آپ کو داد دی۔
''کتنے ہفتے لگیں گے تیار ہونے میں۔'' مانی نے کلائی اٹھا کر گھڑی میں وقت دیکھا اور ماریہ کو ساتویں بار آواز لگائی۔
''آ رہی ہوں نا۔ یہ لیں، میں آ گئی، چلیں۔'' ماریہ نے بھاگم بھاگ اپنا بیگ اٹھایا اور آ گئی۔
''اپنی اوٹ پٹانگ سہیلیوں کے گھر جانا ہو تو فروا کو ساتھ لے جایا کرو۔'' مانی نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے مشورہ دیا۔
''انہی محترمہ کی شادی کا کارڈ دینے جا رہی ہوں، میں نے کہا تھا مگر انہیں شرم آ رہی تھی۔'' دادی اور امی کو تو لے جا نہیں سکتی۔ ابو بہت مصروف ہیں۔''
''اور میں تو جیسے بہت فارغ، بلکہ سب سے زیادہ فارغ ہوں۔'' مانی نے اپنی بہن کو گھور کے دیکھا۔
''کیوں، آپ کیا صدر مملکت ہیں؟'' ماریہ نے ایک تیکھی نظر بھائی پر ڈالی۔
''پھر تو اتنا مصروف نہ ہوتا۔'' مانی نے اس کی نشان دہی پر یہ مطلوبہ بنگلے کے آگے گاڑی روکی، جو پوش علاقے میں بنا تھا۔ باہر سے بے حد خوب صورت اور عالی شان تھا۔
''بڑی امیر کبیر سہیلیاں بنانی شروع کر دیں تم نے؟'' مانی نے گاڑی سے اترتے ہوئے حیرت سے کہا ماریہ نے کوئی جواب نہیں دیا، مسکرا کر رہ گئی۔ واچ مین کو اپنا نام بتایا، سہیلی کا نام بتایا۔ جس سے ملنا تھا۔ واچ مین نے انٹرکام پر بات کر کے بڑا سا گیٹ کھول دیا۔
سہیلی کار پورچ میں ہی مل گئی۔ دونوں بہت جذباتی ہو کر گلے مل رہی تھیں۔ ایک دوسرے کی خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ مانی نے سہیلی کو ایک نظر دیکھا اور ایک گہری سانس لی۔
''تمہیں میرا ایڈریس کہاں سے ملا؟'' ڈرائنگ روم میں بٹھاتے ہوئے عائشہ ماریہ سے پوچھ رہی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''پرانے محلے سے؟ خالہ کو ایڈریس اور فون نمبر دے کر آئی تھی میں۔''

اپنے سوال کا جواب بھی اس نے خود ہی دے دیا۔ دونوں ایک عرصے بعد ملی تھیں۔ ان کی باتیں یقیناً ختم ہونے والی نہیں تھیں۔ دونوں سے ذرا دور الگ صوفے پر مانی بیٹھا اپنے جوتوں کی ٹو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

''قسمت لائی ہے اس لڑکی کے در پر یا اتفاق؟''

''تھوڑی دیر میں ملازمہ ٹرالی گھسیٹتی ہوئی لے آئی۔ انواع واقسام کے اسنیکس سے بھری ہوئی۔

''ارے اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟'' ماریہ جانے کیوں محجوب ہوگئی۔ مگر عائشہ نے پلیٹ اسے بھر کے دی اور اصرار کر کے کھلائی۔ مانی نے فقط چائے کے ایک کپ اور ایک آدھ بسکٹ پر اکتفا کیا۔

''اچھا، شادی میں آنا ضرور اور سب کو لانا، سب کی دعوت ہے۔'' ماریہ نے تاکید کی۔ خالہ سے تو ملاقات ہو نہیں سکی تھی، وہ شاپنگ کرنے گئی ہوئی تھیں۔

''کارڈ تو لے لو۔'' ماریہ بیگ کھول کر کارڈ نکالنے لگی۔ نہیں بلکہ بیگ کھنگالنے لگی۔ مگر کارڈ ہوتا تو ملتا۔ جلدی جلدی میں محترمہ رکھنا ہی بھول گئی تھیں۔ ''اف.....'' شرمندگی کے مارے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔

''اس فارمیلٹی کی ضرورت نہیں ماریہ! تم فون پر بھی دعوت دے دیتیں تو میں آجاتی۔'' عائشہ نے اس کی شرمندگی کم کرنی چاہی۔

''مجھے دے دینا کارڈ۔ ہمارے آفس میں ہی ہوتی ہیں عائشہ۔ میں دے دوں گا۔'' مانی نے اپنی چپ کا روزہ توڑا۔

''ہائیں.....'' ماریہ نے بھونچکا ہو کر باری باری دونوں کی شکلیں دیکھیں۔

☆☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اپنے آنسو پونچھ کر اس نے خود کو مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ یہاں سے جانے کا فیصلہ وہ بہت پہلے ہی کر چکا تھا۔ فیصلے پر اب بھی قائم تھا مگر یہ نہ سوچا تھا کہ یوں جانا پڑے گا۔ چاند نے بے بسی سے کمرے کے چاروں طرف نظریں دوڑائیں، اپنی جمع پونجی کا جائزہ لیا جو گھر بنانے کے لیے جمع کی تھی۔ اسے اپنے فیصلے کے نتائج کا نہ اندازہ تھا اور نہ ہی پروا۔ اسے شدید غم وغصہ تھا۔ بندوں پر بھی، خالق پر بھی۔ جس نے اس کو بے حد مختصر خوشیاں دیں۔ اور پھر واپس لے لیں۔

اپنے غم اور اپنے غصے کے ساتھ دو بچوں کو لے کر چاند وہاں سے نکل گیا۔ چھوٹے بیٹے کی تو اب تک صورت بھی نہ دیکھی تھی اس نے۔ اور آئندہ زندگی میں کبھی دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس کی ذہنی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ خود سے وابستہ قریبی رشتے بھی اجنبی اور بیگانے محسوس ہو رہے تھے۔ سو وہ بھی اجنبی اور بے گانہ بن گیا۔ جس جگہ سے، جن لوگوں سے اس کی خاص جذباتی وابستگی نہیں تھی۔ انہیں چھوڑتے ہوئے اسے زیادہ دکھ محسوس نہیں ہوا تھا۔

''مجھے ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کرنا۔ میں واپس نہیں آؤں گا۔''

ترنم تو غش کھا کر ایسی گری کہ اگلے روز اسپتال میں ہوش آیا۔ ڈاکٹرز کے مطابق اسے نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ منی حواس باختہ سی ہوگئی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسپتال میں پڑی ماں کو دیکھے یا اس ننھی سی جان کو جسے ایک باپ نفرت کی علامت بنا کر چھوڑ گیا تھا۔

یکا یک اس کے دکھ اور کرب کی جگہ اشتعال نے لے لی۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کیا۔ ماسٹر جی عرف چاچا درزی تھے۔ اس عمارت کے بیشتر مکین ان کے پرانے گاہک تھے۔ ترنم اور منی بھی، مہربان اور پرخلوص تھے۔ سب کے دکھ سکھ سن لیتے تھے۔ کبھی ہمدردی کبھی تسلی، کبھی دلاسا، کچھ نہ کچھ لوگوں کو دیتے ہی تھے۔ منی ان کے پاس پہنچی تو اس کی بات سن کر وہ بھونچکا رہ گئے۔

''کیا کہہ رہی ہے منی؟''

''میں سچ کہہ رہی ہوں چاچا، مجھے اس وقت جتنی نفرت اپنے بھائی سے ہو رہی ہے۔ اس سے زیادہ اس بچے کے لیے ہے۔ یہ ایسی خود غرض انسان کا خون ہے۔ میں ایک منٹ بھی اسے اپنے آس پاس یا اپنے گھر، گوارا نہیں کر سکتی، اسے کسی یتیم خانے میں دے دو یا سڑک کنارے ڈال دو، کچھ بھی کرو، تمہاری مرضی۔'' منی نے زہریلے لہجے میں بولتے ہوئے اس معصوم چہرے پر ویسی ہی نگاہ ڈالی تھی۔

''تیری ماں؟''

''وہ تو بیٹے کے جانے کی خبر سنتے ہی اسپتال پہنچ گئیں۔ ان کے علم میں نہیں کہ وہ بے شرم، اپنے ایک بچے کو یہیں چھوڑ گیا ہے۔ اور میں انہیں بتاؤں گی بھی نہیں۔ ورنہ جو جان باقی بچی ہے، وہ اس پر چھڑک چھڑک کر ختم کر لیں گی۔ یہ راز بس بہری بوا کو معلوم ہے۔ مجھے اور تمہیں۔''

''میری آپا بے اولاد ہے، وہ پال لے گی۔'' چاچا نے فوراً ہی فیصلہ کر لیا۔ منی واپس چلی گئی اور وہ بچہ چھ سال کی عمر میں چاچا کے پاس واپس آ گیا تھا جب ان کی آپا کا انتقال ہوا۔ چاچا کو تو ویسے بھی دنیا کے ہر انسان سے محبت تھی اور اس بچے کے لیے تو ان کا دل محبت سے لبریز تھا۔ جس کا نام خود انہوں نے شاہ میر رکھا تھا۔

☆☆☆

شرجیل کی مدد سے بال پیچھے کی طرف سیٹ کیے ہوئے۔ آنکھوں پر عینک چہرے پر از حد سنجیدگی، لیپ ٹاپ کھولے، وہ بہت انہماک سے چند خبروں کا جائزہ لے رہا تھا۔

پہلی خبر، سندھ ہائی کورٹ کی جانب سے شاہ زین قتل کیس کے مبینہ مرکزی ملزم شاہ ولی اور دیگر کی سزائیں کالعدم قرار دینے اور کیس میں انسداد دہشت گردی کی دفعات ختم کیے جانے کے بعد سیشن کورٹ نے شاہ ولی سمیت تمام ملزمان کو ضمانت پر رہا کر دیا ہے۔

دوسری خبر، اس علاقہ کے مکینوں، جہاں شاہ زین قتل ہوا تھا، نے عدالت عظمیٰ نے سندھ ہائیکورٹ کے فیصلہ کے خلاف کرمنل پٹیشن دائر کی ہے۔ اس پٹیشن میں کہا گیا ہے کہ بہیمانہ قتل کی وجہ سے علاقہ میں دہشت کی فضا قائم ہوئی اور اس سے عام لوگوں میں خوف اور عدم تحفظ کا احساس پھیلا، سول سوسائٹی نے کیس میں سندھ ہائیکورٹ کی جانب سے انسداد دہشت گردی کی دفعات ختم کرنے اور اس کے نتیجے میں ملزمان کی رہائی کو چیلنج کیا ہے۔

تیسری خبر، عدالت نے سول سوسائٹی کی اپیل منظور کرتے ہوئے مرکزی ملزم اور دیگر نامزد ملزمان کے نام ای سی ایل میں ڈالنے کا حکم دیا اور کیس کے تمام فریقین کو نوٹس جاری کرتے ہوئے ملزمان کے قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری بھی جاری کر دیے۔

چوتھی خبر، یہ ایک تصویر تھی جس میں پولیس شاہ ولی کو دوبارہ گرفتار کر کے لے جا رہی تھی۔

ترنم بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔ اس کی رنگت خطرناک حد تک زرد تھی جیسے جسم کا سارا خون کسی نے نچوڑ لیا ہو۔

''سب تمہارا قصور ہے۔ اپنا خون پلا پلا کر سانپ پالا تھا تم نے۔ ڈس کر چلا گیا ہمیں۔ کیا تھا جو وہ ہمیں بھی ساتھ لے جاتا؟'' اپنا سارا غم اور سارا غصہ منی نے ماں پر انڈیل دیا۔

''اپنی بیٹی کبھی نظر نہ آئی تمہیں۔ بس ایک وہی تھا سگا۔ جس کے آگے پیچھے گھومتی رہتی تھیں۔ دیکھ لیا، کیا صلہ دے کر گیا ہے؟'' تھوک کر گیا ہے وہ ہماری شکلوں پر۔''

''بس کر جا منی، چپ ہو جا۔ تجھے خدا کا واسطہ ہے۔ خاموش ہو جا۔'' ترنم کی آنکھوں میں بے بسی کے ساتھ ساتھ وحشت بھی ناچنے لگی۔

''میرے خاموش ہونے سے حقیقت نہیں بدلے گی۔ وہ واپس نہیں آئے گا۔'' منی کا لہجہ اور زہر خند ہو گیا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''بددعائیں نہ دے، وہ آئے گا۔ ضرور آئے گا۔'' ترنم بلبلا اٹھی۔
''تمہاری میت پر بھی نہیں آئے گا۔'' وہ جواباً چلائی۔
نام نہاد شادی نے اس کے وجود میں جو زہر گھول دیا تھا وہ اس کی زبان میں آ گیا تھا۔ اسے سہارے کی ضرورت تھی۔ دل جوئی اور ہمدردی کی ضرورت تھی۔ وہ بھائی تھا مگر اس نے بہن کے سر پر ہاتھ نہیں رکھا۔ ماں کے دل میں بیٹی کے لیے وہ مامتا تھی جو فطری طور پر ہر ماں میں ہوتی ہے مگر وہ بیٹی سے اس کا اظہار نہ کر سکی تھی۔ ترنم نے اپنے جان واردی پہلے بیٹے کی چاہت میں، پھر اس کے غم میں۔
منی کو بس ایک ہی راستہ سجھائی دیا۔ وہ جھمکا جان بن گئی۔

☆☆☆

ہلکے رنگوں کا سادہ مگر قیمتی جوڑا پہنے، کانوں میں ڈائمنڈ کے ٹاپس اور بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں ڈائمنڈ رنگ، چہرے پر ہلکا سا میک اپ اور پریشانی کے آثار۔
''میری سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ دونوں باپ بیٹے مل کر کیا کھچڑی پکا رہے ہیں۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ سب کیا دھرا آپ کے صاحبزادے کا ہے۔ موصوف اپنی شادی کے معاملے میں اپنا حق اور اپنی مرضی استعمال کرنا چاہتے ہیں۔'' ڈیڈ نے فوراً ہاتھ کھڑے کر کے اپنی برأت ظاہر کی۔
''اف.....'' انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھاما۔
''ممی! آپ میرے اور عائشہ کے درمیان جو رشتہ قائم کرنا چاہتی ہیں، اس کے لیے نہ میں ایگری ہوں نہ عائشہ۔ یہ بندھن زبردستی کے نہیں ہوتے۔'' ذوہیب نے آگے جھک کر ذرا سنجیدگی سے کہا۔
''ویسے سبرینہ بھی اچھی لڑکی ہے۔ فیملی بھی اچھی ہے۔'' ڈیڈ نے لقمہ دیا۔
''آپ دونوں نے مل کر خود ہی سارے فیصلے کر لیے۔ میں کیا کہوں؟'' خالہ بھی سنجیدہ بلکہ رنجیدہ تھیں۔
''ایسی بات نہیں ہے ممی، لاسٹ ڈیسیشن تو آپ کا ہی ہوگا۔ مجھے تو بس یہ معلوم ہے کہ آپ ہم سے بہت محبت کرتی ہیں۔'' ذوہیب نے ایموشنل بلیک میلنگ سے کام لیا۔
''مجھے بھی یہی خوش فہمی ہے۔'' ڈیڈ بڑبڑائے۔
''عائشہ نے مجھ سے تو کبھی کچھ نہیں کہا۔'' خالہ نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔
''آپ کے احسانات، آپ کا لحاظ، بس ان ہی عوامل نے بچی کو لب کشائی سے باز رکھا۔'' ڈیڈ۔۔۔ مداخلت کر کے بیٹے کی مدد کو آگے بڑھے۔
''یہاں آ کر آپ کی اردو کچھ زیادہ اچھی نہیں ہو گئی؟''
''ممی! میرے فیوچر کا معاملہ ہے اور دل کا بھی۔'' ذوہیب نے دہائی دی۔
''میں بس یہ چاہتی ہوں عائشہ! ڈس ہارٹ نہ ہو۔ بن ماں کی بچی ہے۔ بلکہ سمجھو تو دنیا میں سوائے ہمارے اس کا کوئی نہیں۔ ددھیالی رشتے دار ہیں مگر اکثر ملک سے باہر۔ وہ تو ہمارے علاوہ کسی کو جانتی ہے نہ پہچانتی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو۔ نہ میری طرف سے نہ میری فیملی کی طرف سے۔'' خالہ بے حد سنجیدہ ہو کر بول رہی تھیں۔
''یہ یقین میں دلاتا ہوں آپ کو کہ اپنی بہو بنا کر آپ اس کی خوشیوں کا سامان نہیں کریں گی بلکہ یہ اس کے ساتھ زیادتی ہی ہوگی۔ اسے اپنی مرضی کی زندگی اور خوشیاں چننے کا حق ہونا چاہیے۔'' ڈیڈ بھی کچھ کچھ سنجیدہ ہو چلے۔ اگرچہ یہ ان کے لیے ایک مشکل امر تھا۔
''مگر اس کی مرضی اور خوشی ہے کیا؟'' خالہ نے اصل سوال اب کیا تھا۔
''ہے ایک شریف انسان، ملوا دیں گے آپ کو۔'' ذوہیب نے جلدی سے جواب دیا۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint

''تم ملے ہو اس سے؟'' خالہ نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔
''سرسری سی ملاقات ہوئی موصوف سے۔ مجھے تو ٹھیک ٹھاک بندہ لگا۔'' ذوہیب نے کندھے اچکائے۔
''اچھا، چلو پھر سبرینہ سے ملواؤ۔'' خالہ نے مزید دلن بننا مناسب نہیں سمجھا اپنے بچوں کی خوشی میں وہ بھی خوش تھیں۔

☆☆☆

دو دن پہلے جب ماریہ اور مانی، عائشہ کو خدا حافظ کہہ کر ڈرائنگ روم سے نکلنے ہی والے تھے کہ ذوہیب آ گیا۔
''آپ تو اچھے خاصے فیمس ہیں، کون نہیں جانتا آپ کو۔'' عائشہ کے تعارف کروانے پر ذوہیب نے بہت گرم جوشی سے ہاتھ ملایا تھا۔
مدثر احمد عرف مانی نے آج پہلی بار اپنے رقیب رُوسیاہ کو دیکھا تھا۔ کوشش کے باوجود بھی وہ اعلا ظرفی کا مظاہرہ کرنے میں ناکام تھا۔ ذوہیب کے انتہائی پُرتپاک مصافحے کے جواب میں وہ فقط ایک مسکراہٹ ہی پیش کر سکا۔ وہ بھی بہت پھیکی سی۔ ذوہیب اس کی تعریف کر رہا تھا اور وہ ایک مختصر سا شکریہ ہی کہہ سکا۔
''قلم تو آپ کا خوب بولتا ہے۔ آپ مگر کم گو ہیں شاید؟''
''ایسی بات نہیں ہے۔ اتنا کم بھی نہیں بولتا میں۔ دراصل سر میں درد تھا۔ ٹریفک اور ڈرائیونگ سے اس میں اور اضافہ ہو گیا۔'' مانی کو اپنی بداخلاقی کا احساس ہوا تو بودا سا بہانہ گھڑ لیا۔
''عائشہ! اپنے مہمانوں کی اچھی طرح خاطر تواضع کی یا یونہی ٹرخا دیا؟'' وہ بے تکلفی کے ساتھ عائشہ سے مخاطب تھا۔ مانی نے بے حد رشک سے اسے دیکھا اور ایسی ہی حسرت سے عائشہ کو، جو بے حد خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ ذوہیب کے سوال کا جواب دے رہی تھی۔
''اچھا اب اجازت، شادی میں آئیے گا۔'' مانی نے رخصت کی اجازت کے ساتھ ساتھ اخلاقیات نبھائی۔
''ضرور آئیں گے اگر عائشہ نے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دی تو.....''
ذوہیب تھوڑا سا شرارتی ہوا۔ عائشہ کا رازدار اور واقف حال تھا مدثر احمد کا حال دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔ مگر پھر سنجیدہ ہو گیا۔
''آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی مدثر! مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔'' ذوہیب نے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔
''ضرور ہوں مگر خدا نہ کرے کہ یہ ملاقاتیں رقیب کی حیثیت سے ہوں۔'' مانی نے دل ہی دل میں دعا کی۔

☆☆☆

حضور بخش نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ گن لوڈ کی اور جیب میں رکھی۔ سیل فون اٹھایا۔ فریج سے پانی کی بوتل نکال کر منہ سے لگائی۔ تمام وقت وہ ایک ادھیڑ بُن میں تھا۔ اب فقط چند منٹ تھے اس کے پاس۔ وہ بڑے ملک صاحب کو فون کر کے آگاہ کرے یا نہ کرے؟
اگر طلال کو علم ہو جاتا ہے کہ اس نے بڑے صاحب کو کال کی ہے تو وہ حضور بخش کا وہ حشر کرے گا کہ اس کی سات پشتیں بھی یاد رکھیں اور دوسری طرف جو ایڈونچر وہ کرنے جا رہا تھا اس میں بہت بڑا رسک تھا۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو بڑے ملک صاحب نے اس کا وہ حشر کرنا تھا کہ وہ زندوں میں ہوتا نہ مردوں میں۔ سیل فون ہاتھ میں لیے سوچ رہا تھا۔ چہرے پر کشمکش کے آثار تھے۔ ایک طرف کنواں تھا، دوسری طرف کھائی، بالآخر اس نے فیصلہ کر ہی لیا۔ اور بڑے صاحب کو کال کرنے لگا۔ اسے یہ آسرا تھا کہ وہ حضور بخش کو درمیان میں لائے بغیر اپنے طریقے سے اپنے بیٹے کو قابو کر سکتے تھے۔
طلال کو اگر اس کی مخبری پر شک بھی ہو تو بڑے ملک صاحب اس شک کو رفع دفع کرنے کی صلاحیت رکھتے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

تھے۔ لیکن اگر اس مہم جوئی کے دوران ان کے بیٹے کو کچھ ہو جاتا ہے تو ان کے عتاب سے حضور بخش نہیں بچ سکتا تھا۔ انہیں کال کر کے وہ طلال کے پاس آیا۔ وہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''تو سرونٹ کوارٹر سے آ رہا تھا یا دوسرے شہر سے۔ اتنی دیر لگا دی؟'' طلال نے اپنی سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔

''نہانے دھونے میں اور تیاری میں ذرا ٹائم لگ گیا سر جی۔'' حضور بخش مودب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

''تیری بارات چڑھ رہی ہے جو تیاری میں اتنا ٹائم لگا دیا۔''

طلال نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا، ڈانٹ پھٹکار کا یہ سلسلہ ابھی مزید جاری رہتا اگر اس کا موبائل نہ بجنے لگا۔

''اس وقت کون الو کا پٹھا ہے؟'' طلال نے بے زاری سے نمبر دیکھا اور ویسی ہی بے زاری سے ہیلو کہا، مگر دوسری طرف کی بات سنتے ہی اس کے تاثرات تبدیل ہو گئے۔ مختصر سی بات کر کے اس نے فون آف کر کے ایک طرف پٹخ دیا۔

''خیریت سر جی؟'' حضور بخش نے ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا۔

''وہ سالا بڈھا ایکسیڈنٹ کروا کے لمبا لمبا لیٹ گیا اسپتال میں۔ اپنی ساری آل اولاد کو بلا رہا ہے۔ لگ رہا ہے آخری وقت آ گیا۔ جائیداد تقسیم کرے گا۔'' طیش کے مارے طلال کا برا حال تھا۔ اس کا شکار کبھی کچھ وقت کی دوری پر تھا۔ مگر وہ یہ شکار کر نہیں سکتا تھا۔

''ٹکٹ کروا فٹافٹ، پہلی فلائٹ سے جانا ہے۔'' طلال نے اسے حکم دیا۔ اس کی حالت زخمی شیر سے کم نہ تھی مگر باپ کے حکم سے سرتابی بھی ناممکن تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆☆☆

موبائل بہت دیر سے بج رہا تھا۔ اپنے خیالات میں گم، ناخن چباتی ہوئی نائلہ نے یونہی سر اٹھا کر دیکھا۔ اور اسکرین پر چمکتا نام پڑھ کر اس نے تیزی سے کال اٹینڈ کی۔

ہیلو، ہیلو، جمال، میں..... میں ہوں نائلہ!'' نائلہ کے حلق میں گولا سا اٹک رہا تھا۔ بات کرنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔

''جھمکا کہاں ہے؟ اسے دے فون۔''

''تم کہاں ہو؟ کیسے ہو..... مم..... میں.....''

''جھمکا کو فون دے، میں بہت جلدی میں ہوں۔ زیادہ لمبی بات نہیں کر سکتا، پولیس کو پتا چل گیا تو پکڑا جاؤں گا۔'' جمال نے دانت پیس کر اسے جلدی جلدی تفصیل بتائی۔

اتنے میں جھمکا نے آ کر اس کے ہاتھ سے فون جھپٹا اور کان سے لگایا۔

''آپا! میں ایک ایڈریس سینڈ کر رہا ہوں۔ نائلہ کو وہاں پہنچا دو ابھی۔'' جمال نے اس کی آواز سن کر بغیر کسی تمہید کے مدعا بیان کیا۔

''تیرے باپ کی نوکر ہوں جو وہاں بیٹھ کر حکم چلا رہا ہے۔'' وہ غرائی۔

''سمجھا کرو، میں واپس آ کر ساری پے منٹ کر دوں گا۔ اتنا دوں گا کہ تو خوش ہو جائے گی۔ ابھی تو میرا کام کر دے۔ میری اچھی آپا۔'' جمال حسب عادت خوشامد پر اتر آیا۔ جھمکا نے چند لمحے سوچا پھر بولی۔

''ٹھیک ہے ایڈریس سینڈ کر دے میں خود لے آؤں گی یا بھجوا دوں گی۔''

(آخری قسط، آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

بسمہ شان نے پارس نواب

# عید کا ہار اور تہذیب

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''ہائے یہ جوڑوں کے درد نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ماہا..... ماہا.....''

''السلام علیکم! یہ ماہا کہاں ہے؟ شبانہ باجی قرآن خوانی کے لیے بلا رہی ہیں۔ کب سے شروع ہوئی ہے پر ابھی تک ختم نہیں ہوئی۔ بے چاری کبھی اس گھر میں تو کبھی اس گھر بلانے جا رہی ہیں پر مجال ہے کوئی آ جائے۔ بھئی آج کل کے بچے اللہ بچائے۔''

وہ نان اسٹاپ بولتی دھپ سے چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ برآمدے میں موجود نفوس دم سادھے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''ارے ماہا! کہاں ہو بھئی۔ شبانہ باجی بلا رہی ہیں یا تو پڑھ آؤ یا سپارے کا نمبر لے لو جا کر۔ کب.....''

''السلام علیکم آنٹی!'' میں نے صابن لگے برتنوں کو چھوڑا اور فٹ سے برآمدے میں جا کر سلام کیا، مبادا پھر شروع نہ ہو جائیں اور پھر مجھے اپنے بہن بہنوئی کے سامنے سبکی نہ اٹھانی پڑے۔

''اچھا تو کام کر رہی ہو۔ بھئی، یہ گھر کے کام پیچھا نہیں چھوڑتے انسان کا۔ تم ایسا کرو، امی کو بھیج کر نمبر منگوا لو سپارے کا۔ کہاں ہیں تمہاری امی؟'' انہوں نے ادھر اُدھر نظریں دوڑا کر پوچھا۔

''یہ کون ہے؟''

''جی بہن ہیں اور یہ بہنوئی۔''

''اچھا کہاں سے آئی ہیں مطلب کہاں رہتی ہیں؟'' دونوں کے سلام کا جواب سر کے اشارے سے دے کر پوچھ بیٹھیں۔

''حیدرآباد میں رہتی ہیں، ملنے آئی ہیں۔''

''تم سے چھوٹی ہے؟'' روئے سخن میری جانب گھمایا۔

''جی نہیں، بڑی ہیں۔ بلکہ پورے سات برس بڑی ہیں۔''

''بڑی بی چشمے کا نمبر بڑھا لو۔'' میں نے دل ہی دل میں کہا۔

''ہاں کبھی کبھی ہوتا ہے جو بڑا ہوتا ہے، وہ چھوٹا لگتا ہے اور جو چھوٹا ہوتا ہے، وہ بڑا لگتا ہے۔ اب مجھے دیکھ لو..... ہائے یہ جوڑوں کا درد۔'' انہوں نے پیروں کو پلنگ کے اوپر رکھتے ہوئے دہائی دی۔

''عمر کا تقاضا ہے خالہ جی! میری پھپھو کو بھی جوڑوں کا درد ہے۔'' کافی دیر سے بیٹھے میرے دولہا بھائی نے لقمہ دیا۔

''آئے ہائے بھئی۔ میری عمر ہی کیا ہے، محض چالیس برس۔ سال پہلے میں ٹھیک ٹھاک تھی پر جب سے میری بہو بیگم شادی ہو کر آئی ہیں، تب سے یہ حال ہوا ہے۔ جہیز میں کچھ لائی ہوں نہ لائی ہوں، چکن گونیا کا بخار لے آئی ہیں۔ اس سے پہلے میرے بیٹے کو لگا پھر چھوٹے بیٹے کو پھر مجھے۔ یہ کھال وال تو اب لٹکی ہے ورنہ میں اتنی اچھی تھی۔ یہ گوری چٹی، اس ماہا سے بھی اچھی۔''

انہوں نے ہاتھ نچا نچا کر تقریر ہی کر ڈالی اور میں جو مشکل سے ان کی باتوں کو ہضم کر رہی تھی، آخری جملے پر جلا کر بھسم کرنے والی نظروں سے انہیں گھورنے لگی۔

''چلیں آنٹی! آپ فکر نہ کریں، ہمارے حیدرآباد میں تیل ملتا ہے، جڑی بوٹیوں کا۔ میں وہ بھیج دوں گا آپ کے لیے، صحیح ہے۔ اس کی مالش کرنا درد یوں بھاگے گا جیسے تھا ہی نہیں۔'' ولید بھائی چٹکی بجا کر بولے۔

''آنٹی! چائے۔'' اتنی دیر میں سارہ چائے لے آئی۔

''تم جانتی تو ہو، میں چائے نہیں پیتی۔ تم لوگ پیو میں ذرا گھر جاؤں۔ رات کے کھانے کا بھی کرنا ہے، ہماری بہو بیگم تو بیٹھی ہوں گی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے۔'' انہوں نے اپنے اسکارف کو سر پر جمایا۔

''ماہا سے بھی اچھی ہونہہ۔'' میں نے منہ بنا کر نقل اتاری۔

ہماری بہنا صاحبہ ہنستے ہوئے آنکھوں کے اشارے سے پوچھنے لگیں۔

''کون ہیں یہ؟''

''ہماری نئی پڑوسن۔''

''ہماری نئی پڑوسن دل لے گئی، دل لے گئی۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سارہ لہک لہک کر گانے لگی۔ میں نے کینہ توز نگاہوں سے اسے گھورا۔

☆☆☆

گورنمنٹ اسکول کی پرنسل، بوٹا قد، صاف رنگت، عمر ستر بہتر کے لگ بھگ۔ بقول ان کے خود صاف گو پر میرے مطابق بدتمیز، منہ پھٹ قسم کی اوصاف کی حامل یہ ہیں ''تہذیب بانو'' ویسے تو مسز ہیں پر مس کہلوانا زیادہ پسند کرتی ہیں تو زیادہ تر لوگ مس یا میڈم کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ اب بات ہو رہی مس تہذیب جو کہ صرف نام کی حد تک تہذیب ہیں ورنہ تہذیب و تمدن انہیں چھو کر بھی نہیں گزرا۔ پسندیدہ کام جھوٹ بولنا، مصروفیت اڑوس پڑوس میں تانکا جھانکی کرنا اور مشغلہ ہے اپنے بھائی کا گوشت کھانا یعنی غیبت کرنا۔

زبان کا چٹخارہ چاہیے باتوں میں بھی اور کھانوں میں بھی۔ کھانوں میں مسالا دو نمبر اور تیل نپا تلا۔ ارے نہیں نپے تلے سے تو کام چل جاتا ہے، اصل میں یہ بہت کم مقدار میں تیل ڈالتی ہیں اور باقی چیزیں گھٹیا قسم کی پر ذائقہ چاہیے اعلا۔ جو کہ آتا نہیں ہے پر بہو کی شامت آ جاتی ہے پھر وہ لتے لیتی ہیں بے چاری کے کہ میکے کے گڑے مردوں کو بھی بدسلیقہ اور پھوہڑ بنا دیتی ہیں۔

ابھی گزرے محرم کی بات ہے کہ ہمارے گھر ان بدتہذیب اور سوری تہذیب آنٹی کی تشریف آوری ہوئی۔ امی نے مجھے حکم دیا۔

''جاؤ ٹھنڈا بنا لاؤ۔''

پہلے تو موصوفہ منع کرنے لگیں کہ ''رہنے دو'' پھر کہنے لگیں۔ ''میں شربت میں چینی نہیں ڈالتی، ایسے ہی بناتی ہوں۔''

پر بھلا ہو میری یادداشت کا چھم سے میری آنکھوں میں ان کے گھر سے آیا شربت آ گیا جو کہ بمشکل ایک گلاس تھا۔ شکل سے ہی بڑا مسکین لگ رہا تھا۔ رنگ پھیکا سا، میوے کی ہوائیوں کی بھی ہوائیاں تیر رہی تھیں اور جب ایک گھونٹ بھرا تو نہ اگل پا رہی نہ نگل..... یعنی آگے کنواں اور پیچھے کھائی والی مثال بالکل فٹ بیٹھ رہی تھی۔ رہی چینی تو واقعی میں چینی نہیں ڈالی تھی کیونکہ اس میں شکرین شامل تھی، پر کسی اور کے گھر خالص جوس یا کسی پیے بغیر ٹلتی نہیں تھیں۔

''آپ نے ماہا کا رشتہ لگایا کہیں؟'' انہوں نے شربت کا گلاس لیتے ہوئے اپنے لہجے میں مٹھاس بھر کر اور آنکھوں میں پیار سمو کر مجھے دیکھا۔

''ماموں کہہ رہے ہیں اس کے، دیکھو کیا ہوتا ہے۔'' امی نے سہولت سے بتایا۔

''میرے بیٹے کو دیکھ لیں۔''

''کیا کرتا ہے؟'' امی نے بات برائے بات کی۔

''ٹی وی میں ہوتا ہے، چوبیس سال کا ہے۔ پڑھا لکھا، سلجھا ہوا ہے میرا بیٹا۔''

انہوں نے فخر سے جھوٹ بولا اور میں ان کے کالے بلکہ نیلے پیلے لال جھوٹ پر تلملا گئی۔ اگر جوان کے بیٹے کو نہ دیکھا ہوتا تو الگ بات تھی، مگر میں نے اپنی پاک باز آنکھوں سے اسے دیکھا ہے۔ چھوٹا قد بمشکل میرے کاندھے تک، سلجھا ہوا بھی خوب کہی۔ ماتھے پر ہمیشہ چھ سات بل اور عمر جس طرح ان کی خود کی چالیس سال ہے تو بیٹا تو واقعی چوبیس برس کا ہوگا، خیر بات آئی گئی ہوگئی۔

☆☆☆

''امی! اس بار ہم بکرے کی قربانی کریں گے۔'' ماہا نے ٹی وی میں مگن امی کو دیکھ کر کہا۔

''دیکھو کیا ہوتا ہے، پیسوں کا تو کوئی اتا پتا ہی نہیں ہے۔'' انہوں نے نے آہ بھری۔

''اچھا ایسا کریں، مسجد میں حصہ ڈال لیں۔ کیوں بھائی!''

''ہاں بھئی کیا کہنے تمہارے بھی۔ قربانی کے لیے پیسے ہیں نہیں اور تم ڈالنے لگی ہو مسجد میں حصہ۔ اتنا تپڑ ہے تم میں۔ ویسے اتنی عالمانہ بات تم ہی کر سکتی ہو۔'' شافین بھائی نے مذاق بنایا۔

''تم سے تو کچھ کہنا فضول ہے۔'' تپ کر کہا گیا۔

''تو نہ کہو۔'' زبان چڑائی گئی۔

''اب لڑنا شروع مت کرو تم دونوں۔'' ٹوکنے کے بعد روئے سخن ماہا کی جانب موڑا۔ ''ویسے ماہا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تمہارا آئیڈیا برا نہیں ہے۔" ماہا نے اپنے فرضی کالر کھڑے کیے۔

"کون سا آئیڈیا مسجد میں حصہ ڈالنے کا۔"

"ٹن ٹانن..... باادب باملاحظہ ہوشیار۔ محترمہ تہذیب آنٹی تشریف لا چکی ہیں۔"

چھوٹی اطلاع دے کر دوسرے کمرے میں روپوش ہوگئی۔ اس کے پیچھے شافین بھائی بھی غائب اور پیچھے رہ گئی میں۔ اب دماغ کی دہی بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"السلام علیکم آنٹی!" میں نے رسم میزبانی نبھائی۔

"وعلیکم السلام! کیا باتیں ہو رہی ہیں جناب؟" عبایا اتر چکا یعنی دو گھنٹے سے پہلے ٹلنے والی نہیں۔ میرے دل نے دہائی دی۔

"بچے قربانی کے جانور کی بات کر رہے ہیں۔" امی نے چہرے پر آئی بے زاری کو جھٹکا۔

"ہاں تو کیا لا رہے ہو اس بار؟"

"دیکھو بہن کیا لاتے ہیں۔"

"بھئی۔ ہم تو اس بار بھی بچھیا لائے ہیں۔ یہ اونچی موٹی (جیسے ہر بار لاتے ہیں، مسکین سی۔ میں نے دل میں سوچا)

"جیسی ہر بار لاتے ہیں۔"

"ہیں..... کیا میرے دل کی زبان بھی ہے کہ آواز انہوں نے سن لی۔" میں نے امی کے کان میں کھسر پھسر کی۔ امی نے مجھے تنبیہی نگاہوں سے گھورا۔

"پورے نوے ہزار کی ہے۔ یہ موٹی تگڑی۔" انہوں نے لمبی چھوڑی۔

"ماشاءاللہ۔" امی نے بے ساختہ کہا۔

"دیکھو بہن! محلے بھر میں گوشت بانٹتے ہیں (صرف ان کو جن کے گھروں سے آتا ہے) رشتے داروں کو (صرف امیر امیر) غریبوں کو (غریبوں کو تو بالکل نہیں) غرض سب کو تقریباً دو دو کلو ارے بھئی۔ دو دو کلو کیوں پورے دو کلو (یعنی دو بوٹیاں) گوشت بھیجتی ہوں۔" انہوں نے تفاخر سے گردن اکڑا کر ایک اور جھوٹ بولا اور میں بے چاری دل ہی دل میں ان کی تصحیح کرتی تھک گئی پر یہ محترمہ جھوٹ بول کر نہ ہانپیں اور پھر شروع.....

"برابر والی شمو بھابھی کی بھی گائے آگئی ہے۔ دیکھو کیسی ہے۔ بالکل ہڈیوں کا ڈھانچا۔ کہنے کو اپنی بکری، بکرے، گائے بھینس ہیں پر قربانی اس کی کرتی ہیں جو سب سے لاغر اور کمزور ہوں۔" نخوت زدہ لہجے میں کہا گیا۔

شمو بھابھی کا ذکر آیا تو میں فوراً سے منہ کھول کر ابھی اپنا دل ہلکا کرنے ہی لگی تھی کہ میری نگاہوں میں جہنم کی آگ اور بھائی کا مردہ گوشت گھوم گیا۔ وہیں میں نے جھرجھری لی اور پینترا بدلا۔

"چھوڑیں آنٹی! ان کا کرنا ان کے ساتھ، ہمارا کیا ہمارے ساتھ۔ بس اللہ پاک سب کی قربانیوں کو قبول کرے، آمین۔"

"ہاں بہن! سب نیتوں کی بات ہے۔ اللہ عزوجل صرف نیت دیکھتا ہے، چھوٹا یا بڑا نہیں دیکھتا۔"

"بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

امی نے عاجزی سے کہا۔

"پر امی! انسان حیثیت بھی دیکھتا ہے۔ پیسوں کی ریل پیل ہے۔ کہاں سے آیا اسی رحمان نے دیا ہے ناں پھر اتنی کنجوسی کس بات کی۔ اگر کہیں کسی کو نیچا دکھانا مقصود ہو تو پانی کی طرح پیسہ بہایا جاتا ہے اور اگر اللہ کریم کا حکم بجا لانے کی بات ہو تو یہ لاغر سی گائے۔" میں نے دکھ سے کہا۔

"ارے بیٹا کون سا پیسہ حلال ہے، دودھ کم پانی زیادہ تو دودھ بیچتے ہیں۔ اب اللہ جانے حلال ہے کہ حرام۔ اب قربانی چھوٹے جانور کی کی جائے یا بڑے کی سوال یہ پیدا ہوتا ہے جائز ہے یا ناجائز۔"

"ناجائز ہے حرام ہے۔ آپ دونوں نے کیا وہ قصہ نہیں پڑھا جس ایک خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے پہر گلیوں میں گشت کر رہے تھے، جب ہی انہوں نے ایک گھر سے خاتون کی آواز سنی جو اپنی بیٹی کو دودھ میں پانی ملانے کا کہتی ہے پر بیٹی منع کر دیتی ہے اور.....اور....." میں نے جوش میں تقریر ہی کر ڈالی۔

"چھری تلے دم تو لو لڑکی۔ تیز گام کی طرح بھاگے جا رہی ہو۔ جاؤ آنٹی کے لیے چائے پانی کا

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

انتظام کرو۔" امی نے مجھے بھگایا اور نظروں میں پیغام تھا۔ یہ چلی جائیں۔ میں تمہیں بتاتی ہوں۔

☆☆☆

"میں نے منع کیا ہے ناں تمہیں ان کے سامنے محلے کی کسی عورت کی بات نہ کرنا۔" امی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں نے کہاں کی، وہ خود کر رہی تھیں۔" ماہا منمنائی۔

"میں وہاں موجود تھی، ہزار مرتبہ کہا ہے۔ مت کیا کرو، ان کے سامنے۔ پر مجال ہے تمہارے کانوں میں جوں رینگے۔ جانتی ہو اب جس کے گھر جائیں گی، وہاں سب تمہاری باتیں کریں گی۔"

"پر امی! وہ خود بھی تو بول رہی تھیں اور ویسے بھی میرے سر میں جوئیں ہوں گی تو کان پہ رینگیں گی۔" میں نے اپنی صفائی پیش کی۔

"اپنا کہا کون بتاتا ہے، یہاں کا شربت شمو بھابھی کے راز فاش کرتا ہے تو جانتی ہو وہاں کی لسی یہاں کا کہنے پر مجبور کرتی ہے۔ ارے جو عورت اپنے گھر کی بیٹیوں کو نہ بخشے، وہ تمہیں بخش دے گی۔" امی نے ان کی بہوؤں کا حوالہ دیا۔

"امی صحیح کہہ رہی ہیں۔" سارہ نے تیل چھڑکنا ضروری سمجھا۔

"چھوڑیں امی! کسے سمجھا رہی ہیں آپ۔ سمجھنے کے لیے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے یہاں (کنپٹی کی طرف اشارہ کیا گیا) تلاش گمشدہ کا بورڈ آویزاں ہے۔"

شافین بھائی نے تیلی دکھائی پھر تو آگ بھڑکنی تھی۔ جس کے شعلے سارہ کے سر پر لگے جبکہ شافین بھائی نے منہ چڑاتے ہوئے کشن کیچ کر لیے۔

"چھوڑو لڑائی جب تم وہاں چلا کو ماسی سے گپ لگا رہی تھیں۔ تو ہم یہاں محلے کے کنجوسوں سے یعنی تہذیب آنٹی کی فیملی سے گوشت نکلوانے کا پلان کر رہے تھے سنو....." سارہ نے ہاتھ کھینچ کر مجھے برابر میں بٹھایا۔

☆☆☆

"دروازہ تو بجالو۔" سارہ نے مجھے کہنی سے پکڑ کر کھینچا۔

"نہیں بھئی، کیا پتا اینگری مین آئیں اور کہیں امی اسکول گئی ہوئی ہیں۔ ایک گھنٹے بعد آئیے گا اور ایک گھنٹے بعد جاؤ تو شوہر نامدار جلوہ افروز ہوں گے۔ بٹیا سو رہی ہیں، رات میں آنا۔ لو بھلا گھر آئے مہمان کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے اور اگر ینگ مین آئیں تو....." سارہ نے شرارت سے کہا۔

اور جب ہی دروازہ کھلا اور جو چہرہ سامنے آیا اس نے کہا۔

"امی اندر ہیں۔" دروازہ کھول کر اندر آنے کی اجازت دی۔ سارہ نے مجھے معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

"ارے ماہا بیٹی آئی ہے۔"

"تم شاید پہلی مہمان ہو جسے دیکھ کر اتنا خوش ہیں۔" سارہ میرے کان میں گھسی، میں نے سارہ کو کہنی ماری۔

"السلام علیکم آنٹی! کیسی ہیں؟"

"وعلیکم السلام! کیسے آئیں بیٹا؟"

"چل کر۔" کھجلی ہوتی زبان کو بمشکل سنبھالا۔

"آنٹی دراصل ہماری اکیڈمی نے، اس عید کے حوالے سے ایک انعامی مقابلہ رکھا ہے۔ جیتنے والے کو پرائز ملے گا۔"

پرائز کا سن کر ان کے منہ میں پانی آیا۔

"دراصل آنٹی! مقابلہ کچھ یوں ہے کہ عیدالاضحیٰ پر قربانی کے موقع پر جب ہم گوشت بانٹتے ہیں تو آپ کو اپنے عزیز و اقارب اور دوستوں کو گوشت دیتے وقت ایک سیلفی لینی ہے جو کہ عموماً آج کل فیشن بن گیا ہے پھر ان تصویروں کو فلاں نمبر پر سینڈ کر دینا ہے، جس کی تصویریں جتنی زیادہ ہوں گی اور ان کے شاپر میں موجود گوشت کی مقدار جتنی زیادہ ہوگی۔ وہ انعام کا حق دار ٹھہرے گا۔" سارہ نے ایک ہی سانس میں کہا۔

"لو بھلا۔ تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو۔" پرائز کا سن کر جو منہ کھلا تھا، مقابلے کی نوعیت سن کر خود بخود بند ہو گیا۔

"اس لیے آنٹی کہ ہمارے محلے میں سب سے زیادہ گوشت آپ بانٹتی ہیں تو ہم نے سوچا۔ پرائز

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

آپ کو ملنا چاہیے۔'' میں نے جھٹ جواب دیا۔

''اور آنٹی ان تصویروں میں سے چنی گئی ایک تصویر کو جب آپ پوسٹ پر لگائیں گی تو سوچیں کتنے لائکس آئیں گے۔ لوگ اتنی دریا دلی پر اچھے اچھے کمنٹس دیں گے تو آپ کے جاننے والے تو جل کر کوئلہ بن جائیں گے۔ ویسے بھی خواتین کو یہ رعایت ہے کہ وہ صرف دس جگہوں پر تقسیم کرتے وقت کی پکس سینڈ کریں۔'' میرے زرخیز دماغ نے جھٹ پلان بی پیش کیا اب تالیہ بنت مراد کی فین ہوں، کچھ تو اثر ہوگا نا۔

''تم نے یہ کیوں کہا کہ خواتین کو رعایت ہے۔'' سارہ نے ان کے گھر سے نکلتے ہی جرح کی۔

''کیونکہ کچھ بھی ہو جائے، وہ اپنا فریج خالی نہیں رکھنا چاہتیں۔ تم بے فکر رہو جن دس گھروں میں زیادہ مقدار میں گوشت آئے گا، ان میں ہمارا نمبر سب سے پہلے ہوگا۔'' میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''ویسے وہ لطیفہ تو پڑھا ہی ہوگا تم نے جس میں ایک آدمی علاقے میں کنواں کھدوانے کے سلسلے میں چندہ لینے آیا تھا تو کسی کنجوس نے ایک بالٹی پانی کی پیش کی تھی۔ مجھے لگتا ہے وہ تہذیب آنٹی ہی ہوں گی، ہاہاہا.....''

دونوں قہقہے لگاتی ہاتھ پہ ہاتھ مارتی اپنے گھر کا دروازہ عبور کر گئیں۔

☆☆☆

عید کی روایتی گہما گہمی اور مصروفیت میں بھی ہمارے ذہنوں سے مس تہذیب محو نہیں ہوئیں۔

''یار پچھلی دو عیدوں پر تو تقریباً ایک بجے ہی گوشت آ گیا تھا پر آج تین بجے بھی کوئی آثار ہی نظر نہیں آ رہے۔'' سارہ جو کہ پلیٹیں صاف کر کر کے رکھ رہی تھی، گھڑی دیکھ کر بولی۔

''ہر ایک بوٹی پر دس دس بار سوچیں گی پھر جا کر دل پر ہاتھ رکھ کر شاپر میں ڈالیں گی، تو اتنا ہی ٹائم لگے گا۔'' میں نے جیسے ان کے حال کی ترجمانی کی۔

''بندے کو اتنا بھی کنجوس نہیں ہونا چاہیے۔ ایک وہ ہستی جسے دنیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے جانتی ہے اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کیسے اللہ عزوجل کے حکم پر دونوں باپ بیٹا نے لبیک کہا اور ایک ہم ہیں۔ جانور کی قربانی دینے پر بھی جان خشک ہوتی ہے، دینی پڑتی اپنی اولاد کی قربانی تو جانے کیا حشر ہوتا۔'' سارہ نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

''بھئی اللہ پاک کی اتنی برگزیدہ ہستیوں کی تو بات ہی کچھ اور ہے، کہاں وہ اور کہاں ہم۔''

''تو ہمیں بھی تو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ ہم ان کی پیروی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کریں، اللہ تعالیٰ کا حکم مانیں۔'' سارہ جذباتی لہجے میں بولی۔ جب ہی کچن کم لاؤنج میں آنٹی کا چہرہ نمودار ہوا۔

''چلو بھئی ماہا! گوشت لو، مجھے اور جگہ بھی جانا ہے۔'' پھر روئے سخن سارہ کی جانب موڑا۔ ''سارہ جلدی سے میری اور ماہا کی سیلفی لو اچھی سی لوکیشن پر۔''

محترمہ سارہ کا ہاتھ کھینچتی کارنر پر لے گئیں، جہاں انڈور پلانٹس رکھے تھے۔

''بڑی بری بات ہے، تم نے بے چاری کو بے وقوف بنا دیا۔''

''امی! جب تک بننے والے ہیں، بنانے والے تو بنائیں گے۔''

میں نے امی کو آنکھ ماری۔ تصویر سے فراغت کے بعد کچن میں آئے۔ کچن سلیب پر قیمے کی ٹرے رکھے شافین بھائی نے وکٹری کا نشانہ بنایا۔

''اگر انہوں نے انعام کی بابت پوچھ لیا تو؟'' سارہ اپنے مذاق پر کچھ کچھ پچھتاتی نظر آئی۔

''تو کہہ دیں گے، وہ کوئی اور جیت گیا اور ویسے بھی یہاں نہ سہی وہاں تو انعام ملے گا ہی۔ بھلے انہوں نے دل پر بھاری سل رکھ کر گوشت تقسیم کیا ہو پر لینے والے کو تو علم نہیں ہے اس بات کا۔ غریب تو دعائیں ہی دے گا اور ان کے لیے ان دعاؤں سے بڑھ کر پرائز کیا ہوگا۔''

قارئین! آپ کو کیسا لگا، میرا آئیڈیا۔ ویسے انہوں نے آپ کے گھر بھیجے ڈبل گوشت کے پیکٹس۔

☆☆

حمیرا شفیع

# حاجی صاحب کا بیل

عید الاضحیٰ کی آمد آمد تھی۔ کشادہ سی پختہ گلی کے دونوں اطراف بنے ہوئے مکانوں میں سے تقریباً ہر تیسرے چوتھے گھر کے سامنے قربانی کے لیے کوئی نہ کوئی جانور بندھا ہوا تھا اور بچے بڑے سب ہی جانوروں کی سیوا میں مصروف تھے۔ جو لوگ ابھی تک جانور خرید نہیں پائے تھے یا خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، وہ دوسروں کے جانوروں سے ہی اپنا دل بہلا رہے تھے۔

گلی کے عین وسط میں سرخ اینٹوں سے بنا ایک مکان اپنے پرانے طرز تعمیر کی وجہ سے نمایاں نظر آتا تھا۔ سیاہ بڑے گیٹ کے داہنی طرف ''حاجی عبدالقدوس'' کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی اور بائیں جانب کافی نیچے ایک مضبوط آہنی کھونٹا گڑا تھا جو فی الحال خالی پڑا تھا۔ ذرا سا آگے چل کر گلی ایک ذیلی سڑک کی جانب مڑ جاتی تھی جہاں دودھ دہی کی دکان تھی اور ساتھ ہی ایک سبزی والے نے اپنا ٹھیلا سجا رکھا تھا۔ یوں تو ہمہ وقت ہی وہاں پر محلے بھر کی عورتوں اور بچوں کا رش سا لگا رہتا تھا مگر آج کل سبزی والے نے موقع — کی مناسبت سے جانوروں کا چارہ بھی رکھ لیا تھا۔ اس لیے خریداری کرنے والوں کا ہجوم معمول سے کچھ زیادہ تھا۔ اس وقت بھی عورتیں سبزی اور چارے کی خریداری کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ پر بھی تبصرہ فرما رہی تھیں۔

''اری صغریٰ! دیکھو ذرا۔ ماشاءاللہ سے اس بار بھی ہماری گلی میں قربانی کے جانور کیا خوب بہار دکھا رہے ہیں۔ عید کی برکت سے کیا رونق میلہ سا لگا ہوا ہے۔'' ایک خاتون نے اپنی پسند کی سبزی منتخب کرتے ہوئے دوسری سے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو باجی! مگر اس رونق میلے کو اصل چار چاند اس وقت لگیں گے جب حاجی صاحب اپنا جانور خرید کر لائیں گے۔''

دوسری خاتون نے بھی چاروں جانب طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے اپنی رائے پیش کی۔

''یہ بات تو واقعی ماننے والی ہے۔ ہر بار سب سے بڑھیا جانور ان ہی کا ہوتا ہے۔ اتنی محنت اور خواری کے بعد خرید کر لاتے ہیں۔ لگتا ہے ابھی تک

کوئی پسند نہیں آیا ہے۔ اس لیے ان کا کھونٹا خالی پڑا ہے۔'' پہلی والی نے مزید گل افشانی کی۔

اس سے پہلے کہ وہ حاجی صاحب کے گزشتہ جانوروں اور آئندہ خریدے جانے والے جانور کے بارے میں مزید گفتگو فرماتیں، دوسری جانب سے ایک عورت کی چیخ نما آواز پر ادھر متوجہ ہوگئیں۔

''اری شنو! یہ کیا کر رہی ہو؟ خریدنے تو تم اپنی بکری کے لیے چارہ آئی ہو مگر جب سے آئی ہو مسلسل مٹر چھیل چھیل کر کھائے جا رہی ہو۔ یہ تو بے ایمانی ہے، نری بے ایمانی.....''

اب شنو بیگم جن پر یہ الزام دھرا گیا تھا، کرنٹ کھا کر اچھلیں۔ جلدی جلدی مٹر کے دانوں کو حلق سے اتارا اور مخاطب خاتون کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے بولیں۔

''ہائے میرے اللہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو آپا؟ کیسی بے ایمانی؟ فقط دو ہی مٹر کھائے ہیں۔ تم نے اتنا بڑا الزام لگا دیا۔ یہ دکان دار بھی تو سامنے دیکھ ہی رہا ہے۔''

''بھلے سے دکان دار دیکھ رہا ہو۔ ہر چیز کے دام ہوتے ہیں۔ انسان جو چیز خریدنے آئے، صرف اسی سے واسطہ رکھے۔ یہ کیا کہ کبھی گاجر کترنی شروع کردی اور کبھی کھیرا اٹھا کر چپکے سے ٹوکری میں گرالیا۔'' پہلی والی نے شنو بیگم کی مزید کھنچائی کی۔

دکان دار عورتوں کی ایسی چھوٹی موٹی جھڑپوں کا عادی تھا۔ اس لیے بڑے سکون سے سبزی تولتے ہوئے بولا۔

''ارے باجیو! چھوڑو۔ کس بحث میں پڑ گئی ہو۔''

''سنو بھیا! یہ آپا جو مجھے دو مٹر کھانے پر بے ایمان کہہ رہی ہے، خود یاد ہے نا کہ پرسوں تین پاؤ کریلے خرید کر آدھا کلو کے پیسے کٹا کر چلتی بنی تھی۔'' شنو بیگم کے تو تن بدن میں آگ سی لگی ہوئی تھی، فوراً جوابی حملہ کرنے میں دیر نہ کی۔

''حساب کتاب میں تو بڑے بڑوں سے غلطی ہوجاتی ہے۔ میں اگلے ہی دن باقی پیسے لوٹا بھی تو گئی تھی۔ کیوں بھائی صاحب؟'' پہلی والی وضاحت کرتے ہوئے پھنکاری۔

دکان دار نے جب اچھے خاصے ٹھنڈے میٹھے ماحول کو یوں جنگ و جدل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گیا اور مصالحانہ انداز میں بولا۔

''میری بہنو! آپ لوگوں کی اپنی دکان ہے۔ غصہ تھوک دو۔ جانے دو۔ یہ دیکھو ذرا، میں آپ لوگوں کے لیے سبزی منڈی سے آج خاص طور پر چن چن کر تازہ بھنڈیاں اور شملہ مرچیں لایا ہوں۔'' وہ مختلف بوریوں کے منہ کھولنے لگا۔

☆☆☆

وسیع و عریض ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں دھرے پلنگ پر حاجی عبدالقدوس صاحب تشریف فرما تھے اور نہایت سکون سے سامنے لگی ایل ای ڈی پر کرکٹ کا میچ دیکھ رہے تھے۔ بیگم صاحبہ ٹرے میں شربت سے بھرا جگ اور گلاس رکھے اندر داخل ہوئیں اور ان کے اس درجہ اطمینان پر ناک بھوں چڑھائی اور ٹرے کو ٹیبل پر ذرا زور سے پٹختے ہوئے بولیں۔

''اجی! میری بھی سنیے۔ قربانی کے جانور کی کچھ فکر ہے یا نہیں۔ آخر کب خریدنے جائیں گے۔ گلی محلے والوں نے پوچھ پوچھ کر ناک میں دم کر رکھا ہے کہ حاجی صاحب ابھی تک اپنا جانور کیوں نہیں لائے ہیں۔''

بیگم صاحبہ کی کرخت آواز نے سارا مزا کرکرا کردیا۔ حاجی صاحب نے بامشکل اسکرین سے نظریں ہٹائیں اور جھنجلا کر بولے۔

''بیگم! تم تو ہر وقت جلتے توے پر بیٹھی رہتی ہو۔ گیا تو تھا میں زین کے ساتھ، دو چار بار منڈی۔ کوئی ڈھنگ کا جانور نہیں ملا تو اب کیا کروں؟''

''آخر آپ جانور پسند کرنے میں اتنی دیر کیوں لگاتے ہیں۔ اتنی دیر تو آپ نے اپنا داماد پسند کرنے میں بھی نہیں لگائی تھی۔'' وہ چڑ کر بولیں۔ ان کی مثال پر وہ قہقہہ لگاتے ہوئے گویا ہوئے۔

''کمال کرتی ہو بیگم! یہاں داماد کا بھلا کیا تذکرہ..... آج کل منڈی کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ مالکوں نے جانوروں کو اچھا کھلایا پلایا ہی نہیں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہے۔ اتنے لاغر سے دکھتے ہیں اور قیمتیں آسمانوں سے باتیں کررہی ہیں۔ خاص طور پر بڑے جانوروں کے دام سن کر تو بندے کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔"

"ضروری تو نہیں ہے کہ ہر بار ہم بڑے جانور کی ہی قربانی کریں۔ آپ کوئی چھوٹا کیوں نہیں دیکھ لیتے..... خود ہی تو کہتے ہیں کہ لاک ڈاؤن کی وجہ سے کاروبار خسارے میں جارہا ہے۔"

"بیگم! تم عورتیں بھی عجیب ہو۔ سارا سال کپڑوں، جوتوں پر لاکھوں خرچ کرتی ہو مگر جب سال بعد قربانی کی باری آتی ہے تو ساری بچتیں یاد آجاتی ہیں۔" وہ بھڑک اٹھے۔ ان کی تجویز سخت ناگوار گزری۔

"میں تو آپ کے فائدے کے لیے کہہ رہی ہوں اور بھی بہت سے خرچے آرہے ہیں۔ عید کے فوراً بعد بھائی صاحب کی بچی کی رخصتی ہے، وہاں بھی کچھ دینا ہوگا۔ آخر اکلوتے چچا ہیں آپ۔" وہ دور اندیشی سے بولیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیگم! مگر اس کا بندوبست میں پہلے سے کرچکا ہوں۔ بھائی صاحب سے کہہ دیا تھا کہ فریج میری طرف سے ہوگا۔ اس کے لیے ایڈوانس رقم جمع کروادی ہے۔ کچھ پیسے محفوظ رکھے ہیں۔ تم دو چار جوڑے دولہا دلہن کے واسطے تیار کروالینا۔

اور جہاں تک قربانی کے جانور کی بات ہے تو ہمیشہ سے ہمارے گھرانے کی یہ روایت رہی ہے کہ بڑا جانور ہی قربان کیا جاتا ہے۔ ہمارے ابا مرحوم اور اس سے پہلے ہمارے دادا مرحوم چھانٹ کر عمدہ نسل کا بیل، گائے یا پھر کٹا وغیرہ خرید کر لاتے تھے۔ ان شاء اللہ ہم اس بار بھی بڑا جانور ہی قربان کریں گے۔ بس تم دعا کرو کہ کوئی مناسب داموں میں عمدہ سا مل جائے۔ باقی کا وقت تھوڑی تنگی ترشی میں بھی گزر جائے تو خیر ہے۔"

انہوں نے بحث سمیٹی اور دوبارہ میچ دیکھنے لگے۔

☆☆☆

دوپہر کے تقریباً دو بج چکے تھے۔ سورج زمین پر آگ برسا رہا تھا۔ تمام گھر والے کھانے کے بعد ائیر کولر لگا کر محو استراحت تھے جبکہ ماہین کچن میں سنک کے سامنے کھڑی برتنوں کا ایک پہاڑ دھو رہی تھی۔ نہ جانے صبح اور رات کے کھانے کی نسبت ہمیشہ دوپہر میں ہی اتنے ڈھیروں ڈھیر برتن کیوں جمع ہوجاتے تھے جو اکثر اسے ہی دھونے پڑتے تھے اور آج کل تو ویسے ہی برتنوں اور کپڑوں کی دھلائی کا زیادہ تر کام اسے ہی کرنا پڑ رہا تھا کیونکہ اس سے بڑی سبین کی شادی قریب تھی اور اماں اسے زیادہ پانی میں ہاتھ ڈالنے نہیں دیتی تھیں تاکہ اس کی جلد خراب نہ ہو۔ خدا خدا کرکے برتن ختم ہوئے۔ اس نے تولیہ سے ہاتھ پونچھے اور واپس پلٹی تو سامنے سلیب پر پڑے ایک بڑے سے سفید باؤل کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ ابھی جب اس نے تمام برتن سمیٹ کر سنک میں ڈالے تھے تو اس وقت تو یہ باؤل یہاں پر نہیں تھا۔ اس نے جھٹ لپک کر ڈھکن اٹھایا۔ گرما گرم کڑھی سے اٹھتی سوکھی میتھی اور گرم مسالے کی خوشبو سارے میں پھیل گئی۔

اس نے متلاشی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھا۔ کچن کے دروازے کے پاس ایک بڑی سی کھڑکی تھی جس پر اندرونی جانب دھوپ کا راستہ روکنے کے لیے زمین تک پردہ لٹک رہا تھا۔ اوپر جہاں پردے کی راڈ ختم ہورہی تھی، اسے کسی کا سیاہ بالوں والا چہرہ بھر سر نظر آیا۔ اس کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور لب بے اختیار مسکرا اٹھے۔

"زین العابدین! شرافت سے باہر آجاؤ۔ میں نے تمہیں ڈھونڈ لیا ہے۔"

زین پردہ ہٹا کر تالیاں بجاتا ہوا برآمد ہوا۔

"واہ بھئی! کیا کہنے آپ کی چشم دیدہ کے۔ فوراً ڈھونڈ لیتی ہو۔ ذرا دیر کے لیے ماحول میں سسپنس برقرار نہیں رہنے دے سکتی تھیں۔"

"تم بھی تو ہر بار بھول جاتے ہو کہ اب تم پانچ چھ سال کے بچے نہیں ہو بلکہ چھ فٹ کے ہٹے کٹے جوان ہو اور ہمارا یہ پردہ بے چارہ تمہارے تاڑ سے قد کو کیسے چھپا سکتا ہے۔"

"ہائے کیا یاد دلائے آپ نے ہمارے بچپن کے دن۔ کبھی برتنوں والی الماری کے پیچھے چھپ جاتے تھے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

اور کبھی ڈائننگ ٹیبل کے نیچے گھس جاتے تھے۔"

"اور پھر جب پکڑے جاتے تو ابا سے خوب مار کھاتے تھے۔" ماہین نے مزید لقمہ دیا تو چچا کے نام پر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ فوراً بات بدل کر بولا۔

"اماں جان نے یہ کڑھی آپ لوگوں کے لیے بھجوائی تھی۔ گھر کا گیٹ کھلا تھا۔ سامنے کوئی نظر نہیں آیا۔ تم برتنوں پر اپنا غصہ اتار رہی تھیں، اس لیے میں سیدھا یہیں چلا آیا۔"

"اوہو..... گھر کا گیٹ کھلا تھا؟" وہ چونکی۔

"شاید ابا باہر گئے ہیں۔ اماں اور سبین صبح سے مارکیٹ گئی ہوئی تھیں، تھکی ہوئی تھیں۔ کھانا کھا کر لیٹ گئیں۔ تم سناؤ، چچا جان نے قربانی کا جانور خرید لیا ہے؟"

"ابھی کہاں خریدا ہے۔ دو تین بار میرے ساتھ منڈی کا چکر لگایا ہے۔ فی الحال تو انہیں کوئی پسند ہی نہیں آ رہا۔" وہ مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟ کیا قربانی نہیں کریں گے؟" وہ اچنبھے سے پوچھنے لگی۔

"قربانی کیوں نہیں کریں گے۔ ضرور کریں گے۔ اگر کوئی جانور پسند نہ آیا تو ہو سکتا ہے وہ میری ہی کر دیں۔" وہ مسخرے پن سے بولا۔ تو وہ دہل گئی۔

"اللہ نہ کرے..... کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

☆☆☆

عبدالحمید صاحب اور عبدالقدوس صاحب فقط دو ہی بھائی تھے۔ عبدالحمید صاحب کی دو بیٹیاں سبین اور ماہین تھیں۔ بیگم کا نام صادقہ تھا جو کہ نہایت سلیقہ مند اور ہنر مند خاتون تھیں۔

عبدالقدوس صاحب کے تین بچے تھے۔ بیٹی ماہ رخ اور دو بیٹے زین العابدین اور حامد۔ ان کی بیگم کا نام شگفتہ بانو تھا اور وہ اپنے نام کی مانند ہی شگفتہ مزاج تھیں۔

ان کی بیٹی ماہ رخ اگرچہ سبین اور ماہین کی ہم عمر تھی مگر اچانک ایک بہت اچھا رشتہ ملنے پر دونوں میاں بیوی نے اسے کم عمری میں ہی بیاہ دیا تھا جو کہ آج کل اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ شارجہ میں مقیم تھی۔ پھر چھوٹے دونوں بیٹے زین العابدین اور حامد ابھی زیر تعلیم تھے۔

چند سال پہلے دونوں بھائیوں کا مشترکہ خاندانی کاروبار تھا۔ والد مرحوم نہایت محنتی اور جفاکش انسان تھے۔ مرتے وقت دکان کی چابیاں بڑے ہونے کی حیثیت سے عبدالحمید صاحب کے سپرد کر کے گئے تھے اور ساتھ ہی ماں کا خیال رکھنے اور چھوٹے بھائی سے حسن سلوک کی تلقین کی تھی جو کہ ان دنوں ابھی زیر تعلیم تھے۔

عبدالحمید صاحب شروع سے ہی کچھ لاابالی اور غیر ذمہ دارانہ فطرت کے مالک تھے۔ باپ کی زندگی میں تو ان کے ڈر سے مارے باندھے دکان پر چلے ہی جاتے تھے۔ اگرچہ ابا جان کاروباری معاملات میں ان کی عدم دلچسپی اور لاپروائی پر اکثر ہی سرزنش کرتے رہتے تھے مگر ان کے آنکھیں موندتے ہی جیسے انہیں کھلی چھوٹ مل گئی۔ صبح گیارہ بارہ بجے بامشکل اٹھ کر دکان پر جاتے اور وہاں بھی ہمہ وقت یار دوستوں کا میلہ سا لگائے رہتے۔ نتیجتاً چند دنوں میں ہی جما جمایا کاروبار ڈوبنے لگا۔ جب آمدنی کافی حد تک گھٹ گئی تو اماں جان کو بے حد تشویش ہوئی۔ ان ہی کی درخواست پر عبدالقدوس صاحب اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر دکان پر جانا شروع ہو گئے۔ پرانا حساب کتاب کھولنے پر یہ ہولناک انکشاف ہوا کہ سارا کاروبار ہی ادھار پر چل رہا تھا۔ وصولی کی مد میں رقم بے حد نا کافی تھی۔

باپ کے پھلتے پھولتے کاروبار کی یہ دگرگوں حالت دیکھ کر وہ سخت رنجیدہ ہوئے اور پھر اماں جان کے مشورے سے باقاعدگی سے دکان پر جانے لگے۔ کاروبار میں یوں اچانک ان کی شمولیت پر عبدالحمید صاحب کا تو جو ردعمل ہونا تھا سو ہونا تھا ان کے یار دوست سخت چیں بہ چیں ہوئے کیونکہ وہ دکان پر سارا دن بیٹھ کر گپیں ہانکتے تھے اور عبدالحمید صاحب کے کھاتے سے کھاتے پیتے تھے جبکہ اب عبدالقدوس صاحب کی موجودگی میں یہ ناممکن تھا۔ انہوں نے عبدالحمید صاحب کے چھوٹے بھائی کے خلاف کان بھرنے شروع کر دیے۔ وہ تو پہلے ہی عقل کے اندھے تھے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بھائی کی دن رات کی محنت اور جانفشانی تو نظر نہیں آتی تھی، ہاں ان کی جائز روک ٹوک کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے تھے۔

دوسری طرف عبد القدوس صاحب ان کے مخاصمانہ رویے کے باوجود مسلسل محنت اور جدوجہد میں مصروف رہے، یہاں تک کہ وہ کاروبار کو کافی حد تک بہتری کی جانب لے آئے۔ کاروباری حالات سازگار ہوتے ہی اماں جان نے یکے بعد دیگرے ان کی شادیاں کردیں۔

جوں ہی وہ اس دارِفانی سے کوچ کر گئیں تو عبد الحمید صاحب کا رہا سہا ڈر بھی جاتا رہا۔

انہوں نے نادان دوستوں کے مشورے سے کاروبار اور گھر میں اپنا حصہ طلب کرلیا۔ عبد القدوس صاحب ششدر رہ گئے کیونکہ وہ تو ابھی کاروبار میں سے یکمشت اتنی بڑی رقم نکالنے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ انہوں نے بھائی سے درخواست کی کہ وہ چند سال تک الگ نہ ہوں مگر عبد الحمید صاحب اب ان کے ساتھ ایک قدم بھی نہ چلنا چاہتے تھے۔ آخرکار انہیں ان کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔ کچھ انہوں نے بیگم کا زیور بیچا، کچھ سسرال والوں سے مدد مانگی، کچھ دوست احباب سے قرض لیا اور عبد الحمید صاحب کو ان کا حصہ دے دلا کر فارغ کیا۔ اب وہ پھر اک طرح سے وہ زیرو پر کھڑے تھے۔ خیر انہوں نے ہمت نہ ہاری اور دوبارہ محنت و مشقت میں جت گئے۔

دوسری طرف عبد الحمید صاحب یک مشت اتنی رقم پاکر پھولے نہ سما رہے تھے۔ ان کے ناعاقبت اندیش دوستوں نے انہیں ٹرانسپورٹ کا کاروبار کرنے کا مشورہ دیا حالانکہ وہ اس قسم کے کاروبار کی کوئی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی کوئی سابقہ تجربہ پاس تھا۔ وہ تو اب تک اپنے خاندانی کاروبار کی ہی الف ب سے واقف نہ ہوپائے تھے بھلا ٹرانسپورٹ جیسے مشکل بزنس سے کیسے نبرد آزما ہوسکتے تھے۔

دوستوں کے مشورے پر انہوں نے دو ویگنیں خرید لیں۔ ایک ڈرائیور کے حوالے کی اور دوسری خود چلانے لگے۔

ڈرائیور بھی کسی دوست کی معرفت سے انجان شخص کو بھرتی کیا تھا۔ اس نے چند دن تو کچھ منافع دیا، پھر اچانک ویگن سمیت فرار ہوگیا۔ بہت دوڑ بھاگ کی۔ پولیس میں رپورٹ درج کروائی مگر کچھ نہ بنا۔ اسی پریشانی میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ خود حادثہ کا شکار ہوگئے۔ جان تو بچ گئی مگر ویگن تباہ و برباد ہوگئی۔

ان کی بیوی صادقہ ایک حساس خاتون تھیں۔ اپنے میاں کی سیماب صفت فطرت سے بخوبی آگاہ تھیں۔ انہوں نے ایک سلائی سینٹر میں ملازمت کرلی۔ پھر سبین اور ماہین بھی بہت سمجھ دار بچیاں ثابت ہوئیں۔ انہوں نے بھی ماں کا ساتھ دیا۔ دونوں شام کو مل کر ایک ٹیوشن اکیڈمی چلاتی تھیں۔ یوں گھر کا چولہا ٹھنڈا نہ ہونے پایا۔

عبد القدوس صاحب بھی شبانہ روز محنت سے آخرکار اپنے کاروبار کو سنبھالا دینے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ بڑے بھائی کے اناؤلے پن نے انہیں جو نقصان پہنچایا تھا، وہ کسی نہ کسی حد تک اس کا ازالہ کرچکے تھے۔ اس سب کے باوجود انہوں نے بھائی کے گھرانے سے قطع تعلقی نہ کی بلکہ اکثر ان کی مالی مدد کرتے رہتے تھے حالانکہ عبد الحمید صاحب کا رویہ ہنوز ان کے ساتھ سرد سا تھا جیسے الٹا وہ ان ہی کو اپنے حالات کا ذمہ دار سمجھتے ہوں۔

☆☆☆

دونوں گھرانوں کے اہل خانہ کے مابین (سوائے عبد الحمید کے) اچھے خاصے خوش گوار تعلقات تھے۔

عبد القدوس صاحب کو اپنی دونوں بھتیجیوں سبین اور ماہین سے بہت پیار تھا۔ انہوں نے تو مستقبل کے لیے بھی دل ہی دل میں منصوبہ بندی کر رکھی تھی حالانکہ ان کا زین عمر میں دونوں بہنوں سے چھوٹا تھا مگر اپنے مضبوط قد کاٹھ کی وجہ سے یہ فرق نمایاں نظر نہیں آتا تھا اور وہ خود بھی چند سال کے فرق کو کوئی اہمیت دینے پر تیار نہ تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ دل کی بات زبان پر لا پاتے یہاں بھی عبد الحمید صاحب کی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

خودساختہ انا آڑے آ گئی۔ انہوں نے بالا ہی بالا سبین کا رشتہ اپنے دوست کے بیٹے سے طے کر دیا۔ بھائی سے مشورہ تو درکنار بتانا تک مناسب نہ سمجھا۔ وہ سخت رنجیدہ ہوئے پھر اپنی بھابھی صادقہ کی درخواست پر انہوں نے ذاتی طور پر بھی چھان بین کی تو رشتہ معقول پایا۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے بھابھی پر واضح کر دیا کہ وہ ماہین کے لیے زین کا سوچے بیٹھے ہیں۔ وقت آنے پر وہ ان کے ساتھ مل کر عبدالحمید صاحب کو رضامند کرنے کی کوشش کریں۔

صادقہ بیگم کے لیے اس سے زیادہ تسلی آمیز اور کیا بات ہو سکتی تھی مگر وہ اپنے میاں کی ہٹ دھرم طبیعت سے خائف تھیں اور سوائے دعا کرنے کے اور کیا کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

حاجی عبدالقدوس صاحب آج پھر زین کے ہمراہ قربانی کا جانور خریدنے منڈی تشریف لائے ہوئے تھے۔ یوں تو ہر طرف مختلف رنگ و نسل کے سینکڑوں جانور موجود تھے مگر کوئی بھی حاجی صاحب کے مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اتر رہا تھا۔ وہ کافی دیر سے گھوم پھر رہے تھے اور اب زین کافی جھنجلایا ہوا تھا۔ اسے تو ایک دو بکرے بہت بھائے تھے اور اس نے دبی زبان سے حاجی صاحب سے کہا بھی تھا کہ اس بار کوئی چھوٹا جانور خرید لیں مگر انہوں نے اسے بری طرح سے جھڑک دیا۔

اب وہ دونوں باپ بیٹا تھکے تھکے سے منڈی کے ایک کونے میں کھڑے تھے۔ حاجی صاحب طائرانہ نظروں سے ادھر اُدھر کا جائزہ لینے میں مصروف تھے جبکہ زین منہ پھلائے ذرا ہٹ کر کھڑا تھا۔ اچانک دوسرے کونے سے ایک شور سا اٹھا۔ چند چھوٹے بڑے جانوروں کا ایک ریوڑ منڈی میں داخل ہوا۔ اس میں ایک موٹا تازہ بیل بھی تھا۔ اسے دیکھ کر حاجی صاحب کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی۔ فوراً زین کا ہاتھ تھامے اس جانب لپکے۔

بیل واقعی نہایت شان دار تھا۔ وہ مکمل طور پر گہرے براؤن کلر کا تھا۔ صرف اس کی دم سیاہ تھی۔ موٹی موٹی آنکھوں کے اردگرد نہایت خوب صورتی سے سیاہ حاشیے بنے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے بیل نے چشمہ پہن رکھا ہو۔

''کیوں بھئی، کیسا ہے؟'' حاجی صاحب نے بیل کے جسم پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پرمسرت لہجے میں زین سے پوچھا۔

''بہت خوب ابا جان! کلر اسکیم تو بہت اچھی ہے۔'' زین بھی بیل کو پسندیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

مگر جب حاجی صاحب نے مالک سے قیمت پوچھی تو جو اس نے بتائی اس کو سن کر دونوں باپ بیٹے کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

''ارے یہ تم اس بیل کی قیمت بتا رہے ہو یا پھر ون ٹو فائیو موٹر سائیکل کی..... یا پھر کسی سوزوکی کار کی۔'' زین چیخا۔

اتنے پیسے تو وہ اپنی جیب میں رکھ کر بھی نہ لائے تھے۔ حاجی صاحب کا تو خیال تھا کہ وہ جتنے پیسے لائے تھے، اس میں سے کچھ بچا کر بھی لے جائیں گے اور جانور بھی خرید لیں گے۔ مگر اب تو مزید کی ضرورت تھی۔ انہوں نے بہت بحث مباحثہ کیا مگر مالک ٹس سے مس نہ ہوا۔ بامشکل چند ہزار ہی کم کرنے پر تیار ہوا۔ اسی دوران حاجی صاحب کے ایک پرانے واقف کار بھی مل گئے۔ انہیں بھی جانور بے حد پسند آیا۔ آخرکار حاجی صاحب نے اس واقف کار سے کچھ پیسے ادھار پکڑے اور اپنے والے سارے ملا کر بیل کا سودا کر لیا۔

خریداری کا مرحلہ طے ہوا تو باپ بیٹا تھوڑے پرسکون ہوئے۔ اب بیل کو گھر لے جانے کا مشکل مرحلہ سامنے تھا۔

اڈا قریب ہی تھا۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ بیل کو ہانک کر اڈے تک لے جایا جائے پھر کسی سواری میں ڈال کر گھر پہنچایا جائے۔ بیل بھی کچھ شریف ہی معلوم ہو رہا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مالک نے اس کی رسّی ان کے حوالے کی۔ وہیں سے زین نے ایک ڈنڈا تھام لیا اور حاجی صاحب نے بیل کی رسّی اپنے بازو سے لپیٹ لی۔ دونوں باپ بیٹا خوش خوش بیل کو ہانکے لیے جا رہے تھے کہ اچانک سامنے سے دو عورتیں گزریں۔ ان میں سے ایک نے سرخ رنگ کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اب بیل یا تو سرخ رنگ سے الرجک تھا یا پھر سرخ رنگ سے اس کی کوئی تلخ یاد وابستہ تھی۔ وہ چلتے چلتے اچانک رک گیا۔

زین نے ایک آدھ ڈنڈا بھی رسید کیا مگر بیل اپنی جگہ پر جم کر کھڑا رہا۔ پیچھے سے ایک موٹر سائیکل سوار آ رہا تھا۔ اس نے تنگ آ کر زور سے ہارن بجایا۔

ہارن کی آواز سن کر بیل کرنٹ کھا کر اچھلا اور اس نے سرپٹ بھاگنا شروع کر دیا۔ حاجی صاحب اس اچانک افتاد سے بوکھلا گئے۔ ان کے بازو کے پر رسّی لپٹی ہوئی تھی۔ جھٹکا لگنے پر وہ نیچے گر پڑے اور جب بیل نے بھاگنا شروع کیا تو وہ بھی زمین پر اس کے پیچھے گھسٹتے چلے گئے۔

اب صورت حال یہ تھی کہ زین ڈنڈا تھامے ان کے پیچھے بھاگتا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ کہتا جا رہا تھا کہ ”ابا جان رسّی چھوڑ دیں..... ابا جان رسّی چھوڑ دیں۔“

اب حاجی صاحب بے چارے تو رسّی چھوڑنا چاہ رہے تھے مگر وہ بری طرح ان کے بازو سے لپٹ گئی تھی۔ وہ مسلسل ٹوٹی پھوٹی سڑک پر گھسٹتے چلے جا رہے تھے۔ انہیں بہت خراشیں آ چکی تھیں اور خون بھی رسنا شروع ہو چکا تھا

آخر کار آس پاس کے چند دکان دار اور کچھ جی دار راہ گیر عین بیل کے سامنے سڑک پر کھڑے ہو گئے۔ جب بیل کی رفتار کم ہوئی تو دو تین نے مل کر اسے قابو کر لیا۔ کچھ نے اس کے سینگ تھام لیے۔ اتنے میں ہانپتا کانپتا زین بھی آ پہنچا۔ فوراً حاجی صاحب کے بازو کو رسّی سے آزاد کیا، وہ تقریباً نیم بے ہوش تھے۔ لوگوں نے مل کر بینچ پر ڈالا۔ پانی وغیرہ پلایا۔ کچھ حواس بحال ہوئے تو زین نے گھر فون کر کے حامد کو بلوایا۔ وہ فوراً چند دوستوں کے ہمراہ جائے وقوع پر پہنچا۔ پھر زین نے بیل اس کے حوالے کیا کہ وہ سوزوکی وغیرہ میں گھر لے جائے اور خود حاجی صاحب کو سہارا دے کر نزدیکی ہسپتال لے کر آیا۔ ڈاکٹر نے فوراً درد کش انجکشن وغیرہ لگائے۔ کچھ گولیاں کھلائیں۔ زخموں کی مرہم پٹی کی۔ بازو کا ایکسرے ہوا۔ وہ فریکچر سے تو بچ گئے تھے مگر جوڑ بری طرح سے ہل گیا تھا۔ اس کو پلستر لگایا گیا۔

جب وہ نڈھال سے شام ڈھلے گھر پہنچے تو چھوٹے بڑے سب ہی ان کے بیل کے اردگرد جمع تھے۔ کچھ سیلفیاں بنا رہے تھے اور کچھ ویڈیو بنا رہے تھے۔

ان کا سینہ فخر سے تن گیا اور تکلیف کا اثر کافی حد تک زائل ہو گیا۔

رات گئے تک رش لگا رہا۔ واقعہ کا علم ہونے پر اہل محلہ بیل کی زیارت کے ساتھ ساتھ ان کی عیادت کا فریضہ بھی سرانجام دے رہے تھے۔

اتنے میں ان کے دیرینہ دوست طفیل صاحب (جو پچھلی گلی میں رہتے تھے) وہ بھی چلے آئے۔

”مبارک ہو حاجی! ماشاء اللہ سے نہایت عمدہ جانور ہے۔ اس بار بھی تم ہی فرسٹ آئے ہو۔“

”خیر مبارک۔ بھائی صاحب۔“ وہ عاجزی سے مسکرائے۔

”بہت عمدہ ہے مگر بدتمیز بھی بہت ہے۔ بازو کا جوڑ ہلا کر رکھ دیا ہے۔“ وہ پلستر چڑھے بازو پر ہاتھ رکھ کر کراہے۔

”دراصل میرا بیٹا بھی آسٹریلیا سے عید کرنے آ رہا ہے۔ بچوں نے آپ کے بیل کی تصویریں اسے بھی واٹس ایپ کر دی ہیں۔ اب اس کے بچے ضد کر رہے ہیں کہ دادا ابو ان کے لیے ایسا ہی بیل خرید کر لائیں۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ آپ کو لے کر کل منڈی جاؤں گا مگر آپ نے تو چوٹ لگوا لی ہے۔“ طفیل

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

صاحب تفصیل سے بتا رہے تھے۔

''کوئی بات نہیں بھائی صاحب! آپ کے ساتھ زین چلا جائے گا۔'' وہ زین کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور زین بے چارہ فقط فرماں برداری سے سر ہلا کر رہ گیا۔

☆☆☆

سبین کی شادی میں فقط چند ہی روز رہ گئے تھے۔ عید سے دو روز قبل مہندی تھی اور عید کے تیسرے روز رخصتی اور اس سے اگلے دن ولیمہ تھا۔

صادقہ بیگم سوٹ کیس کھولے جہیز کی مختلف چیزوں کا جائزہ لیتے ہوئے سوچوں کے بھنور میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ایک ایسی عورت کے لیے جس کا شوہر کوئی بھی کام ٹک کر نہ کرتا ہو، اپنی بچی کا سادہ سا جہیز تیار کرنا کتنا کٹھن کام ہے، یہ وہ بخوبی جانتی تھیں۔ وہ تو اللہ بھلا کرے ان کے دیوار حاجی عبد القدوس صاحب کا جنہوں نے کچھ بھاری اخراجات کا ذمہ اٹھالیا تھا حالانکہ لاک ڈاؤن کی وجہ سے ان کے کاروباری حالات بھی دگرگوں چل رہے تھے۔ کچھ ان ماں بیٹیوں نے دن رات سلائی، کڑھائی کر کے اور چھوٹے بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر کچھ رقم جمع کی تھی جس سے کراکری وغیرہ خریدی گئی تھی۔

تھوڑا سا ان کے پاس پرانا زیور موجود تھا اور کچھ جمع پونجی، وہ اس میں ملا کر ہلکا سا ایک سونے کا سیٹ بھی بنوانے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔ اگرچہ لڑکے والوں کی طرف سے ایسا کوئی واضح مطالبہ تو سامنے نہیں آیا تھا پھر بھی انسان جس معاشرے میں رہتا ہے، اس کے رسوم و رواج سے بالکل بھی صرف نظر نہیں کر سکتا۔ کچھ نہ کچھ ریت نبھانی ہی پڑتی ہے۔

''امی جان! کیا سوچ رہی ہیں؟''

ماہین اندر داخل ہوئی تو ان کو کھویا کھویا سا دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''ارے بٹیا! کچھ نہیں۔ دعا کرو سبین کی شادی خیر خیریت سے ہو جائے۔ دل کو ایک عجیب دھڑکا سا لگا ہوا ہے۔'' وہ دھیمی آواز میں بولیں۔

''امی جان! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ان شاء اللہ سب کچھ بہت اچھے سے ہو جائے گا۔ میں تو آپ سے یہ کہنے آئی تھی کہ شام کو ہمارے ساتھ پارلر چلیں۔ سبین کا ایک فیشل ہونا بہت ضروری ہے۔''

''ارے نہیں بٹیا! مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ تم زین کو فون کر دو۔ وہ تم دونوں بہنوں کو لے بھی جائے گا اور لے بھی آئے گا۔'' وہ سوٹ کیس کا لاک بند کرتے ہوئے بولیں۔

''ہاں یاد آیا، اپنے ابا کو فون کر دو کہ واپسی پر جیولر کی شاپ سے زیورات والا ڈبا اٹھا لائیں۔ اس نے آج کی تاریخ دی ہوئی ہے۔''

''جی اچھا اماں۔ ابھی کرتی ہوں۔'' ماہین عجلت میں باہر نکل گئی۔

☆☆☆

شگفتہ بیگم تھکی ہاری بازار سے لوٹی تھیں۔ ہاتھوں میں مختلف شاپنگ بیگز تھام رکھے تھے جو انہوں نے سامنے پڑی ٹیبل پر ڈھیر کر دیے اور خود چادر اتار کر پنکھے کے نیچے بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''حاجی صاحب! مت پوچھیں۔ بازار میں اس قدر رش تھا کہ جیسے لوگ اپنی زندگی کی آخری شاپنگ کر رہے ہوں۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی اور مہنگائی اس قدر کہ مانو ہر چیز کو آگ لگی ہوئی تھی۔

آپ نے جو رقم دی تھی نا تو اس میں سے دلہا دلہن کے یہ چند جوڑے لائی ہوں۔'' وہ شاپر کھول کھول کر دیدہ زیب سوٹ دکھانے لگیں۔

''اچھے ہیں۔ آج شام جا کر بھائی صاحب کے ہاں دے آنا۔ وہ لوگ پیک کر لیں گے۔'' انہوں نے سرسری سا جائزہ لیا اور پھر اپنے موبائل میں گم ہو گئے۔

''بات سنیں ذرا۔ وہ میں یہ کہہ رہی تھی کہ میرے جھمکے بہت پرانے ہو گئے ہیں۔ تھوڑے سے پیسے مجھے بھی دے دیں۔ نئے بنوالوں۔ آخر دلہن کی چچی ہوں میں۔''

وہ قدرے خوشامد سے بولیں۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

"کمال کرتی ہو بیگم!" وہ تڑپ اٹھے۔

"تم سارے حالات سے اچھی طرح سے واقف ہو۔ اب میرے پاس ایک دھیلا بھی نہیں بچا ہے۔ عید کے فوراً بعد پھر لاک ڈاؤن ہے۔ اگلا وقت تنگی ترشی سے گزارنا ہوگا۔ خود کو ذہنی طور پر تیار کرلو۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولے تو وہ منہ بسور کر رہ گئیں۔

اتنے میں زین افتاں و خیزاں اندر داخل ہوا۔ شکل پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"اماں ابا بہت برا ہوا۔"

"ارے کیا ہوا؟ کیا ہوا.....؟"

شگفتہ بیگم دہل گئیں۔

"وہ تایا جان کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہے..... ابھی ماہین کا فون آیا ہے....."

اس نے گویا دونوں کے سر پر بم پھوڑا۔

"ڈاکوؤں نے لوٹ لیا..... ارے کیا کہہ رہے ہو؟ اس کے پاس ہوتا ہی کیا ہے جو لوٹ لیا ہوگا۔"

حاجی صاحب بے زاری سے بولے۔

"ارے نہیں ابا! وہ سبین کا زیور اٹھا کر لا رہے تھے کہ چوک پر دو نقاب پوش ڈاکو آناً فاناً آئے اور چھین کر چلتے بنے۔"

"ہائے میرے اللہ..... یہ کیا ہوگیا۔" دونوں میاں بیوی سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

صادقہ بیگم کا رو رو کر برا حال تھا۔ سارے کام انہوں نے اپنی بچیوں کے ہمراہ تنہا ہی کیے تھے بس ایک یہ زیور اٹھانے کی ذمہ داری ہی میاں پر ڈالی تھی جو وہ بھی پوری نہ کرسکے تھے۔

سارا دن وہ اپنے دوستوں کے ساتھ گھومتے پھرتے رہے۔ عین دوپہر کے وقت انہیں یاد آیا تو جیولر کے ہاں شاپ پر پہنچے۔ وہ بھی ان ہی کے انتظار میں دکان کھولے بیٹھا تھا۔ انہوں نے زیور اٹھایا اور لاپروائی سے موٹر سائیکل کے ہینڈل سے ٹانگ لیا۔ وہیں سے شاید اوباش ان کے پیچھے لگ گئے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ ایک سگنل پر وہ رکے تو وہ ڈاکو پیچھے سے آئے اور زن سے جھپٹ کر لے گئے اور یہ وہیں کھڑے منہ دیکھتے رہے۔

انہوں نے کوئی ڈھیروں ڈھیر زیور تو بنوایا نہیں تھا۔ بس ایک ہلکا سا سیٹ ہی تھا۔ وہ بھی ان کی بچی کو نصیب نہ ہوسکا تھا۔ یوں تو زیورات لڑکی کی خوشیوں کی ضمانت نہیں ہوتے۔ پھر بھی تمام والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی بچی کو اپنے حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ گہنے تحفے میں دیں۔ وہ تو لڑکے کی ماں سے بھی سیٹ کا تذکرہ کر بیٹھی تھیں۔ وہ لوگ کیا سوچیں گے کہ اصل زیورات کا بتا کر نقلی زیورات میں بیٹی کو رخصت کیا ہے۔ سبین اور ماہین بھی اپنی جگہ پریشان تھیں مگر اپنی ماں کو تسلیاں دے رہی تھیں۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ ماہین نے جاکر کھولا تو سامنے چچا چچی کھڑے تھے۔

"ارے چچا جان! آپ کی طبیعت خراب تھی۔ آپ نے کیوں زحمت کی۔" وہ دونوں کو لیے اندر چلی آئی۔

"بہت افسوس ہوا آپا! آپ نے بھائی صاحب کو اکیلے کیوں بھیجا۔ زین کو ہمراہ کردیتیں۔" شگفتہ بیگم رنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"بس شگفتہ! میری بچی کے نصیب۔" صادقہ بیگم اپنی بھیگی آنکھیں دوپٹے کے پلو سے صاف کرنے لگیں۔

"زین بتا رہا تھا کہ بھائی صاحب نے ایک عام سے شاپنگ بیگ میں زیور والا ڈبا ڈال رکھا تھا جو دور سے ہی نظر آرہا تھا۔ غالباً دیکھتے ہی چور اُچکے پیچھے لگ گئے۔"

"چلو چھوڑو اس بحث کو۔ بس جو چیز نصیب میں نہ ہو، وہ کھو جاتی ہے۔" حاجی صاحب افسردگی سے بولے اور پھر انہوں نے اپنے پلستر چڑھے بازو کو صوفے کی داہنی سائیڈ پر بامشکل سیٹ کیا اور دوسرے ہاتھ سے اپنی جیب سے ایک پھولا پھولا سا بٹوہ نکالا اور صادقہ بیگم کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

"یہ لو بہن۔ یہ کچھ رقم رکھ لو۔ شام کو زین کے ساتھ جاکر بچی کے لیے سونے کا سیٹ خرید لانا۔ امید

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہے اتنے پیسوں میں ضرور آ جائے گا۔"

"ہیں..... یہ اتنی رقم کہاں سے آ گئی۔" شگفتہ بیگم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا جبکہ صادقہ بیگم گھبرا کر جلدی سے بولیں۔

"نہیں بھائی صاحب! آپ رہنے دیں۔ آپ نے پہلے ہی بہت کچھ کیا ہے۔ اب مزید ہمیں زیر بار نہ کریں۔"

"ارے زیر بار کیسا..... یہ تو میں اپنی بیٹی کو دے رہا ہوں۔"

"مگر آپ کے تو اپنے حالات.....؟" صادقہ مزید متردد ہوئیں۔

"فکر نہ کرو، قرضہ نہیں لیا۔ اپنے ہی پیسے ہیں۔" انہوں نے زبردستی بٹوہ صادقہ بیگم کو تھمایا۔

"ہیں..... اپنے پیسے..... یہ کہاں سے آئے؟ میرے جھمکوں کے لیے تو ایک دھیلا ان کے پاس نہیں تھا۔" شگفتہ بیگم اندر ہی اندر کڑھ رہی تھیں۔

واپسی پر بھی وہ چپ چپ سی تھیں۔

گھر پہنچ کر ابھی بیٹھے ہی تھے اور اس سے پہلے کہ شگفتہ بیگم رقم کے بارے میں کوئی باز پرس کرتیں، حامد بھاگا بھاگا آیا اور آتے ہی بولا۔

"ابا جان! میں نے بیل کو نہلانا تھا مگر زین اسے بشیر صاحب کے احاطے میں باندھ آیا ہے۔" شگفتہ بیگم بھی چونکیں۔ واقعی جب وہ آئے تھے تو باہر کھونٹے سے بیل بندھا ہوا نہیں تھا۔

حاجی صاحب نے نہایت اطمینان سے جوتے اتارے اور اپنے پلنگ پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولے۔

"ہاں بیٹا! زین کو ایسا کرنے کے لیے میں ہی کہہ کر گیا تھا کیونکہ یہ بیل ان ہی کا ہے۔"

"مگر کیوں.....؟ کیا ہم اس سال قربانی نہیں کریں گے۔" شگفتہ تنک کر بولیں۔

"کیوں نہیں کریں گے۔ اس بیل میں دو حصے ہمارے بھی ہیں۔ دراصل اس بار حالات کی وجہ سے پورا بیل نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے بشیر صاحب کو شریک کر لیا۔" شگفتہ بیگم فوراً جان گئیں کہ پھولا سا رقم کا بٹوہ کہاں سے آیا تھا۔ وہ تسلی آمیز لہجے میں بولے۔ پھر انہوں نے اپنا چشمہ اتارا۔ آنکھوں کو رومال سے صاف کیا اور دھیرے سے کہنے لگے۔

"دیکھو بیگم! تم ہمیشہ کہتی تھیں کہ قربانی نمود و نمائش کے لیے نہیں ہوتی۔ ضروری نہیں ہے کہ ہر بار بڑا جانور ہی قربان کیا جائے۔ انسان کو اپنے حالات بھی دیکھنے چاہئیں۔ مگر میں اپنی ضد پر قائم رہتا تھا۔ اب میں اپنا محاسبہ کرتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے میرے نزدیک بھی قربانی کے فلسفے کے پیچھے تقویٰ اور ثواب کی نیت سے زیادہ محلّہ والوں پر اپنی دھاک بٹھانا مقصود تھا۔ شاید یہی بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آئی اور میرے چوٹ لگ گئی۔

قربانی چھوٹی ہو یا بڑی، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی اہل محلّہ کی واہ واہ سے ثواب زیادہ ملتا ہے۔ اصل چیز تو انسان کی نیت ہے۔ نیت کا نیک ہونا زیادہ مستحسن ہے۔"

"پھر ہمارے کسی عمل سے اگر کسی کی مشکل دور ہوتی ہے اور وہ "کسی" خواہ غیر ہو یا کوئی ہمارا بہت اپنا عزیز، تو پھر دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال بہت بہتر جانتا ہے۔" وہ کسی جذب کے عالم میں بولے جا رہے تھے۔

اور شگفتہ بیگم اپنی جگہ سوچ رہی تھیں کہ اگرچہ وہ درست کہہ رہے ہیں مگر پھر بھی انہیں اور ان کے بچوں کو محلے والوں کے سامنے اچھی خاصی سبکی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو اچانک ان کی نظر کارنر پر لگی اپنی پیاری بیٹی ماہ رخ کی ہنستی مسکراتی تصویر پر پڑی اور بے اختیار ان کے ذہن میں اپنے ابا مرحوم کا فقرہ گونجا، جو اکثر کہا کرتے تھے کہ "بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔"

وہ سارے خدشات جھٹک کر مسکرا دیں۔

"واقعی بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔"

☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تجھے اظہارِ محبت سے اگر نفرت ہے
تو نے ہونٹوں کو لرزنے سے تو روکا ہوتا

بے نیازی سے مگر کانپتی آواز کے ساتھ
تو نے گھبرا کے میرا نام نہ پوچھا ہوتا

تیرے بس میں تھی اگر مشعلِ جذبات کی لو
تیرے رخسار میں گلزار نہ بھڑکا ہوتا

یونہی بے وجہ بھٹکنے کی ضرورت کیا تھی
دمِ رخصت اگر یاد نہ آیا ہوتا

تیرا غماز بنا خود تیرا اندازِ خرام
دل نہ سنبھلا تھا تو قدموں کو سنبھالا ہوتا

اپنے بدلے میری تصویر نظر آجاتی
تو نے اُس وقت اگر آئینہ دیکھا ہوتا

حوصلہ تجھ کو نہ تھا مجھ سے جدا ہونے کا
ورنہ کاجل تیری آنکھوں میں نہ پھیلا ہوتا

احمد ندیم قاسمی

## وصال کی خواہش

کہہ بھی دے اب وہ سب باتیں
جو دل میں پوشیدہ ہیں
سارے روپ دکھا دے مجھ کو
جو اب تک نادیدہ ہیں
ایک ہی رات کے تارے ہیں
ہم دونوں اس کو جانتے ہیں
دُوری اور مجبوری کیا ہے
اس کو بھی پہچانتے ہیں
کیوں پھر دونوں مل نہیں سکتے
کیوں یہ بندھن ٹوٹا ہے
یا کوئی کھوٹ ہے تیرے دل میں
یا میرا غم جھوٹا ہے

منیر نیازی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مے کدہ تھا چاندنی تھی میں نہ تھا
اک مجسم بے خودی تھی میں نہ تھا

عشق جب دم توڑتا تھا، تم نہ تھے
موت جب سر دھن رہی تھی، میں نہ تھا

طور پر چھیڑا تھا جس نے آپ کو
وہ میری دیوانگی تھی، میں نہ تھا

مے کدے کے موڑ پر رُکتی ہوئی
مدتوں کی تشنگی تھی، میں نہ تھا

میں اور اُس غنچہ دہن کی آرزو
آرزو کی سادگی تھی، میں نہ تھا

گیسوؤں کے سائے میں آرام کش
سر برہنہ زندگی تھی، میں نہ تھا

دیر و کعبہ میں عدمؔ حیرت فروش
دو جہاں کی بدظنی تھی، میں نہ تھا

عبدالحمید عدمؔ

جینے کے ان کے ساتھ بہانے چلے گئے
اُٹھ کر گئے وہ یوں کہ زمانے چلے گئے

احساس جن کے ہونے سے ہونے کا تھا کبھی
ان بے گھروں کے سارے ٹھکانے چلے گئے

کرنا یہاں پہ کیا تھا، مگر کر رہے ہیں کیا
ہم کیا کریں کہ اپنے سیانے چلے گئے

جو پاس تھے تو قصہ بھی کیا دلفریب تھا
کھولی جو اب کتاب، فسانے چلے گئے

تپتا ہے آفتاب، تو جلتی ہے یہ زمیں
موسم بھی ان کے ساتھ سہانے چلے گئے

حاسد سمجھ نہ لیجے، یونہی سوچتا ہوں میں
اب وہ نہ جانے کس کو رجھانے چلے گئے

ابرکؔ محبتوں میں نہ دعوے کیا کریں
کیوں خود نہ آپ ان کو منانے چلے گئے

اتباف ابرک

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شگفتہ جاہ

# باتیں آپ سے خود ہمارے

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ایک آدمی نے کہا "اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا"

تو اللہ عزوجل نے فرمایا "کون ہے جو مجھ پر اس بات کی قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں شخص کو نہیں بخشوں گا۔ بے شک میں نے اس کو بخش دیا اور تیرے عمل میں نے برباد کر دیے"

فائدہ:

بعض لوگوں کو اپنی عبادت اور زہد و تقویٰ پر گھمنڈ ہو جاتا ہے جو انہیں دوسروں کی بابت بدگمانی میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ یقین سے اس بات کا اظہار کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص کو اللہ نے کبھی معاف نہیں کرنا۔ حالانکہ یہ اللہ کی شان میں بے ادبی کا مظاہرہ اور اپنی بابت حد سے زیادہ خوش گمانی کا نتیجہ ہے۔ یہ رویہ اللہ کو پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اس عابد و زاہد و متقی کے سارے عمل برباد کر کے اس کو جہنم میں پھینک دے اور اور اس گناہ گار کو معاف کر کے جنت میں داخل کر دے۔ جس کی بابت یہ قسم کھا کر کہتا تھا کہ اسے اللہ معاف نہیں کرے گا۔ اس لیے انسان کو اپنی عبادت پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے اور دوسروں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

## غیبت،

سفیان بن حسین رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

"میں نے ایاس بن معاویہ کے پاس ایک شخص کا ذکر برائی کے ساتھ کیا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا۔

"کیا تم نے روم سے جہاد کیا ہے؟"

میں نے کہا "نہیں"

انہوں نے کہا "کیا تم نے سندھ، ہند اور ترکی سے جہاد کیا ہے؟"

میں نے کہا "نہیں"

انہوں نے کہا "پھر کیا روم، سندھ اور ہند تو تم سے محفوظ رہے اور تمہارا مسلمان بھائی تم سے محفوظ نہ رہ سکا"

سفیان بن حسین کہتے ہیں کہ اس کے بعد پھر میں نے اس بات کو نہیں دہرایا۔

## اقوال حضرت علی رضی اللہ عنہ،

- خواہش پرستی ہلاک کر دینے والی ساتھی ہے۔
- جس شخص کے دل میں جتنی حرص ہوتی ہے اسے اللہ پر اتنا ہی کم یقین ہوتا ہے۔
- جلدی معاف کرنا انتہائے شرافت اور انتقام میں جلدی انتہائے رزالت ہے۔
- سچائی میں اگرچہ خوف ہے مگر باعث نجات ہے۔ اور جھوٹ سے اطمینان ہوگا مگر موجب ہلاکت ہے

تبسم بشیر حسین۔ ڈنگہ

## اچھی باتیں،

- سونے کو آگ پرکھتی ہے اور انسان کو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مصائب۔

- نفس کی پیروی سے زیادہ مضر چیز کوئی نہیں۔
- سکون سے رہنا چاہتے ہو تو وعدے کم کیا کرو۔
- ایسا اشارہ بھی حرام ہے جس سے کسی کو رنج پہنچے
- صندل کی لکڑی کلہاڑے کی دھار کو بھی خوشبودار بنا دیتی ہے
- اتنا پھیلو کہ سمٹنا مشکل نہ ہو۔ اتنا حاصل کرو کہ چھوٹتے وقت تکلیف نہ ہو۔
- سب سے بڑی چالاکی یہ ہے کہ چالاکی نہ کی جائے۔

گڑیا راجپوت۔ حاتری شریف

## عقل کی آنکھ

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "تاریخ بغداد" میں قاضی ابو یوسف کے تذکرہ کے ذیل میں لکھا ہے۔ علی بن جعد کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف نے مجھ کو بتایا۔ میرے باپ ابراہیم بن حبیب کا انتقال ہو گیا۔ میری ماں نے مجھے ایک دھوبی کے یہاں کام کے لیے رکھ دیا۔ میں اکثر دھوبی کو چھوڑ کر امام ابو حنیفہؒ کے حلقۂ درس میں چلا جاتا اور وہاں حدیث اور فقہ کا علم حاصل کرتا۔ میری ماں آتی اور میرا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ دھوبی کے یہاں پہنچا دیتی۔

جب ایسا قصہ بار بار ہونے لگا تو میری ماں پر شاق گزرا۔ اس نے امام ابو حنیفہؒ سے کہا۔

"اس لڑکے کا بگاڑ صرف تم ہو، یہ ایک یتیم لڑکا ہے۔ اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں چرخہ کات کر اس کو کھلاتی ہوں اور چاہتی ہوں کہ وہ بھی کچھ کمانے لگے۔"

ابو حنیفہؒ نے میری ماں سے کہا

"وہ پستہ کا فالودہ کھانے والا علم حاصل کر رہا ہے۔"

میری ماں یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئی کہ "معلوم ہوتا ہے بڑھاپے کی وجہ سے تمہاری عقل جاتی رہی ہے۔"

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے میری مالی مدد کی اور میں ان کے حلقۂ درس سے برابر علم حاصل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں اس قابل ہو گیا کہ عباسی حکومت نے مجھ کو قاضی کے عہدے پر مقرر کیا۔ اب میں خلیفہ ہارون الرشید کی مجلس میں بیٹھنے لگا۔ میں اس کے دسترخوان پر کھانا کھاتا۔ ایک روز دسترخوان پر ہارون الرشید کے لیے فالودہ آیا۔

ہارون الرشید نے کہا "اس کو کھاؤ۔"

میں نے پوچھا "اے امیر المومنین! یہ کیا چیز ہے؟"

ہارون الرشید نے کہا "یہ پستہ کا فالودہ ہے۔"

یہ سن کر مجھ کو ہنسی آ گئی۔

ہارون الرشید نے کہا "تم کیوں ہنسے؟"

پھر میں نے مذکورہ قصہ شروع سے آخر تک سنایا۔ ہارون الرشید یہ سن کر اچنبھے میں پڑ گیا۔ اس نے کہا "میری زندگی کی قسم، علم آدمی کو بلند کرتا ہے اور دین اور دنیا میں اس کو نفع دیتا ہے۔ اللہ ابو حنیفہؒ پر رحم کرے۔ وہ اپنی عقل کی آنکھ سے وہ چیز دیکھ لیتے تھے، جس کو وہ اپنے سر کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔"

## کچھ باتیں سچی سچی سی

- یہ دنیا آپ کے ساتھ ختم کر دی جائے گی کیونکہ آپ کی زندگی میں مرنے والا آخری انسان آپ خود ہوں گے۔
- تعلق اور ظرف کا پتا تعلق کے بگڑنے پر پتا چلتا ہے۔
- اللہ نے جہاں فل اسٹاپ لگا رکھا ہے وہاں سوالیہ نشان لگانے کی کوشش مت کریں۔ یہی ایمان اور توحید کا تقاضا ہے۔
- گفتگو چاندی ہے اور خاموشی سونا۔
- محبت واحد جنگ ہے جو ہتھیار ڈال کر جیتی جاتی ہے۔

www.Azeem Pakistanipoint.com

## ہلاکت میں گرنے والا

اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرنے والا بچ رہتا ہے اور بچاؤ تلاش کرنے والا ہلاکت میں گرتا ہے۔

## شیطان گریبان پکڑ لیتا ہے

شیطان جب انسان کو ہر طرف سے گھیر کر تھکا دیتا ہے تو مال کا لالچ دے کر اس کا گریبان پکڑ لیتا ہے۔

ماریہ نذیر۔ بھاگٹانوالہ

## خاموشی عزت کا باعث ہے

خاموشی عزت کا باعث ہے۔ اور بے ہودہ گوئی موجب عیب ہے۔ نصیحت دوسرے کے حال پر غور کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

## قصور مان لیجیے

گناہوں پہ نادم ہونا، گناہوں سے معافی مانگنے کے برابر ہے۔ قصور مان لینا گویا معذرت کرنا ہے۔ اور قصور نہ ماننا گویا اس پر اصرار کرنا ہے۔

## ارادے مضبوط رکھو

اگر تم ماتحت ہو تو پست ہمتی کے اور غلامانہ خیال کبھی نہ رکھو۔ ہمیشہ ترقی کے زینے پہ قدم رکھنے کا مضبوط ارادہ رکھو۔

ماریہ نذیر۔ بھاگٹانوالہ

## اقوال بیکن

- مشورہ لینا بری بات نہیں ہے مگر اس مشورے پر بلا غور و خوض عمل کرنا برا ہے۔
- کسی کے غصے میں کہے ہوئے کلام کو کبھی مت بھولو۔
- تمام اچھا ہے جب انجام اچھا ہے۔
- جس کو قرض لینے اور خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ سب سے بڑا مال دار ہے۔
- اس شخص سے بچو جو اپنی برائیاں لوگوں میں بڑے فخر سے بیان کرتا ہے۔

تبسم بشیر حسین۔ ڈنگہ

## کم گوئی

امام عبدالرحمٰن اوزاعی بہت بڑے عالم تھے مگر وہ اکثر چپ رہتے تھے۔

ان کا قول ہے کہ مومن کم بولتا ہے اور عمل زیادہ کرتا ہے اور منافق زیادہ بولتا ہے اور عمل کم کرتا ہے۔

امام اوزاعی کے ایک شاگرد ابوالفضل بن الولید بن مزید نے اپنے استاد کے بارے میں اپنا تجربہ ان الفاظ میں بتایا ہے۔

"جو شخص امام اوزاعی کی کتابوں کو دیکھے گا، وہ گمان کرے گا کہ وہ بڑے بولنے والے تھے۔ حالانکہ ان سے زیادہ دیر تک چپ رہنے والا میں نے کوئی دوسرا آدمی نہیں دیکھا۔"

## محبت دل اور جسم

محبت پانے والا بھی اس بات پر مطمئن نہیں ہوتا کہ اسے ایک دن کے لیے مکمل محبت حاصل ہوئی تھی۔ محبت تو ہر دن کے ساتھ اعادہ چاہتی ہے۔ روز سورج نہ چڑھے تو دن نہیں ہوتا۔ جس روز محبت کا سورج طلوع نہ ہو۔ رات رہتی ہے۔ یہ دل اور جسم بڑے بیری ہیں ایک دوسرے کے جسم روندا جائے تو یہ دل کو پسند نہیں دیتا۔ اور دل اٹھی بند رہے تو یہ جسم کی نگری تباہ کر دیتا ہے۔ ان دونوں کو کبھی آزادی نصیب نہیں ہوتی۔

عاصمہ آصف۔ نوشہرہ ورکاں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ادارہ

# اسٹاک کی سٹاکرز

## وجہ

عروبہ، احمد سے پوچھتی ہے کہ وہ اس سے شادی کب کرے گا۔

احمد نے کہا۔ ''میں جلد ہی تم سے شادی کرلوں گا بس ذرا اپنے گھر والوں کو راضی کرلوں۔''

عروبہ نے شرماتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کے گھر میں کون کون ہے۔'' احمد نے سادگی سے کہا۔

''اور کوئی نہیں بس میری بیوی، ساس اور پانچ بچے ہیں۔''

## ضرورت

ایک صاحب ماہر نفسیات کے کلینک میں داخل ہوئے، کرسی پر بیٹھ کر تمباکو کی تھیلی نکالی اور تمباکو اپنے کان میں ٹھونسنے لگے۔

ماہر نفسیات نے کہا۔ ''آپ کی اس حرکت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو میری ضرورت ہے۔''

ان صاحب نے کہا۔ ''جی ہاں! کیا آپ کے پاس ماچس ہوگی؟''

## برداشت

ایک لڑکا لڑکی کے سامنے اس کے باپ کی برائی کرنے لگا تو لڑکی ناراضی سے کہنے لگی۔

''تمہاری یہ جرات کہ تم میرے ڈیڈ کو فضول اور بے ہودہ انسان کہہ رہے ہو۔''

''تو اور کیا کہوں؟'' لڑکے نے بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''میں ان سے تمہارا رشتہ مانگنے گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس پر وہ بولے کوئی بات نہیں تدفین کے اخراجات میں برداشت کرلوں گا۔''

## کمی

کرکٹ کے ایک جنونی نے اپنے دوست کو بتایا۔ ''میری بیوی نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے کرکٹ کو ترک نہ کیا تو وہ مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی۔''

''ہاں واقعی! یہ تو بہت برا ہوگا۔'' دوست نے افسوس کا اظہار کیا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو، میں اس کی کمی شدت سے محسوس کروں گا۔'' کرکٹ کے شائق نے افسردگی سے کہا۔

## وعدہ

''کل بازار میں تم جس نوجوان، حسین اور اسمارٹ لڑکی کے ساتھ گھوم رہے تھے، وہ کون تھی؟''

''اگر تم وعدہ کرو کہ یہ الفاظ میری بیوی کے سامنے نہیں دہراؤ گے تو بتا دیتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، وعدہ رہا۔''

''وہ میری بیوی ہی تھی۔''

## تشویش

ایک صاحب نے اخبار میں ایک سروے پڑھتے پڑھتے سر اٹھا کر اپنے دوست سے کہا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں ساٹھ لاکھ ٹی وی اور چالیس لاکھ باتھ روم ہیں۔''

''اچھا! لیکن اس سے کیا ثابت ہوتا ہے۔'' دوست نے ان صاحب کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ بیس لاکھ افراد نہائے بغیر ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔'' ان صاحب نے سر کھجاتے ہوئے تشویش سے جواب دیا۔

## حفظ ماتقدم

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

ایک ڈاکٹر نے کتب فروش سے کہا۔ ”آپ کے پاس دس سال پرانے رسالے ہوں گے؟“
دکان دار نے کہا۔ ”جی ہاں مل جائیں گے، کیا آپ کو کسی خاص مضمون کی تلاش ہے؟“
”جی نہیں، میں نے اسی سال ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا ہے اور میں اپنا کلینک کھول رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے مریض مجھے نیا ڈاکٹر نہ سمجھیں۔“

## پریشانی

مریض ڈاکٹر سے۔ ”ڈاکٹر صاحب! میں بہت پریشان ہوں۔ رات میں نے خواب میں پچاس لڑکیوں کو دیکھا۔ میں ان کے درمیان گھرا ہوا تھا۔“
”تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟“ ڈاکٹر نے حیرت سے سوال کیا۔
”ڈاکٹر صاحب!“ مریض نے پریشانی سے ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بھی لڑکی ہی ہوں۔“

## بوجھ

لفٹ میں بہت سارے لوگ سوار ہوگئے تو لفٹ آپریٹر نے درخواست کی کہ ایک فرد لفٹ سے اتر جائے۔ ایک نہایت موٹی خاتون نے ایثار کا مظاہرہ کیا اور اتر گئیں۔ لفٹ آپریٹر نے بٹن دبایا اور لفٹ روانہ ہوگئی۔
لفٹ کے واپس آنے کا انتظار کرنے والے لوگوں کی نظریں اپنے اوپر محسوس کر کے خاتون نے قدرے جھینپ کر کہا۔
میرا وزن اتنا زیادہ نہیں کہ لفٹ میری وجہ سے رک گئی تھی، دراصل آج میرے ذہن پہ بوجھ ہے۔

## جہاندیدہ

جیولری کی دکان پر ایک نوجوان نے ہیرے کی قیمتی انگوٹھی منتخب کی پھر جیولر سے فرمائش کی، اس پر باریک الفاظ میں کندہ کردیں۔
”اختر کی طرف سے شانہ کے لیے۔“
جیولر نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر نیچی آواز میں ہمدردانہ لہجے میں بولا۔
”اگر برا نہ مانیں تو ایک مشورہ دوں۔ انگوٹھی پر تم صرف یہ الفاظ کندہ کرالو۔ ”اختر کی طرف سے۔“

## تعاون

چندہ مانگنے والے افراد ایک کنجوس کے پاس پہنچے اور اس سے کہا۔
”ہم گاؤں والوں کے لیے ایک تالاب بنانا چاہتے ہیں، اس کے لیے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔“
”ہاں..... ہاں..... تالاب کی واقعی بہت ضرورت ہے۔“ پھر کنجوس نے اپنے بیٹے کو آواز دے کر کہا۔
”ان لوگوں کو تالاب کے لیے دو بالٹی پانی دے دو۔“

## نایاب

ایک شخص نے دکان دار سے پوچھا۔
”کیا آپ پرانی چیزیں خریدتے ہیں؟“
”جی ہاں۔ میرا یہی کاروبار ہے۔“ دکان دار نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”میرے پاس نپولین کے زمانے کا ایک نایاب ٹائپ رائٹر ہے۔“ اس شخص نے کہا۔
دکان دار نے حیرت سے کہا۔ ”لیکن نپولین کے زمانے میں تو ٹائپ رائٹر ایجاد ہی نہیں ہوا تھا۔“
”اسی لیے تو نایاب ہے۔“ اس شخص نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

☆☆


سرورق کی شخصیت
ماڈل ..... ہانیہ
میک اپ ..... روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی ..... موسیٰ رضا


Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

# دستک دستک دستک

شاہین رشید

## سمیعہ بخش

"کیا حال ہیں؟"

"جی، اللہ کا شکر ہے۔"

"ماشاء اللہ آپ بہت اچھی آرٹسٹ ہیں اور کچھ عرصہ قبل آپ کا سوپ "سویرا میرا نصیب" دیکھا۔ بہت اچھا تھا۔"

"جی شکریہ۔ نزہت سمن آپا کی تحریر تھی اور انہوں نے بہت اچھا لکھا تھا۔"

"آپ کو بہت صبر والی، بہت محبت والی اور بہت ہنر مند دکھایا تھا..... ایسی ہی ہیں آپ؟"

ہنستے ہوئے..... "جب آپ ملیں گی تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ میں کیسی ہوں۔"

"آپ کا ایک اور ڈرامہ دیکھا تھا "کم ظرف" اس میں آپ کی بہن (نادیہ خان) بہت تیز دکھائی گئی تھیں۔ وہ کردار بھی آپ کا بہت معصومانہ تھا..... تو ایسے کردار ملنے کی کیا وجہ ہے؟"

بے ساختہ ہنستے ہوئے..... "شاید میرے چہرے پر معصومیت بہت ہے۔ سب ہی کہتے ہیں کہ آپ پر غصے والے کردار سوٹ نہیں کرتے۔"

"کبھی نیگیٹو رول کی آفر ہوئی؟"

"میرا نہیں خیال کہ کبھی مجھے نیگیٹو رول کی آفر آئی ہو اور ایسا نہیں ہے کہ میں نیگیٹو رول کر نہیں سکتی..... میں کر سکتی ہوں پر مجھے موقع تو ملے۔"

"آج کل کیا مصروفیات ہیں؟"

"بس وہی ٹی وی سے متعلق۔ ایک دو پروجیکٹ پر کام ہو رہا ہے۔ مکمل ہو جائے تو پھر آپ کی اسکرین پر موجود ہوں گے۔"

"کرونا کی وجہ سے کام پر کچھ فرق پڑا؟"

"جی..... جی بہت فرق پڑا۔ تقریباً کام رک ہی گیا تھا۔ اب کچھ کام شروع ہوا ہے مگر ابھی بھرپور طریقے سے شروع نہیں ہوا۔"

"فرصت کے دن کیسے گزرے؟"

"اچھے گزرے۔ کئی ادھورے کام مکمل کیے۔ مگر پھر بھی کام کی طرف دھیان لگا رہتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب کام دوبارہ شروع ہوا ہے۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتاؤ..... کب کیسے آئیں اس فیلڈ میں۔ سب کچھ آسانی سے ملا یا بہت زیادہ تگ و دو کرنا پڑی؟"

"نہیں، سب کچھ آسانی سے نہیں ملا۔ بہت محنت کی، تب کہیں جا کر کامیابی ملی۔"

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''کیا بچپن سے خواہش تھی اس فیلڈ میں آنے کی؟''

''مجھ سے زیادہ میری امی کی خواہش تھی کہ میں اس فیلڈ میں آؤں۔ اس لیے وہ ہی مجھے کہتی رہتی تھیں کہ تم کوشش کرو..... تو بس کافی جدوجہد کے بعد اس فیلڈ میں آئی اور شروع میں مجھے سپورٹنگ رول ملتے تھے اور پھر آہستہ آہستہ لیڈنگ رول بھی ملنے لگے۔''

''امی خوش ہیں اب؟''

''بہت..... ان کی دعاؤں کی وجہ سے ہی آج میں اس فیلڈ میں کامیاب ہوں۔''

''اور دیگر بہن بھائیوں کو بھی شوق ہے؟''

''نہیں۔ انہیں کوئی خاص شوق نہیں۔''

''کتنے بہن بھائی ہیں آپ۔ آپ کا نمبر کون سا ہے؟''

''ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔ دو بھائی اور ہم تین بہنیں..... میں سب سے چھوٹی ہوں۔ میں 20 جولائی 1998ء کو کراچی میں پیدا ہوئی۔''

''چہرے سے پنجابی لگتی ہو؟''

''جی جی..... ہماری مادری زبان پنجابی ہے۔''

''بچپن کیسا گزرا؟''

''اچھا گزرا..... کھیلتے کودتے، بہن بھائیوں کے ساتھ کھیلتے اور ہنستے مسکراتے ہوئے۔''

''بچپن کی سب سے بری عادت کون سی تھی جو کہ مشکل سے گئی ہو؟''

''میرے خیال سے کوئی بری عادت نہیں تھی۔ میں اپنی امی سے بھی پوچھ رہی تھی کہ بچپن میں مجھ میں کون سی بری عادت تھی..... تو یہی جواب آیا کہ میری بیٹی میں تو کوئی بری عادت نہیں تھی۔''

''گڈ..... امی کے شوق سے تم اس فیلڈ میں آئیں تو پھر پہلی کمائی بھی اپنی امی کو دی ہوگی؟''

''جی..... جی بالکل۔ اس میں کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ بالکل اپنی پہلی کمائی اپنی امی کے ہاتھ میں ہی رکھی تھی۔''

''شوبز میں کیا اچھا ہے' کیا برا ہے؟''

''اچھا اور برا ہر جگہ ہوتا ہے اور پھر وہی پرانی بات کہ آپ پر بھی منحصر ہے کہ آپ کتنا سنبھل کر چلتے ہیں..... سنبھل کر نہیں چلیں گے تو نقصان بھی آپ کا ہی ہوگا اور لوگ بھی آپ کو ہی برا کہیں گے کیونکہ آپ لڑکی ہو اور الزام ہمیشہ لڑکیوں پر ہی آتا ہے۔''

''بالکل ٹھیک کہا..... ابھی ٹائم کیسا گزر رہا ہے آپ کا؟''

''میرے لیے تو اس وقت سب کچھ اچھا ہے۔ کام بھی بہت Chill ہے، سکون ہے، اطمینان ہے۔ مجھے تو اس فیلڈ میں بہت مزا آرہا ہے۔ آگے بھی اللہ اپنی مہربانی اور عنایت رکھے۔''

''سوچا تھا کہ مشہور ہو جاؤں گی؟''

''جب جدوجہد کے پیریڈ میں تھی تو لگتا تھا کہ سب کچھ بہت مشکل ہے، شاید ایسے ہی تگ و دو کرتے زندگی گزر جائے گی مگر..... ایسا ہوتا نہیں کہ محنت رائیگاں چلی جائے۔ اللہ نے مجھے بھی میری محنت کا صلہ دیا اور اللہ کا شکر ہے کہ آج کل سب کچھ اچھا چل رہا ہے۔''

''شوبز میں تو بہت نام کمایا ہے، اس کے علاوہ کوئی فیوچر پلاننگ ہے آپ کی؟''

''نہیں، کوئی خاص نہیں۔ اسی فیلڈ میں بہت آگے جانا ہے تو اس کے بارے میں پلاننگ کرتی ہوں اور اپنی فیملی کے لیے بہت سوچتی ہوں۔''

''آج کل کے حالات کے بارے میں کیا کہیں گی؟''

''کیا کہہ سکتی ہوں۔ بس دعا ہی کر سکتی ہوں کہ اللہ حالات بہتر کرے اور حالات کب تک بہتر ہوں گے، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔''

''ویسے پسند کون ہے آپ کو سیاست میں؟''

''کوئی بھی نہیں..... جو ملک کو سنوار دے وہی اچھا سیاست دان ہے۔''

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ چلیں ان شاء اللہ پھر ملاقات ہوگی آپ۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

## اریج محی الدین

''ہیلو.....کیا حال ہیں؟''

''جی، اللہ کا شکر ہے۔''

''جتنی نازک دکھائی دیتی ہو، اتنی ہی نازک آواز ہے تمہاری۔ لگتا ہے تیز آواز میں بولنا نہیں آتا؟''

''جی..... جی..... نازک کہنے کا بہت شکریہ۔ اور میں بولتی ہی بہت آہستہ ہوں۔ میری عادت ہے آہستہ بولنے کی۔''

''اچھا.....مگر آپ کا سیریل ''جو تو چاہے'' میں تو بہت بولتی تھیں، تیز آواز میں؟''

''بھئی وہ تو کردار کی ڈیمانڈ تھی، اس لیے بولنا پڑا تھا.....پھر ڈائریکٹر صاحب کی ہدایات.....تو اس لیے آپ کو لگا کہ میں تیز بولتی ہوں۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں۔''

''میاں سے ہر وقت لڑائی، ہر وقت اس پر نظر، کیا حقیقت میں بھی ایسا ہی کرنا ہے، جیسا ڈرامہ میں کیا؟''

قہقہہ.....''بہت دور کی بات کی۔ جب شادی ہوگی تو پھر ان شاء اللہ دیکھیں گے کہ کیا حالات ہیں۔ حالات انسان کو اچھا یا برا بناتے ہیں۔''

''اور کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟''

''کوئی خاص نہیں۔ ''قربتیں'' چل رہا ہے۔ کچھ اور پائپ لائن میں ہیں۔ بس اللہ کا شکر ہے کہ مصروف ہوں۔''

''ہم نے آپ کا تفصیلی انٹرویو کرنا ہے۔''

''ضرور.....تو آجایئے کسی دن، وقت طے کر لیتے ہیں۔''

''مگر آپ تو اسلام آباد میں ہیں اور میں کراچی میں.....؟''

''او ہو.....چلیں آپ سوالات بھیج دیجیے گا، میں جواب دے دوں گی.....مگر ٹائم لگے گا کیونکہ آج کل بہت زیادہ مصروف ہوں۔''

''او کے.....کوئی مسئلہ نہیں۔''

☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

خالدہ جیلانی

# کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

تسنیم کوثر ـــــــــ کراچی

میں اب کے لوٹا تو صدیوں کی عمر لاؤں گا
کہ تیرے ساتھ مجھے مختصر نہیں رہنا

ارم کمال ـــــــــ فیصل آباد

ہمیں نجوم و رمل کے علوم آتے تھے
مگر یہ عشق ہے، سب زائچے غلط نکلے

نخبہ اکرم ـــــــــ گاؤں گولیکی

ایک پیشانی ہے اور اتنے خداؤں کا ہجوم
سب بضد ہیں انہیں معبود ہی سمجھا جائے

ثمرہ، اقرا ـــــــــ کراچی

کھڑکیوں پہ دبیز پردے ہوں
یادیں پھر بھی دستک دیں گی

اقصیٰ ناصر ـــــــــ گلستان جوہر

یہ ارتقا کا چلن ہے کہ ہر زمانے میں
پرانے لوگ نئے آدمی سے ڈرتے ہیں

نادیہ فیصل ـــــــــ گجرات

وہ ایک خط، جو تم نے کبھی لکھا ہی نہیں
میں روز بیٹھ کے اس کا جواب لکھتا ہوں

آسیہ جاوید ـــــــــ علی پور چٹھہ

تیرے ہتھ وچ ڈور دے سائیاں
پتلی دا کی زور دے سائیاں

زبیدہ ـــــــــ پشاور

اے دل کسے نصیب یہ توفیق اضطراب
ملتی ہے زندگی میں یہ راحت کبھی کبھی

رضوانہ فیصل ـــــــــ میانوالی

یاروں کی جیتیں ہوں کہ غیروں کی تہمتیں
جس رنگ رہا ہوں نمایاں رہا ہوں میں

فضہ بلال ـــــــــ ڈیفنس گارڈن

جب بھی ہوتی ہے دو خواب پہ دستک کوئی
جاگ جاتا ہے ترے ہجر کا مارا ہوا عشق

مدیحہ فہمید ـــــــــ کراچی

بچھڑا تھا جس غرور سے وہ تو یاد کر
آنکھوں میں تیری آج یہ آنسو فضول ہیں

صدف عمران ـــــــــ کے ڈی اے سوسائٹی

زندگی تیرے تعاقب میں لوگ
اتنا چلتے ہیں کہ مر جاتے ہیں

آمنہ عمران ـــــــــ میرپور خاص

تمہاری چاہت کی چاندنی سے ہر اک شب سنور گئی ہے
سنہرے پوروں سے خواب ریزے سمیٹتی ہر سحر گئی ہے

صائمہ جبی ـــــــــ کراچی

تمام عمر کی وابستگی کی خواہش تھی
یہ کب کہا تھا میرا شہر چھوڑ جائے وہ

عاصمہ ـــــــــ حیدر آباد

بہت سوچا، بہت سمجھا، بہت ہی دیر تک پرکھا
تنہا ہو کر جی لینا محبت سے تو بہتر ہے

زینب ـــــــــ نارتھ کراچی

اک نگاہ برفیلی، ایک بول پتھر سا
آدمی نہیں مرتا صرف خون بہنے سے

حوریہ ـــــــــ علی پور چٹھہ

رہیں گے چل کے اسی گھر میں جس سے نکلے تھے
پرانے گھر سے چلو بوریا اٹھاتے ہیں
خدا کرے کہ ہمیشہ وہ لوگ شاد رہیں
ہمارے حق میں جو دستِ دعا اٹھاتے ہیں

عظمیٰ، عائشہ ـــــــــ کورنگی

طرزِ انکار بدل سکتا ہے اس کے معنی
حرفِ انکار میں اقرار بھی ہو سکتا ہے

سعدیہ، سدرہ ـــــــــ شریف آباد

ہم سے اگر ہے ترکِ تعلق تو کیا ہوا
یارو! کوئی تو ان کی خبر پوچھتے چلو
جو خود کو کہہ رہے ہیں منزل شناس ہیں
ان کو بھی کیا خبر ہے مگر پوچھتے چلو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

واصفہ سہیل

# آئینے میں

حاصل کی ہے جبکہ جنرل ایجوکیشن میں ڈگری امریکا سے لی ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس تاثر کو ختم کیا جائے کہ پاکستان میں اسٹیج پر کام کرنے والے فنکار ان پڑھ ہوتے ہیں۔ (لیکن ذہانت ڈگری کی محتاج نہیں ہوتی اور دوسروں کو ہنسانا بہت مشکل ہے)

## زندگی

اداکار فیروز خان نے شوبز سے کنارہ کشی کا اعلان کر دیا ہے۔ تاہم وہ اپنے پروجیکٹ مکمل کرائیں گے جو انہوں نے سائن کیے ہوئے ہیں۔

فیروز خان کی بہن دعا ملک سے جب یہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ بہت جلد ایسا ہی اعلان میری طرف سے بھی آنے والا ہے (تو انتظار کس بات کا ہے) اور اس کے بعد عائمہ کی باری ہوگی۔ (ایک ساتھ کیوں نہیں؟)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

## خواہش

پاکستان میں مزاحیہ فنکاروں کی ایک بڑی تعداد فلم ٹی وی اور اسٹیج سے تعلق رکھتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان مزاح کے معاملے میں بالی وڈ سے بہت آگے ہے۔

افتخار ٹھاکر کا شمار پاکستان کے بڑے کامیڈین میں ہوتا ہے۔ ملک کے ساتھ ساتھ بیرون ملک بھی ان کے چاہنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ وہ بیک وقت کئی زبانیں بولنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

افتخار ٹھاکر کی اپنی ایک الگ پہچان ہے۔ انہوں نے عملی زندگی کا آغاز مکینک کے طور پر کیا اور اپنے اندر کے فنکار کو بھی زندہ رکھا۔ اپنے بارے میں بتاتے ہوئے افتخار ٹھاکر کا کہنا ہے "میرا تعلق میاں چنوں سے ہے۔ 2000 میں اسٹیج شروع کیا۔ میں نے اداکاری کی باقاعدہ تعلیم نیویارک فلم اکیڈمی سے

انہوں نے کہا کہ ''اب ہمارا روحانیت سے گہرا تعلق ہوگیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بہن بھائی سونے کا چمچہ لے کر پیدا نہیں ہوئے تھے ہم سیلف میڈ لوگ ہیں۔ شوبز چھوڑنے کے بعد گزارا کیسے ہوگا؟ کے سوال پر دعا ملک کا کہنا تھا کہ ''کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ اس چڑیا کی طرح زندگی گزارو جو منہ میں اگلے دن کا دانہ لے کر نہیں سوتی اور اللہ اس چڑیا کو زندہ رکھتا ہے تو ہم بھی اس چڑیا کی طرح زندگی گزاریں گے۔''

## دہرا معیار

اپنے آپ کو امن کی سفیر سمجھنے والی اداکارہ پریانکا چوپڑا حالیہ دنوں بھارت میں مسلمانوں پر ہوئے ظلم پر خاموش رہیں لیکن ان کی مجرمانہ خاموشی پر پاکستانی اداکارہ ارمینا خان خاموش نہ رہ سکیں اور انہوں نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا اور کہا کہ ''مجھے حیرت ہے کہ پریانکا چوپڑا ان فسادات پر خاموش کیوں ہیں۔ کیا خیر سگالی صرف ہندو اور پی جے پی کے لیے ہے۔''

اس کے علاوہ ارمینا خان نے یونیسیف کے دفتر جاکر پریانکا کے خلاف درخواست جمع کرائی ہے کہ انہیں امن کی سفیر کے عہدے سے ہٹایا جائے۔ لیکن یونی سیف نے پریانکا کو اپنے سفیر کے عہدے پر بحال رکھا ہے۔ (یونی سیف سے توقع بھی یہی تھی)

## اظہار رائے

جس وقت پاکستان میں عورت مارچ کے حوالے سے بحث ہو رہی تھی اور ہر کوئی اس حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کر رہا تھا۔ تو کچھ لوگ اس کی حمایت تو کچھ مخالفت میں بیانات دے رہے تھے۔ مخالفت کرنے والوں کا کہنا تھا کہ جس طرح لوگ اس مارچ اور نعرے کی حمایت کرتے ہیں ویسے ہی وہ اپنی مرضی اور ذاتی سوچ کی وجہ سے اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔

گلوکارہ قرۃ العین بلوچ نے بھی اس کے متعلق ایک بیان دیا جس پر ایک نئی بحث چھڑ گئی۔ انہوں نے کہا ''حقوق نسواں کے حامی اپنے کام پر توجہ دیتے ہیں اور وہ اپنے حقوق حاصل کرنے پر چیخنے اور رونے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔''

''اس کے بعد کچھ نے ان کی حمایت اور کچھ نے اختلاف کیا۔ کچھ خواتین نے اس پر حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ'' وہ ایک عورت ہوتے ہوئے ایسا کہہ رہی ہیں (بھئی اپنی اپنی رائے ہے) کچھ لوگوں نے ان کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ سب جانتے ہیں کہ قرۃ العین بلوچ سچ بول رہی ہیں لیکن وہ خواتین اور لڑکیاں (اور مرد بھی) ان سے اتفاق نہیں کریں گی کیوں کہ وہ ایک غلط پروپیگنڈے پر کام کر رہے ہیں۔

## کچھ ادھر ادھر سے

☆ عمران خان کی حکومت پرویز مشرف، آصف زرداری اور نواز شریف کے پرانے ساتھیوں کے سہارے ریاست مدینہ بنانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ عمران بہت خوش قسمت ہیں کہ انہیں آج کی اپوزیشن سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

(قلم کمان..... حامد میر)

☆ اس وقت افراد نہیں پورا پاکستان کمرۂ امتحان میں ہے۔ ہمارے اندرونی اور بیرونی دشمن گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ کیا ہمیں اپنے ذاتی مفادات اپنے بچوں اور ہماری آنے والی نسلوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں یہ تو پوری طرح زوال کی زد میں آئی ہوئی قوم کی نشانی ہے۔

(حیدر الحق قاسمی، روزن دیوار سے)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

امت الصبور

# تاریخ کے جھروکوں سے

## خیزران

تاریخ کے صفحات میں بادشاہوں کے ایسے واقعات موجود ہیں کہ حکومتیں ان کے نام سے کانپتی تھیں لیکن حسین وجمیل خواتین کے سامنے یہ سب سرنگوں نظر آتے ہیں۔

مؤرخین اسلامی تاریخ کے سب سے طویل ترین سلسلہ بادشاہت یعنی خلافت بنو عباس کے تیسرے خلیفہ محمد المہدی عباسی (اکتوبر 774ء جولائی 785ء بہ مطابق) کا شمار ایسے ہی افراد میں کرتے ہیں جو ایک عظیم سلطنت کا مالک ومختار ہونے کے باوجود ایک حسین عورت کا غلام تھا۔

مہدی خلیفہ ضرور تھا لیکن اصل حکومت خیزران کی تھی۔ جو شوہر کے علاوہ اپنے دونوں خلیفہ بیٹوں کے فیصلوں پر بھی بری طرح انداز ہوتی رہی۔

بعض مؤرخین خیزران کو ایک کینہ پرور، لالچی اور خود غرض ملکہ کا خطاب بھی دیتے ہیں کیونکہ اسے صرف اپنی دولت میں اضافے اور احکامات پر عمل درآمد کے علاوہ کسی اور شے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اس نے شوہر سے ضد کر کے اپنے بڑے بیٹے کو ولی عہد کا منصب کسی اور سے چھین کر دلوایا تھا۔ اسے توقع تھی کہ بیٹا اس ''احسان'' کی لاج رکھے گا اور اس کا حکم بدستور خلافت بنو عباس پر چلتا رہے گا لیکن خلیفہ بیٹے نے ایک مرحلے پر خیزران کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تو اس نے ازخود اپنے لاڈلے بیٹے کی موت کی سازش تیار کی۔ جب بیٹے کے مرنے کی اطلاع اسے پہنچائی گئی تو اس نے باقاعدہ خوشی کا اظہار کیا۔ چنانچہ تاریخ نگاروں نے خیزران کو ''ایک ظالم ماں'' کا خطاب دیا ہے۔

اصلاً اور نسلاً ہاشمی ہونے کے دعوے دار 37 عباسی خلیفہ مسند اقتدار پر بیٹھے جن میں سے صرف تین خلیفہ، اعلا حسب نسب کی حامل عورتوں کے بطن سے تھے۔ ان میں سے بھی صرف امین الرشید (ملکہ زبیدہ بنت جعفر کے بطن سے) نجیب الطرفین ہاشمی تھا جبکہ باقی تمام لونڈیوں، کنیزوں یا داشتاؤں کی اولادیں تھیں۔

خیزران بھی خلفاء کا دل بہلانے کے لیے لائی جانے والی بے شمار و بے حساب لونڈیوں میں سے ایک تھی۔

جب خیزران محمد بن منصور کی زندگی میں داخل ہوئی تو وہ ولی عہد نہیں تھا، البتہ مہدی کا خطاب اسے مل چکا تھا اور وہ شادی شدہ تھا۔ اس کی بیوی ریطہ پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح کی بیٹی یعنی اس کی چچا زاد تھی لیکن ریطہ سے اسے کوئی خاص شغف یا دلچسپی نہ تھی بلکہ مہدی نے اپنے محل میں درجنوں طرح دار اور خوب صورت لونڈیاں رکھ چھوڑی تھیں جن کے حسن وجمال میں وہ ہر وقت مگن رہتا۔

تاریخ نگاروں نے اس کی وجہ مہدی کی آوارگی کو نہیں ریطہ کی ''مردانگی'' کو قرار دیا ہے۔ جسے محض باپ کے حکم کی تعمیل سمجھ کر اس نے قبول کر لیا کیونکہ اس کا باپ منصور، ریطہ کو بے حد چاہتا اور پسند کرتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ریطہ مستقبل کی ملکہ بنے۔

لیکن چچا کی چاہت وشفقت کے باوجود ریطہ اپنے شوہر کی منظور نظر نہ بن سکی۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ دلکشی اور رعنائی سے عاری اور بھاری بھرکم جسم کی مالک تھی۔ روایت ہے کہ اس کا بھائی محمد بن ابی العباس سخت کوش اور بے پناہ ورزش کا عادی تھا۔ ریطہ ورزش میں بھائی کے ساتھ شریک ہوتی۔ محمد بن ابی العباس لوہے کا ایک گرز اس کی طرف اچھالتا، وہ اسے اچک کر پکڑتی اور پھر اس کی طرف واپس پھینک دیتی۔

مہدی نے نہایت حسین وجمیل اور پری پیکر دوشیزائیں محل میں جمع کر رکھی تھیں تاکہ اپنی بھدی اور بے ڈھب بیوی سے دور رہ سکے..... اور خیزران

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ان سب میں اعلا وارفع تھی۔

مہدی نے اپنی ولی عہدی کے زمانے میں خیزران سے شادی نہیں کی جبکہ اس کے دونوں بیٹے یعنی موسیٰ اور ہارون اس کے خلیفہ بننے سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے۔

جب ان کی شادی ہوئی تو مہدی کو مسند خلافت پر بیٹھے دو سال ہو چکے تھے جبکہ شادی کے وقت خیزران کی عمر 37 سال تھی اور وہ اپنا بھرپور شباب بہ حیثیت لونڈی گزار چکی تھی۔

مہدی نے اسے وہی مرتبہ و مقام عطا کیا جو اس کی خاندانی بیوی ربطہ کا تھا۔ گو اسی سال ربطہ بھی ایک لڑکے کی ماں بنی (جسے بعد میں علی بن ربطہ کے نام سے شہرت ملی) لیکن خیزران کے رعب، دبدبے اور تنتنے میں بے حد اضافہ ہو گیا۔

اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ خیزران اور ربطہ دو روایتی سوکنوں کی حیثیت سے ایک دوسرے کے مقابل آ گئیں۔ دونوں میں نہ ختم ہونے والی نفرت، حسد اور بے زاری پیدا ہو گئی۔ اس کی ایک وجہ ربطہ کا خود کو برتر و عظیم سمجھنا بھی تھا۔ وہ نسلاً ہاشمی تھی اور اسی رتبے کی متقاضی بھی۔ اس کا سماج، خاندان اور مرتبہ بہر طور خیزران سے بلند بلکہ اس کی ضد تھا۔ لیکن شوہر کا رجحان ایک کم نسل عورت کی طرف زیادہ اور خاندانی بیوی کی طرف کم تھا۔

اپنی حیثیت کے زعم میں ربطہ خصوصاً ان عورتوں کو بالکل منہ نہ لگاتی تھی جو اس کے شوہر کی خلوت میں دخل رکھتی تھیں۔ لیکن اس کے برعکس خیزران چونکہ حقیقتاً فرش سے اٹھ کر عرش تک پہنچی تھی، اس لیے وہ سب کی خاطر مدارت کرتی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ربطہ محل میں غیر مقبول، غیر معروف اور تنہا ہو گئی جبکہ خیزران نے سب کی توجہ اور محبت حاصل کر لی۔

ربطہ نے کچھ دن تو یہ سب کچھ دیکھا لیکن پھر خود ہی محل کے اندرونی و بیرونی معاملات سے کنارہ کش ہو گئی۔ چنانچہ خیزران نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور رفتہ رفتہ شوہر پر حاوی ہوتی چلی گئی اور اسے اپنی خواہشات کا غلام بنا لیا۔

خیزران کو موسیٰ سے بے حد محبت تھی۔ اس نے بیٹے کی پرورش کے لیے دن رات ایک کر رکھا تھا۔ البتہ ایک پریشانی اسے لاحق تھی کہ وہ باندی تھی اور محلوں میں باندیوں کی عمریں ایک مخصوص حد سے زیادہ برداشت نہیں کی جاتی تھیں۔ چنانچہ اسے بھی خدشہ تھا کہ عمر ڈھلتے ہی مہدی کسی اور کو اس کا مقام بخش دے گا۔

لیکن قسمت کی دیوی اس پر مہربان تھی۔ موسیٰ نے ابھی پیروں چلنا شروع نہ کیا تھا کہ اسے اپنے پیٹ میں ایک نئی روح کی موجودگی کا احساس ہونے لگا اور 765 کے موسم سرما کی ایک شب اس نے ایک اور صحت مند اور خوش شکل بیٹے کو جنم دیا، جس کا نام باپ نے ہارون رکھا۔

اب وہ دو بیٹوں کی ماں تھی جس میں کوئی ایک لازمی طور پر ولی عہد سلطنت ہوتا۔ چنانچہ اب ان خدشات کا خاتمہ ہو گیا جو اسے اپنے مستقبل کے حوالے سے لاحق تھے۔

اسی زمانے میں خلیفہ منصور کے بڑے بیٹے جعفر اکبر (ملکہ زبیدہ کا باپ) کا انتقال ہو گیا چنانچہ اس نے مہدی کو رے سے بغداد بلا بھیجا۔

بغداد میں رہ کر خیزران کی عادات میں نمایاں تبدیلیاں آئیں۔ وہ بے انتہا زود رنج اور انتہا پسند ہو گئی۔ محبت میں بھی اور نفرت میں بھی۔ محبت کرتی تو سراپا محبت بن جاتی اور بڑی سے بڑی تکلیف بھی بھول جاتی لیکن جب نفرت کرتی تو حشت و بربریت کی آخری حدوں تک پہنچ جاتی۔ اس کی عادات اور مزاج بنانے میں اس کے شوہر کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ اسے غضب ناک دیکھ کر سہم جاتا اور اس کی ہر بات مان لیتا۔ اس کا کوئی مطالبہ ایسا نہ تھا جو پورا نہ ہو اور کوئی خواہش ایسی نہ تھی جو ادھوری رہ جائے۔

واقدی کے حوالے سے ایک روایت ہے۔

''ایک روز میں مہدی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسے میں نے بعض احادیث سنائیں۔ جنہیں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اس نے لکھ لیا پھر اٹھا اور زنان خانے میں چلا گیا۔ ذرا دیر گزری تھی کہ غصے میں بھرا ہوا باہر نکلا۔

میں نے عرض کیا۔ ''یا امیر المومنین! مزاج عالی برہم کیوں نظر آرہے ہیں؟''

مہدی نے جواب دیا۔ ''میں خیزران کے پاس گیا تھا۔ وہ غصے میں بھری بیٹھی تھی۔ اس نے میرے کپڑے پکڑ کر کھینچے اور انہیں تار تار کر دیا اور کہنے لگی۔ ''جب سے تیرے یہاں آئی ہوں، میں نے اے خاکروب! تجھ سے کوئی بھلائی نہیں پائی..... حالانکہ خود میں نے اسے نخاس سے خریدا تھا۔ اللہ تجھے غارت کرے، اے واقدی! بتا کیا میں خاکروب ہوں؟''

خیزران کی اس حرکت اور خلیفہ کے ردعمل سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کون کس پر حاوی تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مہدی، خیزران کو دیکھ کر یوں مؤدب ہو جایا کرتا تھا جیسے خیزران خلیفہ ہو اور وہ خود اس کا کوئی تیسرے درجے کا مصاحب!

خیزران کو مال و دولت جمع کرنے کی ہوس اور شان و شوکت کا مظاہرہ کرنے کا بے حد شوق تھا۔ اپنے آخری زمانے میں وہ اپنے عہد کی سب سے مال دار عورت تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ نہایت فیاض اور سخی بھی تھی۔

آخری اموی خلیفہ مروان کی بیوی مزنہ نہایت عسرت و تنگ دستی کے عالم میں، بھوک و پیاس سے نڈھال ایک دن خیزران کے پاس حاضر ہوئی، جب اس کے پاس ہاشمی خاندان کی بعض اور عورتیں بھی موجود تھیں۔ انہوں نے مزنہ کو نہ صرف پہچان لیا بلکہ اسے ذلیل و رسوا کر کے محل سے نکالنے کی کوشش بھی کی لیکن خیزران کا دل اس کی حالت دیکھ کر بھر آیا۔ وہ یہ دیکھ کر آزردہ خاطر ہوگئی کہ کل کی ملکہ آج ایک بھکارن کی صورت میں اس کے دروازے پر آئی ہے۔

اس نے ہاشمی خواتین کے طنز و تشنیع کی پروا کیے بغیر کنیزوں کو محل میں اس کے لیے آرام و آسائش سے بھرپور ایک کمرہ تیار کرنے کا حکم دیا اور تسلی تشفی دے کر مزنہ کو وہاں بھیج دیا۔ کہتے ہیں کہ جب مہدی گھر آیا تو اس نے یہ واقعہ تمام جزئیات کے ساتھ اسے سنایا تو مہدی کی آنکھیں بھی نم آلود ہوگئیں، کہنے لگا۔

''اگر تم نے مزنہ کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا ہوتا تو میں تم سے کبھی بات نہ کرتا۔''

یوں مردان کے قتل کے بعد چھن جانے والا عیش و آرام مزنہ کو دوبارہ مل گیا اور وہ اپنی موت تک شاہی محل میں خیزران کی مہمان خاص کی حیثیت سے مقیم رہی۔

خیزران چوں کہ خلیفہ کے ہاتھ ولی عہد کے لیے فروخت ہوئی تھی، اس لیے قدرتی طور پر وہ ان شعبوں میں دوسری کنیزوں سے زیادہ اہل رہی ہوگی۔ لیکن امور مملکت میں اس نے جو فیصلے کیے انہیں پرکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ غیر معمولی ذہانت، بصیرت اور تدبیر کے مسلمہ معیار پر پوری نہیں اترتی تھی۔

عباس خاندان کی سب سے با اختیار عورت بننے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یمن میں مقیم اپنے اہل خانہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر بغداد بلایا جبکہ خلیفہ منصور کے انتقال سے قبل کسی میں بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ عباسی دارالخلافہ کا رخ کرتا۔

وہ نہایت عسرت زدہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان میں اس کی ماں، دو بہنیں سلسل اور اسما کے علاوہ انگور کے ایک باغ کی رکھوالی کرنے والا اس کا بھائی عطریف بن عطا شامل تھے۔ خیزران نے ان کے لیے ایک شان دار حویلی تعمیر کرائی۔

اب خیزران کا اگلا نشانہ اس کا سوتیلا بیٹا ولی عہد عیسیٰ تھا۔ اس نے مہدی کو اس پر بھی قائل کر لیا کہ وہ عیسیٰ کے بجائے اپنے بڑے بیٹے موسیٰ کو اپنا جانشین بنائے۔ مہدی تو خیزران کے سحر میں مبتلا تھا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور موسیٰ کو ولی عہد بنا کر ہادی کا خطاب دیا۔ اب وہ امیر المومنین کی رفیقہ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

حیات اور ولی عہد سلطنت کی ماں تھی۔

وہ دونوں بیٹوں سے محبت کرتی تھی لیکن موسیٰ کی خودسری اور نافرمانی کے باعث اس سے ناراض رہتی تھی۔ البتہ ہارون اس کا مطیع اور فرماں بردار تھا۔ چنانچہ وہ ہارون کو آگے بڑھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھی چنانچہ اس نے ہارون کو ولی عہد بنانے کی ضد شروع کردی لیکن منصور اس پر راضی نہ ہوا۔

باپ کے انتقال کے اٹھارویں دن موسیٰ الہادی خلیفہ کی حیثیت سے بغداد پہنچا اور حالات و واقعات کے تجزیے کے بعد ''بھول جاؤ'' کی پالیسی اختیار کی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے خلاف ہونے والی سازش میں خاندان برمکہ کے ساتھ ساتھ اس کی ماں کا ہاتھ بھی ہے، لیکن اس کی کوشش تھی کہ ماں سے صلح کرلے اور ماضی کے واقعات کو فراموش کردے۔

لیکن اس نے حسب سابق حکومت معاملات میں دخل اندازی شروع کردی۔

ایک روز خیزران، ہادی کے پاس ایک کام کرانے کے لیے آئی۔ وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہوا لیکن خیزران کا اصرار جاری رہا۔ ''یہ کام تو تمہیں کرنا ہی پڑے گا۔''

''میں نہیں کرسکتا۔'' ہادی نے جواب دیا۔

خیزران نے کہا۔ ''میں، عبد اللہ بن مالک (خلیفہ کے محافظ جماعت کا سردار) کی یہ ضرورت پوری کرنے کا وعدہ کرچکی ہوں۔''

ہادی کا چہرہ مارے غصے کے سرخ ہوگیا۔ ''اللہ اس شخص کو سمجھے، خدا کی قسم! میں آپ کے کہنے سے یہ کام نہیں کروں گا۔''

خیزران نے پرعتاب لہجے میں کہا۔ ''خدا کی قسم! اب تجھ سے میں کسی کام کا نہیں کہوں گی۔''

''مجھے اس کی پروا نہیں۔'' ہادی نے جواب دیا تو خیزران مارے غضب کے کانپ اٹھی۔ لیکن ہادی نے ابھی بات مکمل نہیں کی تھی۔

''میری بات غور سے سنیے۔'' اس نے دوبارہ ماں کو مخاطب کیا۔ ''اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ میری فوج کا کوئی سردار، حاکم یا دربار کا مصاحب آپ کے دروازے پر پہنچا ہے تو اس کا سر قلم کردوں گا اور سارا مال و متاع ضبط کرلوں گا۔ آخر ہر روز صبح و شام آپ کے دروازے پر لوگ اتنی بڑی تعداد میں کیوں جمع رہتے ہیں۔ آپ کے پاس قرآن نہیں کہ اس کی تلاوت کریں، نہ کوئی گوشۂ عافیت ہے کہ چپ چاپ وہاں وقت گزاریں۔ خبردار..... آپ کا دروازہ اب میرے کسی آدمی کے لیے کبھی نہ کھلے۔''

خیزران، ہادی کے پاس زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی اور چلی گئی۔ حالت یہ تھی کہ پاؤں رکھ کہیں رہی تھی، پڑ کہیں رہا تھا۔

اس کے بعد ہادی نے اپنے سردار فوج، حکام و عمائدین سلطنت اور مصاحبین دربار کو طلب کیا اور ان سے پوچھا۔

''کیا تم میں سے کوئی گوارا کرسکتا ہے کہ لوگ اس کی ماں کے بارے میں چرچا کریں۔ کوئی کہے فلاں شخص کی ماں نے یہ کہا اور فلاں آدمی کی ماں نے یہ کہا؟''

سب لوگوں نے عرض کیا۔ ''نہیں امیر المومنین! کوئی شخص بھی اسے گوارا نہیں کرسکتا۔''

ہادی بولا۔ ''پھر کیا بات ہے کہ لوگ میری ماں کے دروازے پر پہنچتے ہیں اور پھر اس کی باتوں اور کاموں کے متعلق چرچا کرنے لگتے ہیں؟''

لوگ خاموش ہوگئے اور سمجھ گئے، خلیفہ کیا چاہتا ہے اس کے بعد لوگوں نے خیزران کے ہاں جانے سے توبہ کرلی۔

خیزران کو یہ معلوم ہوا تو اسے بے حد صدمہ ہوا۔ اس نے بیٹے سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرلی اور قسم کھالی کہ اب اس سے زندگی بھر بات نہیں کرے گی۔

آل برمک کی خواتین رہے میں قیام کے دوران خیزران کے بے حد قریب رہی تھیں۔ انہوں نے ماں بیٹے کی اس لڑائی میں خیزران کا بھرپور ساتھ دیا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

یحییٰ برمکی نے اس صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور خیزران کو باور کرادیا کہ ہادی نے نہ صرف اپنے باپ کو زہر دے کر ہلاک کروایا ہے بلکہ اب وہ خیزران اور خود اس کے علاوہ ہارون کی جان کے درپے بھی ہے۔

ہادی نے پلاؤ پکوا کر خیزران کو بھیجا اور قاصد کے ہاتھ کہلوایا کہ ''خلیفہ کو یہ بے حد پسند آیا ہے، ان کی خواہش ہے کہ آپ بھی اسے نوش فرمائیں۔''

خیزران نے تحفہ لے لیا لیکن اس سے پہلے اسے کھتی، خالصہ نامی لونڈی نے اسے روک دیا۔

''ٹھہریے سیدہ! ابھی نہ کھایئے۔ ذرا دیکھیے تو سہی، ایسا نہ ہو کہ اس میں آپ کو نقصان پہنچانے والی کوئی شے ہو۔''

بات خیزران کے دل کو لگی۔ چنانچہ اس کے حکم سے ایک کتا لایا گیا اور چاول اس کے سامنے ڈال دیے گئے۔ کہتے ہیں کہ کتے نے جیسے ہی چاولوں میں منہ ڈالا اس کی کھال گل کر گر پڑی اور وہ وہیں مر گیا۔

کئی مؤرخین اس واقعے سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کے بقول مسلمان کے سب سے بڑے اور عالی جاہ خلیفہ کی جانب سے اپنی ماں کے لیے چاولوں کا تحفہ بھیجا جانا قرین قیاس نہیں، کیونکہ اس طرح کے پکوان فقیروں اور حاجت مندوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔

یہ کسی تیسرے فریق کی چال تھی تاکہ ماں بیٹا ایک دوسرے سے مزید دور ہو جائیں۔ خادمہ کی جانب سے اچانک اندیشے کا اظہار اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سب کچھ طے شدہ منصوبے کے تحت ہوا۔ ورنہ ہادی کے لیے بطور خلیفہ یہ مشکل نہ تھا کہ وہ خاموشی سے خیزران کو راستے سے ہٹا دیتا۔

اچانک ہادی بیمار ہو گیا، اس کی خبر سن کر خیزران نے جیل میں یحییٰ کو پیغام بھیجا کہ.....

''وہ شخص اپنے انجام کو پہنچنے والا ہے۔ وہ قطعاً ہلاک ہو جائے گا۔ تم ضروری اقدامات کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

علالت کے تین دن بعد ہادی اچانک وفات پا گیا۔

خیزران نے اس کی اطلاع یحییٰ کو بھوائی جس نے پیغام دینے کے علاوہ خود دروازہ کھول کر یحییٰ کو رہا کیا۔ یحییٰ جیل سے سیدھا قصر ابیض پہنچا تاکہ خبر کی تصدیق ہو سکے۔ مؤرخین کے مطابق ہادی کی علالت سے لے کر وفات تک وہ پہلا شخص تھا جس نے قصر میں قدم رکھا۔

مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ ہادی کی موت دم گھٹ کر ہوئی اور خیزران کے اشارے سے ہوئی۔

خیزران بعض ہاشمی عورتوں سے بیٹھی باتیں کر رہی تھی تو اس کی کنیز خالصہ حاضر ہوئی اور کہنے لگی۔ ''یا سیدہ! موسیٰ (ہادی) کا انتقال ہو گیا۔''

خیزران نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ ''تو کیا ہوا؟ ہارون تو زندہ ہے۔''

پھر اس نے ستو خود بھی پیا اور وہاں موجود خواتین کو بھی پلوایا۔ خزانے سے ایک بڑی رقم نکلوائی اور ان عورتوں کو تقسیم کر دی۔ گویا یہ ایک خوش خبری تھی جس کا انعام بانٹا جا رہا تھا۔

بہرطور ہارون الرشید کے خلیفہ بننے 786ء کے بعد خیزران کی پرانی حیثیت اور کھوئے ہوئے اختیارات پھر سے بحال ہو گئے۔ معاملات عوام اور امور مملکت میں اس کی دخل اندازی اسی طرح شروع ہو گئی جیسے کبھی شوہر کے زمانے میں ہوا کرتی تھی۔

یحییٰ اچھی طرح جانتا تھا کہ خیزران کو دولت جمع کرنے کی عادت ہے۔ اس لیے بغیر حساب کتاب وہ اس کی ہر خواہش پوری کرتا رہتا تھا۔ اس نے اس کے لیے بہت سے گاؤں، باغات اور جاگیریں خرید کر نذر کر دی تھیں اور یہ چیزیں پا کر وہ بے حد خوش ہوتی تھی۔ اس کی جائیداد بہت زیادہ تھی، بعض مؤرخین نے اس کی قیمت کا اندازہ مملکت کی سالانہ آمدنی کا پانچ گنا لگایا ہے لیکن اس بار خیزران کی ''حکمرانی'' کا دور کچھ زیادہ طویل ثابت نہ ہوا۔ ہارون کی خلافت کے صرف تین سال بعد وہ انتقال کر گئی، وفات کے وقت خیزران کی عمر لگ بھگ پچاس سال تھی۔

☆☆

Waqar Azeem Pakistanipoint

# موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہر خاتون خانہ کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ روزمرہ کے کھانوں سے ہٹ کر نت نئے کھانوں سے گھر والوں اور مہمانوں کی تواضع کرے۔

گوشت کی وافر مقدار کے ساتھ فرمائشوں کی بھی ایک لمبی فہرست ہوتی ہے جو گھر کے شوقین اور خوش خوراک افراد کی طرف سے ہوتی ہے۔

اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے اس مرتبہ وہ تراکیب شائع کی ہیں جو آپ کے لیے بنانا آسان ہوں۔

## کلیجی کڑاہی

ضروری اشیاء:۔

| | |
|---|---|
| بکرے کی کلیجی | آدھا کلو |
| ادرک لہسن | دو چائے کے چمچے |
| لال مرچ | ایک چائے کا چمچہ |
| ہلدی | ایک چٹکی |
| نمک | حسب ذائقہ |
| تیل | آدھا کپ |
| ٹماٹر | آدھا پاؤ |
| ہری مرچ | آٹھ عدد |
| پیاز | آدھا پاؤ (موٹی کٹی ہوئی) |
| گرم مسالا | حسب ضرورت |
| ہرا مسالا | حسب ضرورت |

ترکیب:۔

گرم تیل میں پیاز کو ہلکا سا تل کر نکال لیں۔ دوبارہ اسی تیل میں کلیجی دھو کر تل لیں۔ اس میں لہسن ادرک ٹماٹر، لال مرچ، ہلدی، نمک، تلی ہوئی پیاز اور باریک کٹی ہوئی ہری مرچ ڈالیں۔

پھر اتنا پکائیں کہ کلیجی گل جائے، اس کے بعد بھون لیں۔ آخر میں پسا گرم مسالا اور ہرا مسالا ڈال کر سرو کریں۔

## کلیجی مسالا

ضروری اشیاء:

| | |
|---|---|
| کلیجی | آدھا کلو |
| پیاز | دو عدد |
| کٹی لال مرچ | ایک چائے کا چمچہ |
| گرم مسالا | آدھا چائے کا چمچہ |
| ہرا دھنیا | ایک کھانے کا چمچہ |
| ہری مرچیں | دو عدد |
| زیرہ | آدھا چائے کا چمچہ |
| ثابت دھنیا | آدھا چائے کا چمچہ |
| ہلدی | آدھا چائے کا چمچہ |
| لہسن، ادرک | ایک کھانے کا چمچہ |
| تیل | حسب ضرورت |

ترکیب:۔

ساس پین میں تیل گرم کریں۔ اس میں لہسن ادرک اور کلیجی ڈال کر دو منٹ فرائی کریں پھر اس میں پیاز، کٹی لال مرچ، پسا گرم مسالا، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، زیرہ، ثابت دھنیا اور ہلدی ڈال کر ہلکی آنچ پر اتنی دیر پکائیں کہ کلیجی گل جائے۔ تیل اوپر آجائے تو چولہا بند کر دیں اور سرونگ ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

## مزے دار ران

ضروری اشیاء:

| | |
|---|---|
| بکرے کی ران | ایک عدد |
| کچا پپیتا | چوتھائی کپ |
| دہی | آدھا کپ |
| پسی لال مرچ | ڈیڑھ کھانے کا چمچہ |
| پسا گرم مسالا | ایک چائے کا چمچہ |

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

| | |
|---|---|
| براؤن پیاز | تین کھانے کے چمچے |
| ادرک، لہسن پیسٹ | ایک کھانے کا چمچہ |
| پسی سونف | ایک چائے کا چمچہ |
| جائفل، جاوتری | ایک چٹکی |
| نمک | حسب ذائقہ |
| تیل | آدھا کپ |

ترکیب:

ران دھولیں اور تیز چھری کی مدد سے گہرے کٹ لگالیں۔ پیالے میں دہی، کچا پپیتا، لال مرچ، گرم مسالا، براؤن پیاز، ادرک، لہسن، سونف، جائفل جاوتری اور نمک شامل کر کے آمیزہ بنالیں۔ مسالے کا آمیزہ ران پر اچھی طرح لگا کر سات سے آٹھ گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ ایک گرل پین کو اچھی طرح گریس کریں اور بقایا تیل ران پر لگادیں۔ گرل پین میں ران کو دھیمی آنچ پر پکالیں۔ ایک سائیڈ سنہری ہوجائے تو پلٹ دیں۔ تیار ہونے پر سرونگ ڈش میں نکال کر گرم گرم سرو کریں۔

## مزے دار بوٹی

ضروری اشیاء:۔

| | |
|---|---|
| گوشت | ایک کلو |
| لہسن ادرک | دو کھانے کے چمچے |
| کٹی مرچ | دو کھانے کے چمچے |
| اجوائن | آدھا چائے کا چمچہ |
| سفید زیرہ | ایک چائے کا چمچہ |
| کٹا ہوا دھنیا | ایک کھانے کا چمچہ |
| دہی | ایک پاؤ |
| تیل | آدھا کپ |
| سرکہ | تین کھانے کے چمچے |
| کچا پپیتا | چار کھانے کے چمچے |

ترکیب:

گوشت میں لال کٹی مرچ، اجوائن، بھنا ہوا سفید زیرہ، کٹا دھنیا، دہی، سرکہ اور کچا پپیتا یا گوشت گلانے کا پاؤڈر لگا کر اچھی طرح ملالیں۔ پھر تین سے چار گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ گوشت کو ڈال کر بھونیں۔ پھر جب گوشت کا اپنا پانی خشک ہوجائے دو تین منٹ تک مزید بھونیں۔ کونکہ دہکا کر اس کا دم دیں۔ مزیدار بوٹی تیار ہے۔

## مسالا کباب

ضروری اشیاء

کباب کے لیے:

| | |
|---|---|
| قیمہ | ایک پاؤ |
| ہری مرچیں | دو عدد |
| پسا لہسن ادرک | ایک کھانے کا چمچہ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| ثابت دھنیا | ایک چائے کا چمچہ |

گریوی کے لیے:

| | |
|---|---|
| پیاز | ایک عدد |
| ٹماٹر | دو عدد |
| ریڈ چلی ساس | چوتھائی کپ |
| پسی لال مرچ | ایک چائے کا چمچہ |
| لہسن ادرک | ایک چائے کا چمچہ |
| پسی جائفل جاوتری | ایک چائے کا چمچہ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| تیل | آدھا کپ |
| ہلدی | چوتھائی چائے کا چمچہ |

ترکیب:

سل یا چوپر میں قیمہ، ہری مرچیں، لہسن ادرک، نمک، ثابت دھنیا ڈال کر باریک پیس لیں پھر اس کے کباب بنا کر توے پر ہلکا فرائی کر کے الگ رکھ دیں۔ ساس پین میں تیل گرم کر کے پیاز ساتے کرلیں پھر اس میں ٹماٹر، ریڈ چلی ساس، لہسن ادرک، جائفل جاوتری، نمک اور ہلدی ڈال کر بھونیں پھر اس میں آدھا کپ پانی شامل کریں اور خشک ہونے تک درمیانی آنچ پر پکائیں۔ تیار مسالے میں کباب رکھ کر پانچ منٹ کے لیے دم لگادیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر گرم گرم پراٹھے کے ساتھ پیش کریں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

## دودھ کا حلوہ

اجزاء:

| | |
|---|---|
| دودھ | دو کلو |
| ٹاٹری | ایک چائے کا چمچہ |
| کھجور | ایک پاؤ |
| ناریل | پسا ہوا |
| بادام | حسب پسند |
| چینی | حسب پسند |
| میدہ | آدھا پاؤ |

ترکیب:

دودھ کڑاہی میں ڈال کر گرم کرلیں جب دودھ ابلنے لگے تو اس میں ٹاٹری ڈال دیں چمچہ مسلسل چلاتی رہیں۔ ٹاٹری ڈالنے پر دودھ پھٹ جائے گا اور پانی الگ اور دودھ الگ ہوجائے گا۔ ہلکی آنچ پر چمچہ چلاتی رہیں اور یہاں تک کہ سارا پانی ختم ہوجائے اور صرف دودھ بچ جائے اس میں چینی اور میدہ ملادیں۔ پہلے میدہ ڈالیں اور جب میدہ اچھی طرح گھل جائے تو چینی ڈال دیں۔ اس کے بعد ناریل اور بادام ڈالیں چولہے سے اتارنے سے پہلے کھجور بھی شامل کردیں۔ چاہیں تو دو کھانے کے چمچے سویاں بھی بھون کر ڈال سکتے ہیں۔ مزے دار دودھ کا حلوہ تیار ہے۔

## بادامی قورمہ

اجزاء:

| | |
|---|---|
| بکرے کا گوشت | ایک کلو |
| دہی | ایک کپ |
| لہسن ادرک | دو کھانے کے چمچے |
| بادام | دس عدد |
| پیاز | چھ عدد |
| تیز پات | دو عدد |
| سبز الائچی | چھ عدد |
| نمک، تیل | حسب ذائقہ وضرورت |

ترکیب:

تیل گرم کرکے پیاز براؤن کریں پھر تیل سے نکال کر اخبار پر پھیلادیں۔ اسی تیل میں گوشت ڈال کر اتنی دیر فرائی کریں کہ گوشت کا پانی خشک ہوجائے اور رنگت تبدیل ہوجائے۔ اب گوشت نکال کر الگ رکھ لیں اور اسی تیل میں ادرک لہسن، نمک، سرخ مرچ (چاہیں تو قورمہ مسالا) ڈال کر اچھی طرح بھونیں پھر دہی شامل کردیں۔ اس کے بعد ذرا سا پانی شامل کرکے گوشت ڈال دیں۔ اچھی طرح مکس کریں اور پندرہ منٹ ڈھک کر پکائیں۔ گوشت گل جائے تو براؤن پیاز پیس کر ملادیں۔ مسالا یکجان ہونے تک بھونیں پھر تیز پات، کترے ہوئے بادام ڈال کر دم پر رکھیں۔ آخر میں ایک چمچہ کیوڑہ ڈال کر چولہا بند کردیں۔

## کوفتہ رائس

اجزاء:

| | |
|---|---|
| قیمہ | آدھا کلو |
| ادرک لہسن | دو کھانے کے چمچے |
| گرم مسالا | آدھا چائے کا چمچہ |
| بیسن | ایک کھانے کا چمچہ |
| چاول | آدھا کلو |
| دہی | آدھا کپ |
| نمک، تیل | حسب ذائقہ وضرورت |

ترکیب:

قیمے کو باریک پیس کر اس میں نمک، لال مرچ، ادرک لہسن، گرم مسالا، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، ایک پیاز (پیس کر) اور بیسن مکس کرکے کوفتے بنائیں۔ الگ پتیلی میں تیل گرم کرکے ایک پیاز تل لیں، سنہری ہوجائے تو زیرہ، لہسن ادرک ڈال کر بھون لیں۔

مسالا تیل چھوڑنے لگے تو کوفتے ڈال دیں۔ ساتھ ہی دہی شامل کرکے بھونیں۔ روغن اوپر آجائے تو ابلے ہوئے چاول ڈال کر ہلکے ہاتھوں سے مکس کریں، پھر دم پر رکھ دیں۔ چاہیں تو زردے کا رنگ کیوڑے میں گھول کر چھڑک دیں۔ مزے دار کوفتہ رائس تیار ہے۔

☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ادارہ

# خوب صورت بنیے

خوب صورت اور تروتازہ جلد چہرے کی دلکشی میں اضافہ کرتی ہے بلکہ جلد چمکتی دمکتی ہو تو چہرے کے نقوش پر توجہ کم ہی جاتی ہے۔ جلد کی رنگت بھال مصنوعی اجزا پر مشتمل کریموں کے بجائے اگر قدرتی اجزا سے کی جائے تو اس کے نتائج خاصے حیران کن ہوتے ہیں۔ قدرت نے تمام موسمی پھلوں کو ایسے خواص عطا کیے ہیں جو انسانی جلد کو موسم کے مضر اثرات سے حیرت انگیز طور پر محفوظ رکھتے ہیں۔

خربوز، موسم گرما کا خاص تحفہ ہے۔ یہ جسم کو مضبوط کرکے گرمی کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس میں کیلشیم، پوٹاشیم، فاسفورس، نشاستہ، وٹامنز اے اور بی موجود ہوتے ہیں۔ گردے کی تکلیف اور قبض میں خربوز، کھانا بے حد مفید ہے۔

☆ گردے کا درد ہو تو بارہ گرام خربوزے کا چھلکا، تھوڑا سا کالا نمک ایک گلاس عرق گلاب میں ابال لیں۔ چھان کر پی لیں۔ آرام آجائے گا۔

☆ خربوزے کا چھلکا اور بیسن برابر مقدار میں لے کر باریک پیس لیں۔ تھوڑی سی دہی میں ملا کر چہرے پر لگالیں۔ بیس منٹ بعد سادہ پانی سے منہ دھولیں۔ اس سے چہرے کے داغ، دھبے، کیل اور مہاسے ختم ہوجاتے ہیں۔

☆ خربوزے کے چھلے ہوئے بیج چائے کا ایک چمچہ لے کر دو عدد بادام کے ساتھ باریک پیس لیں۔ چند قطرے لیموں کا رس اور پانچ چمچ بالائی والا دودھ شامل کرکے خوب اچھی طرح ملائیں۔ چہرے پر لگالیں۔ بیس منٹ تک لگا رہنے دیں، پھر ٹھنڈے پانی میں روئی بھگو کر اس سے چہرہ صاف کرلیں۔ یہ جلد کے لیے بہترین ماسک ہے۔

☆ تقریباً سو گرام خربوزے کا گودا لے کر اس میں چائے کا ایک چمچہ شہد اور کھانے کے دو چمچے خشک دودھ شامل کرلیں۔ اچھی طرح ملا کر چہرے پر لگالیں۔ بیس منٹ بعد نیم گرم پانی سے منہ دھولیں۔ یہ ماسک خشک جلد کے لیے اکسیر ہے۔ یہ جلد کو نمی فراہم کرکے اسے تروتازہ کرتا ہے۔ اگر آپ کی جلد چکنی یا نارمل ہے تو اس ماسک میں خشک دودھ شامل نہ کریں۔

☆ اگر آپ کے چہرے پر داغ، دھبے ہیں یا جلد دھوپ سے سنولا گئی ہے تو خربوزے کا تھوڑا سا گودا مسل کر چہرے پر لگالیں۔ ہلکے ہاتھوں سے چند منٹ تک ملیں، پھر خشک ہونے دیں۔ بیس منٹ بعد ٹھنڈے پانی سے منہ دھولیں۔ یہ عمل نہایت سادہ ہے۔ آپ روزانہ بھی کرسکتی ہیں۔ چند ہی دنوں میں جلد پھول کی طرح کھل اٹھے گی۔

☆ خربوزے کا گودا اور کھیرا ہم وزن لے لیں۔ ایلوویرا کا عرق اور سبز چائے کی پتیاں تھوڑی مقدار میں شامل کرکے اچھی طرح پیس لیں۔ ہاتھوں اور پیروں پر ملیں اور پانچ منٹ بعد سادہ پانی سے دھولیں۔ جلد صاف ستھری اور نرم ملائم ہوجائے گی۔

☆☆

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com